وَلَسَوفَ یُعطِیکَ رَبُّکَ فَتَرضٰی

الحمد للہ والعزۃ کہ کتاب فیضان لاہوتیہ مسمٰی باسم

البدرین النفحین

فی تحقیق اسلام

آباء سید الکونین

الراجی شفقت نبی الرؤف الرحیم فقیر ابو الفیض و ابو محمد حبیب الرحیم

فاروقی ۔ قادری ۔ نعمانی زاد اللہ حبہٗ فی معرفتہٖ

آستانہ عالیہ فاروقیہ مسجد جامع الفاروق

محلہ قادریہ گوجر پورہ ۔ لاہور ۔

ففی کل وقت شیانہ شئنا العلیٰ ، وفی کل شانٍ شئنہ لا منتہا (فاروقی)

ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

من اکل طیبا وعمل فی سنۃ وامن الناس بوائقہ دخل الجنۃ (ترمذی)

الحمد للہ والعزۃ کہ کتاب فیضان لاھوتیہ مسمّی باسم

البدرین والنفحین

فی تحقیقِ اسلام

آباء سیدِ الکونین

من تصانیف

الراجی شفقت نبی الرؤف الرحیم فقیر ابوالفیض و ابو محمد حبیب الرحیم

فاروقی۔ قادری۔ نعمانی زاد اللہ حبہ فی معرفتہ

بفرمائش

جملہ اہلِ طریقت و طالبانِ صداقت طبع گردید

ملنے کا پتہ

آستانہ عالیہ فاروقیہ مسجد جامع الفاروق محلہ قادریہ گوجرپورہ

ڈاک خانہ باغبانپورہ۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدك بسر الروح وهويته يا الله ونشكرك على جزيل نعم معرفتك ربا ربّاه) والصّلوٰة الاكمل على حبيبك الذى احيا ابوائه واقربائه لاجله يا سيّداه والسّلام المكمل عليه وعلى آله واصحابه وازواجه واحبابه واشياعه وعلماء امّته وعطرته واهل بيته وعشيرته اجمعين. آمين. يا رب العالمين.

اللّٰهم اهدنا الى الصّراط المستقيم.

امابعد

فيقول عبد الضعيف المذنب الراجى الى رحمة الله الرحيم فقير ابو الفيض وابو محمّد حبيب الرحيم ابن قاضى امير عبد الله ابن قاضى نصر الله ابن قاضى محمد فضائل ابن قاضى احسان الله ابن قاضى امان الله فاروقى نسباً۔ الحنفى مذہباً۔ القادری نسبتاً و خلافةً السواتی وطناً۔ اللاہوری اقامتہً اعطاء اللہ رضاہٗ فی دینہٖ و دنیاہٗ۔ کہ اس ملک پاکستان کے اطراف و جوانب میں اس فقیر کے احباب دینی رہائش پذیر ہیں۔ ان میں اہل علم حضرات بھی ہیں۔ جو وقتاً فوقتاً مسائل مختلفہٗ فیہ کی توضیحات کے لئے فتوےٰ صحیحہ مستندہ مطابق مذہب امام اعظمؒ طلب کرتے رہتے ہیں اور چونکہ انہوں نے اس فقیر کو عقائد ائمہ اربعہ اور علم ایمان ایقان اذعان زہد ورع تقویٰ پرہیز محبت اخلاص وغیرہ کل لوازمات دین میں کامل جانا ہے اس لئے اس فقیر کے فتوے کو وہ جزو ایمان یقین کرتے ہیں اور اس پر ثابت قدمی سے چلتے ہیں۔ اس لئے دوستان دینی کے قوائے ایمانیہ کو بام عروج تک پہنچانے کے لئے یہ فقیر ناچیز کم استعداد بعون اللہ المنان ان کے سوالات کے جوابات

نہایت تدقیق و تحقیق کے ساتھ محققین علماء کرام و اہل اللہ عظام کے اقوال سے استنباط کرکے رسائل کی شکل میں شائع کر دیتا ہے تاکہ صرف ان ہی کے لئے نہیں بلکہ تمام اہل اسلام کے لئے باعثِ مزید معلومات ہو جائے۔ اور حاضر و غائب اس سے فائدہ اٹھاویں اور اس فقیر کو دعاء خیر سے یاد کرتے رہیں۔ یقول الفقیر

دعاء مومن برائے مومن قبول گردد بوقتِ غیبت

مشو بغفلت بوقتِ غیبت بکن دعاء برائے مومن

چند ماہ گزرے کہ مختلف مقامات سے یہ سوال متضاد بیانات میں مجھے موصول ہوا جن کا لب لباب یہ تھا کہ حضور سرورِ کونینؐ کے والدین ماجدین طیبین طاہرین مومن ہیں یا نعوذ باللہ کافر ہیں۔ یہاں کے علماء اس مسئلہ میں متردد ہیں۔ بعض علماء کرام ناجی فرماتے ہیں۔ اس مسئلہ کے متعلق فقیر کا کیا خیال ہے۔ توضیح فرمائیے تاکہ ہر مسلمان اس کے مطابق عقیدہ رکھے بلکہ راسخ العقیدہ ہو جائے۔

بنا برآں اس فقیر کو اس مسئلہ کی توضیح کے لئے قلم اٹھانا پڑا تاکہ ان بدرین کے بدری حالات کا ذکر احاطۂ تحریر میں لاے اور اپنے تذکار بوقلمونی سے شکوک و شبہات کو انام کے قلوب سے محو کرے اور وہ تحقیق جو اس فقیر پر ظاہر ہو چکا ہے اور احتیاط کے لئے نہایت لائق ہے مرقوم کرے۔ شائد صفحۂ روزگار پر یہ تحقیق انیق باقی رہ جائے اور ہر مسلمان موجود و غائب اس سے استفادہ حاصل کرے۔ اور اس فقیر کے لئے اور اس کے تمام احباب اور استفادہ حاصل کرنے والوں کے لئے ذریعہ نجات بن جائے تو اس ارحم الراحمین کی رحمت سے کوئی بعید نہیں۔

چونکہ اس کتاب میں ان بدرین کے حالات کا ذکر ہے اسی لئے اس کتاب کا نام بھی "البدرین فی تحقیقِ اسلام آباء سید الکونین" رکھا گیا ہے ؛

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب وھو حسبی ونعم الوکیل فی الدنیا والاخرۃ

وھا انا اشرع فی المقصود معتصماً علی معطی الفیض والعلوم

اللّٰھم صل علیٰ سیدنا محمّد صاحب المقام المحمود والحوض المورود شفیعنا
وآلہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ واحبابہٖ واشیاعہٖ وعشیرتہٖ وعترتہٖ
اجمعین ۔ آمین ۔ یارب العالمین ویاخیرالناصرین برحمتک
یاارحم الراحمین ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واضح رائے شریف باد :۔

کہ علماء کرام وائمہ اعلام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ۔حضور پُر نور حبیب نورانور علیٰ نور صلی اللہ تعالیٰ علیک وبارک وسلم کے والدین ماجدین طیبین طاہرین کے شان ایمان میں تین فریق ہوگئے ہیں :۔

فریق اوّل :۔ ان کا عقیدہ حضور کے والدین کی شان میں یہ ہے کہ سیدالسفرا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین ماجدین ناجی ہیں اور دوزخ میں مطلقاً نہیں ہیں اور مدتِ برزخ میں رب تعالیٰ نے ان کی نجات کا حکم اٹل صادر فرمایا ہے ۔اس لئے وہ ناجی ہیں ۔

فریق دوم :۔ ان کا عقیدہ فریق اوّل کے عقیدہ کے بالکل برعکس ہے ۔

فریق سوم :۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ہم کو اس مسئلہ میں توقف رکھنا چاہیئے ۔ان کا معاملہ رب تعالیٰ کے سپرد ہے ۔ان کا حال رب تعالیٰ بہتر جانتا ہے ۔ہم کو ادباً واحتراماً خاموش رہنا لازم ہے ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فریق اوّل

جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین ماجدین کی نجات کے قائل ہیں اور ناجی یقین کرتے ہیں اس مسئلہ میں ان کے بیانات و دلائل تین طریق پر ہیں :۔

طریق اوّل از فریق اوّل یہ ہے کہ والدین ماجدین جناب محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل از بعثت وفات پا گئے ہیں اور ان کو کسی پیغمبرِ سابقہ سے دعوتِ اسلام نہیں پہنچا ۔اور یہ مسئلہ مسلّم کل ہے کہ جن اشخاص کو دعوتِ اسلام نہ پہنچی ہو ان کے لئے عذاب مطلقاً نہیں ۔جب یہ حکم تمام اشخاص

کے لئے مسلّم ہے تو پھر کس طرح معذب ہو سکتے ہیں وہ لوگ جو شفیع الاوّلین والآخرین علیہ افضل الصلوٰۃ و اکمل التحیات کے قرابت داروں میں سے ہیں۔ اور جن کو حضورؐ کے والدین ہونے کا شرف حاصل ہے۔

اور اس بات کا ثبوت کہ ان کو دعوتِ اسلام نہیں پہنچی بالکل ظاہر ہے کیونکہ جناب سرورِ کائنات علیہ التحیۃ والثناء کے زمانہ مبارکہ سے قبل تمام انبیاءِ کرام کے اخیر میں حضرت عیسےٰ روح اللہ مبعوث ہوئے تھے۔ اور حضرت عیسےٰ روح اللہ اور جناب محمد مجتبےٰ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان بمقدار چھ سو سال کا وقفہ تھا اور ان دونوں اولوالعزم رسولوں کے درمیان جو عرصہ گزرا اُس کو زمانۂ فطرت کہتے ہیں اور حضورؐ کے والدین ماجدین تو عین اس وقت موجود تھے جبکہ تمام روئے زمین کو فسق و فجور ضلالت گمراہی جہالت و جاہلیت نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا اور کوئی انسان کل روئے زمین میں ایسا نہ تھا جو کہ احکام و شرائع کو جانتا ہو تاکہ مخلوق کو تبلیغِ حق کرے اور دعوت کے ذریعہ سے مخلوق کی رہنمائی کرے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ احبار اہلِ کتاب میں سے چند اشخاص ایسے موجود تھے جو کہ دینِ حقّہ پر قائم تھے لیکن تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ وہ بھی متفرق ہو گئے تھے اطراف و جوانب زمین میں۔ اور اس غیر مادی زمانہ میں ان کا خبر پہنچانا اور اور عام لوگوں کا پا لینا بھی ممکن نہ تھا۔

اور نیز تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضورؐ کے والدین ماجدین نے کبھی مکہ مکرمہ سے خروج بھی نہیں کیا تھا تاکہ ان احباروں کو ملتے اور ان سے شرائع و احکام سیکھتے اور نہ ہی ان کو اتنی دراز عمر ملی تاکہ تفحص و تلاش کے ذریعہ سے ان احبار کا علم ہو جاتا اور ان سے امور شرائع حاصل کر لیتے۔

جیسے کہ حافظ صلاح الدین علائی نے اپنی کتاب "درۃ سینۃ فی مولد سید البریہ" میں توضیح فرمائی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد دار دنیا میں اٹھارہ سال زندہ رہے اور والدہ ماجدہ تقریباً بیس سال۔

تو اس قلیل عمر میں کونسی فراغت و وسعت تھی جس میں حضرت عبداللہ تفحص کرتے بلکہ اس قلیل عمر میں تلاش ممکن ہی نہ تھا۔ اور حضور کی والدہ ماجدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو اس

زمانہ کی بی بی تھی کہ جس میں حتیٰ ...... کے لئے حجاب دستر اشد ضروری تھا۔ وہ تمام عمر محجوبہ دستورہ رہی ہیں۔ مردوں کے ساتھ کبھی اجتماع نہیں ہوا۔

جیسے اس زمانہ کی بیبیاں جو تمام حالات سے واقف ہوتی ہیں اور ہر مقام و مجلس میں آتی جاتی ہیں لیکن پھر بھی اکثر احکام و دیانت کو نہیں جانتی ہیں تو اس جہل کے زمانہ میں ایک محجوبہ بی بی ان اخباروں کے حالات کو کیسے معلوم کر سکتی تھی جن حالات کو اس کے مرد مطلقاً نہیں جانتے تھے۔ اسی لیئے ترجیب، کہ سرالله اعظم مبعوث ہوئے تو اہل مکہ نے تعجب کیا اور کہا ما سمعنا بهذا فی اٰبائنا الاوّلین یعنے یہ جو تم دعویٰ نبوت کرتے ہو کہ میں رسول رب العالمین ہوں یہ بات ہم نے اپنے بڑوں سے کبھی نہیں سنی کہ رب تعالیٰ بھی مخلوق کی طرف رسول مبعوث فرماتا ہے۔

اگر اہل مکہ کو بعثت کا علم ہوتا تو بعثت کو کبھی بھی مکروہ نہ جانتے۔ اگر تعجب کیا اور مکروہ جانا تو عدم علم کی وجہ سے۔ تو اس تحریر سے واضح ہوا کہ حضور کے والدین ماجدین

اس تحریر سے واضح ہوا کہ حضور کے والدین ماجدین اہل فطرت سے ہیں اور ان کو دعوت اسلام نہیں پہنچی تھی۔ نیز کثیر علماء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین ماجدین کو دعوت نہیں پہنچی۔ اس قول کو علامہ ابن الجوزی نے اپنی کتاب مرآۃ الزمان میں نقل کیا ہے اس عبارت کیساتھ۔ کہ ایک قوم نے علماء کرام سے یوں روائت فرمایا ہے کہ ہرگاہ نرسیدہ دعوت والدین آنحضرت را صلی اللہ علیہ وسلم۔ پس گناہ آنہا چہ باشد۔ یعنی جب حضور علیہ السلام کے والدین ماجدین کو دعوت نہیں پہنچی تو ان کا کیا گناہ ہے اور اسی طرح امام ابو عبد اللہ محمدؐ بن خلف معرف ابی اُبی نے شرح مسلم میں قول فرمایا ہے۔ اور اسی طرح شیخ الاسلام شرف الدین منادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ والدین شریفین اد مردہ اند در فطرت دنیست تعذیب قبل از بعثت۔ یعنی حضور کے والدین شریفین فطرت کے زمانہ میں وفات پاچکے ہیں۔ اور فطرت کے زمانہ میں یعنی قبل از بعثت تعذیب نہیں ہے۔

اور شیخ عز الدین اپنے امالی میں تحریر فرماتے ہیں کہ ہر ایک انسان جو دو پیغمبروں

کے درمیان پیدا شدہ ہو وہ اہل فطرت سے ہے۔ اگر سابق پیغمبر کی اولاد کہ وہ سابق شریعت پر ضرور عمل کرے۔ لیکن اگر سابق شریعت مندرس ہو جائے اور اصلیت مفقود ہو جائے تو اس صورت میں تمام اہل فطرت ہوں گے۔ انتہیٰ کلامہٗ۔

تو اس تحریر سے ظاہر ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین ماجدین بلا شک اہل فطرت سے ہیں۔ کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ روح اللہ کی اولاد سے بھی نہیں اور نہ ان کی قوم سے ہیں۔

اگرچہ حضور علیہ السلام کے والدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تین ہزار سال سے زیادہ کا عرصہ گزرا ہے اور اتنے دراز زمانہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت مندرس ہو چکی تھی اور کوئی بندہ بھی ایسا باقی نہ تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت ان تک پہنچاتا بلکہ کوئی بندہ بھی ایسا نہ تھا جو اس شریعت پر کاربند ہوتا۔ لہذا ثابت ہوا کہ حضورؐ کے والدین یقیناً اہل فطرت سے ہیں اور اہل فطرت کے لئے عذاب مطلقاً نہیں۔

تحقیق المقام

یہ کیسے معلوم ہوا کہ قبل از بعثت عذاب مطلقاً نہیں ہے؟

آگاہ ہو کہ اس مسئلہ کا ثبوت قرآن مقدس سے صاف ظاہر و معلوم ہے۔ اور سنت سید الابرار اس کا اعلان فرما رہا ہے۔ اور ائمہ کرام کا بھی یہی عقیدہ ہے

قرآن مقدس سے ثبوت

۱۔ وما کنا معذبین حتٰی نبعث رسولا۔ ترجمہ:۔ اور جب تک ہم پیغمبر نہ بھیج لیں عذاب نہیں دیا کرتے۔ (پارہ ۱۵ رکوع ۲)

تفسیر:۔ ای وما صح وما استقام منا بل استحال فی عادتنا المبینة علی الحکم البالغة ان نعذب احدا من اہل الضلال والاوزار اکتفاء بقضیة العقل یعنی ہمارے ارادۂ خداوندی میں یہ بات صحیح اور مستقیم نہیں کہ ہم اہل ضلال

کو یعنی اہلِ فطرت کو سزا دے دیں۔ بلکہ ہماری عادت مبینہ اور حکم نافذہ میں یہ بات محال ہے۔ ہم کبھی بھی اہلِ فطرت و ضلال و اذفار کو صرف عقل کی وجہ سے سزا نہیں دیا کہ جب تک ہم ان کی طرف رسول نہ بھیجیں تاکہ وہ رسول ان کو حق کی جانب ہدایت کریں اور ضلالت سے ان کو ڈرائیں۔ اور ان پر دلائل قائم کریں اور براہین کے ساتھ ان کو ملزم ٹھہرالیں اور امر شریعت ان پر عیاں کریں۔ تاکہ ان کی معذرت ختم ہو جائے۔

دوسرے لفظوں میں یوں سمجھ لینا کہ دنیوی عذاب جو کہ اخروی عذاب کا مقدمہ ہے اور نیز برزخ میں عذاب بھی اس میں شامل ہے۔ یہ عذاب اُس صورت میں ہوگا کہ جب ان کے پاس رسول آئیں اور احکام شرائع سے ان کو آگاہ کریں اور وہ لوگ اُس رسول کی تکذیب کریں اور رب تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کریں تو اس صورت میں عذاب دیا جائے گا۔ کیونکہ رب تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے اور حکمت اور مصلحت بھی اسی میں ہے کہ نافرمانوں کو ہر قسم کی حجت کے قیام کے بعد سخت سزا دی جائے۔ کیونکہ رسولوں نے ہر قسم کے دلائل و براہین و امثلہ ماتقدمہ امتوں کی ہلاکت کے حالات وغیرہ کئی تراکیب کے ساتھ ان تک پہنچائے اور ان کو سمجھایا لیکن انہوں نے فسق و فجور سے توبہ نہ کی اور اپنے کفر پر مصر رہے۔ اور عبرت حاصل نہ کی۔

امام شعبی سے روایت ہے کہ ایک دن شیر، بھیڑیا اور لومڑی تینوں شکار کے لئے جنگل کو گئے۔ انہوں نے ایک گدھا، ایک غزال اور ایک ہرن کا شکار کیا۔ شکار سے فارغ ہو کر شیر نے بھیڑیے سے کہا کہ دیکھو ہم بھی تین ہیں اور شکار شدہ جانور بھی تین ہیں۔ ان کو ہم تینوں میں تقسیم کرو۔ بھیڑیے نے کہا۔ اے جنگل کے بادشاہ چونکہ آپ بھی بڑے ہیں اور یہ گدھا بھی بڑا جانور ہے۔ یہ آپ کے حصہ میں آ جائے اور غزال میرے لئے اور ہرن لومڑی کے لئے ہو جائے۔ ابھی بھیڑیے نے اپنی کلام ختم نہ کی تھی کہ شیر نے اپنا پنجہ ایسا زور سے مارا کہ بھیڑیا مردہ ہو کر شیر کے پیروں میں آ رہا۔ اب شیر لومڑی کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ اب تم تقسیم کرو۔ لومڑی نے جواباً عرض کیا حضور عالی یہ گدھا بادشاہ سلامت کا صبح کا ناشتہ ہو جائے۔ ہرن دوپہر کا کھانا اور غزال رات کا کھانا ہو جائے۔ جب لومڑی

اپنے کلام سے فارغ ہوئی تو شیر نے کہا۔ تیرے حال پر مجھے ترس آتا ہے مگر یہ تو بتاؤ کہ یہ فیصلہ کرنا تم کو کس نے سمجھایا۔ فقال القضاء الذی نزل براس الذئب۔ لومڑی نے جواب دیا مجھے یہ فیصلہ کرنا اُس قضا نے سمجھایا جو اس بھیڑیے کے سر پر نازل ہوئی۔ چنانچہ داناؤں کا قول ہے "العاقل من وعظ بغیرہ" عاقل وہ ہے جو دوسروں کے حالات دیکھ کر عبرت حاصل کرے۔ نعم ما قیل۔

مرد رہ کارہا چوں کرد نظر ... بہرۂ اعتبار ازاں برداشت

ہرچہ آسودمند بود گرفت ... ہرچہ ناسودمند بود گذاشت

حاصل کلام

یہ حکایت بطور تمثیل بیان کی گئی ہے جیسے لومڑی نے بھیڑیے کی موت سے عبرت حاصل کی اور عذاب حاضرہ سے اپنے آپ کو بچایا۔ اسی طرح وہ لوگ جن کو رسولوں نے وعظ و تذکیر کی اور ہلاک شدہ قوموں کی مثالیں دے کر ان کو عبرت دلائی تو ان میں سے جنہوں نے عبرت حاصل کی اور وعظ و نصیحت کو قبول کر لیا تو وہ نجات پا گئے اور جنہوں نے نافرمانی کی اور فسق و فجور پر قائم رہے ان کے لئے عذاب لازم ہوا۔

نتیجہ

ثابت ہوا کہ اہل فطرت کے پاس رب تعالیٰ نے رسول نہیں بھیجے۔ لہذا وہ نہ تو برزخ میں معذب ہیں اور نہ ہی آخرت میں۔ (روح البیان صہ ۱۳۴ ج ۵)

قال اصحابنا وجوب شکر المنعم لا یثبت بالعقل بل بالسمع۔ والدلیل علیہ قولہ تعالیٰ۔ وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا۔ یعنی علما کرام ارشاد فرماتے ہیں کہ منعم کی نعمتوں کا شکر عقل سے واجب نہیں ہوتا۔ اگر واجب ہوتا ہے تو سمع سے واجب ہوتا ہے۔ اور قرآن پاک کی یہ آیت مبارک دلیل ہے کہ جب تک ہم کسی قوم کی طرف پیغمبر نہ بھیج لیں عذاب نہیں دیا کرتے۔ کیونکہ وجوب کا ماہیت متقرر نہیں ہو سکتا تا وقتیکہ ترک پر عقاب مرتب نہ ہو جائے۔ اور اس آیت کے حکم سے قبل از شرع عقاب مطلقاً نہیں۔ ثابت ہوا کہ قبل از شرع شکر منعم واجب نہیں تو جب

شکر منعم واجب نہیں تو لامحالہ یہ ماننا پڑیگا کہ زمانۂ فطرت میں شکر کی پہچان نہ تھی اور منعم کی جانب سے حکم پہنچانے والا فطرت کے زمانہ میں آیا نہیں تھا۔ اس لئے اہل فطرت کیلئے عقاب و سزا نہیں جیسے کہ دوسری آیت مبارکہ میں رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے رُسُلاً مبشرین ومنذرین لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسول۔ یعنی ابتدا سے ہمارا یہ قانون رہا کہ ہم اپنے ہم بندوں کی طرف بشارت دینے والے اور ڈرانے والے بھیجتے ہیں تاکہ ہمارے احکام و شرائع سے لوگ آگاہ ہو جائیں اور پھر قیامت کے روز ان کے لئے ہمارے سامنے کسی قسم کا عذر باقی نہ رہے کہ اگر ہمارے پاس پیغام رساں آئے ہوتے تو ہم مطلقاً تیری نافرمانی نہ کرتے۔ تو لامحالہ حجت قائم کرنے کے لئے ہم ان کے پاس رسول ارسال فرماتے ہیں۔

تو اس آیت مبارکہ سے صاف ظاہر ہوا کہ حضرت عیسیٰ روح اللہ کے زمانہ سے جناب محمد الرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ تک میں رب تعالیٰ نے کوئی رسول نہیں بھیجا۔ اس لئے رب تعالیٰ کے حکم محکم کے مطابق ان لوگوں کے لئے جو زمانہ قبل از بعثت میں وفات پا گئے کوئی عقاب و سزا نہیں۔ جیسے کہ اس آیت مبارک کی توضیح دوسری آیت مبارکہ سے بھی ہوتی ہے۔ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ ولو انا اھلکنٰھم بعذاب من قبلہ لقالوا ربنا لولا ارسلت الینا رسولاً فنتبع اٰیٰتک من قبل ان نذل ونخزیٰ۔ اور اگر ہم ان کو پیغمبر کے بھیجنے سے پیشتر کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو وہ کہتے اے ہمارے پروردگار تو نے ہماری طرف کوئی پیغمبر کیوں نہ بھیجا کہ ہم ذلیل اور رسوا ہونے سے پہلے تیرے کلام و احکام کی پیروی کرتے۔

تو اس آیت مبارکہ سے بھی صاف ظاہر ہوا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ازلی قانون یہی ہے کہ جب تک رسولوں کو مبعوث نہ فرمائے تو کسی قوم کو عذاب نہیں دیتے۔ عذاب عام ہے اس عذاب سے عذاب دنیا و برزخ و آخرت سب ہی مراد ہیں۔ جیسے عذاب دنیا سے نجات حاصل کرنے کے لئے رب تعالیٰ کے دربار مقدس میں یہ عذر کر سکتے ہیں اسی طرح ہی عذر آخرت و برزخ میں بھی کر سکتے ہیں۔ تو اس آیت مقدسہ نے مزید تصریح فرمائی کہ

اہلِ فطرت کے لئے عذاب نہیں کیونکہ وہ یہ عذر رب تعالیٰ کے دربار میں پیش کر سکتے ہیں کہ اگر آپ کی طرف سے رسول آئے ہوتے تو ہم ضرور اُن کی پیروی کرتے اور تیرے احکام کے مطابق زندگی گذارتے۔

نتیجہ

لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ حضور کے والدین ماجدین طیبین طاہرین اہلِ فطرت سے ہیں اور جب ہر اہلِ فطرت کیلئے عقاب و سزا نہیں تو ان کے شرافتِ نسب کی وجہ سے ان کے لئے عقاب و سزا بطریقِ اولیٰ نہیں۔ فافہم۔

اور اگر آیت زیرِ بحث میں رسول سے مراد رسولِ عقل لیا جائے جیسے امام فخرالرازی نے اس سلسلہ میں دراز تقریر فرمائی ہے چنانچہ اس تقریر کو اسی سلسلہ میں دیکھنا اولیٰ ہوگا۔ اگر امام صاحب کی تقریر کے مطابق مان بھی لیا جائے کہ رسول سے مراد رسول عقل ہے۔ یعنی جب تک ہم رسول عقل نہ بھیج لیں عذاب نہیں دیا کرتے۔ اور فطرت کے زمانہ میں رسولِ عقل تمام اہلِ فطرت کو بھیجا گیا تھا۔ یعنی تمام صاحبان عاقل تھے۔ تو عقل سے ان کو رب تعالیٰ کا پہچاننا لازم تھا۔

توضیح

اس آیت مبارکہ میں دو قول ہو گئے۔

قولِ اوّل جمہور ائمہ کرام — قولِ دوم امام فخرالدین رازی

اوّلاً تو جمہور علماء کرام کے ارشاد کے مقابلہ میں امام کا قول قابل اعتماد نہیں۔ اور جمہور کا قول وہی ہے جو میں اُوپر بیان کر آیا ہوں۔ لہٰذا اسی پر عمل کرنا ہوگا اور امام کے قول کو ترک کرنا ہوگا۔ کیونکہ جمہور کے دلائل قرآن مقدس سے اٹل ہیں۔ اور اس سے عدول اولیٰ و بہتر نہیں۔

ثانیاً قولِ امام کی تاویل یہ ہو سکتی ہے کہ رسولِ عقل صرف خدا پرستی و توحید کے لئے ہے۔ اور خدا پرستی و توحید اہلِ فطرت میں بکثرت تھا۔ خصوصاً سلسلہ نسب سرکار کونین میں کہ انھوں نے کبھی بت پرستی نہیں کی۔

اور احکام و شرائع کے لئے رسولِ انسانی کا آنا ضروری ہے کیونکہ بغیر رسول انسانی کے تعلیم دینے کے نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ تمام احکام کا معلوم کرنا محال ہے ۔ اور مذکورہ بالا تحقیق کے مطابق عقاب و سزا بعداز ابلاغ ہے ۔ قبل از ابلاغ نہیں تو تحقیقی معنے یہ ہوگا ۔ وما کنا معذبین فی الاعمال التی لا سبیل الی معرفتہ وجوبھا الا بالشرع الا بعد مجی الشرع ۔ یعنی ہم کبھی بھی ان لوگوں کو ان اعمال میں جو شرع کے بغیر ان اعمال کا علم ممکن نہیں سزا مطلقاً نہیں دیں گے ۔ تاوقتیکہ ہم ان کے پاس رسول کے ذریعہ سے شرع کے واضح احکام ارسال نہ کردیں ۔

تو اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ رسولِ عقل پیغام رسانی کے لئے ناکافی ہے تو اگرچہ زمانہ فطرت میں رسولِ عقل موجود تھا لیکن رسالتِ تامہ کا کام رسولِ انسانی سے لیا جاتا ہے اور رسول انسانی کامل شرع کے ساتھ زمانۂ فطرت میں مبعوث نہیں ہوا ۔ اور رب تعالیٰ نے اپنے کلام مقدسہ میں اعلان فرمایا کہ جب تک رسولِ انسانی کامل شرع کے ساتھ مخلوق کی طرف ارسال نہ کردوں اور اپنے احکام و ضابطہ سے مخلوق کو پہلے آگاہ نہ کردوں تو میری رحمت کا تقاضا یہ نہیں کہ مخلوق پر ظلم کرتا جاؤں ۔ حالانکہ اِنَّ رحمتی سبقت علےٰ غضبی ۔ و انین المذنبین احب الی من زجل المسبحین (کبیر ص۱۷۲ ج ۲۰)

غلغل تسبیح شیخ اگرچہ مقبول است لیکن آہ درد آلود رنداں را قبول دیگر است بداؤد علیہ السلام وحی آمد کہ اے داؤد آن ذلت کہ از تو صادر شد بر تو مبارک بود ۔ داؤد گفت بار خدا ذلت چہ گونہ مبارک باشد ۔ گفت اے داؤد پیش ازاں ذلت ہر بار کہ بدرگاہ ما آمدی ملک وار می آمدی با کرشمہ و ناز طاعت و اکنوں می آئی ۔ بندہ وار می آئی با سوز و نیاز مفلسی (روح البیان ص۲۵۹ ج ۸)

بعض کبار علماء کرام سے روایت ہے کہ داؤد علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ بیت المقدس کی بنیاد ڈالدے اور بہترین ترکیب کے ساتھ اعلیٰ و افضل مسجد جس کا نظیر دنیا میں کوئی نہ ہو تیار کرلے ۔ (فبناہ مراراً) کئی مرتبہ بنیاد ڈالنے کے بعد مسجد کو تکمیل تک پہنچایا اور جب تعمیر سے فراغت پا جائے اور نماز کا ارادہ کرے کہ اب تمام احبار و رہبان بہو دل کر

اس میں نماز ادا کریں تو وہ عظیم اور مستحکم عمارت دفعتاً زمین پر گر کر برباد ہو جائے۔ پیغمبر خدا داؤد علیہ السّلام نے جب یہ حالت دیکھی کہ بار بار بنانے کے بعد نہایت مضبوط عمارت جس کے خراب ہو جانے یا گر جانے کا انسانی علم میں عمر بھر یقین نہیں ہو سکتا ایک لحظہ گر کر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔ پیغمبر خدا داؤد علیہ السّلام اس واقعہ سے بہت مضطرب ہوئے اور رب تعالیٰ کے دربار اقدس میں بطور شکایت عرض کی یا رب تعالیٰ یہ عمارت کیوں منہدم ہوتی رہتی ہے۔ رب تعالیٰ کی جانب سے وحی نازل ہوئی۔ ان بیتی ھذا لا یقوم علےٰ یدی من سفك الدماء کہ اے داؤد علیہ السّلام اس بیت مسجد کا قیام ایسے انسان کے ہاتھ سے مطلقاً پورا نہ ہونے دوں گا جو میری مخلوقِ انسانی کا خون بہاتا رہے۔ پیغمبر خدا داؤد علیہ السّلام نے جب ذاتِ مطلق سے یہ حکم سنا تو عرض کی یا رب الم یك ذالك فی سبیلك قال بلیٰ اے رب تعالیٰ میں تو مخلوق کا خون قصداً اور دیدہ دانستہ اپنی خواہشات کے لئے نہیں بہاتا بلکہ تیرے نام کی بلندی کے لئے جہاد فی سبیلک کرتا ہوں اور حدود و قصاص میں تیرے حکم کو نافذ کرتا ہوں۔ تو کیا اے پروردگار عالم یہ عملِ جہاد تیرے لئے نہیں ہے؟ رب تعالیٰ کی جانب سے خطاب آیا ہاں یہ عمل میرے لئے ہے لیکن اے داؤد علیہ السلام میں تم سے یہ پوچھتا ہوں کہ یہ بنتا ولکنھم الیسو عبادی کیا وہ لوگ جن کو تو قتل کرتا رہتا ہے میرے پیدا شدہ بندے نہیں ہیں۔ جیسے تو اپنی بنائی ہوئی چیز کے گر جانے پر خفا اور رنجیدہ ہوتا ہے خلق الانسان علیٰ صورتی کے لباس میں میرا بنایا ہوا بنیان تو منہدم کرے تو میں رنجیدہ نہ ہوں گا۔ جب حضرت داؤد علیہ السّلام نے ذات مطلق سے یہ کلام سُنا تو عرض کی یا رب تعالیٰ اگر میرے ہاتھ پر یہ کارِ خیر مقرر نہیں اور آپ کے حکم کے موافق نہیں تو اس بنیان کو تکمیل تک پہنچا کسی ایسے شخص کے ہاتھ سے جو میری نسل سے ہو۔

رب تعالیٰ نے داؤد علیہ السّلام کی اس دعاء کو قبول فرمایا۔ وحی نازل ہوئی کہ اے داؤد! تمہارے لڑکے سلیمان کے ہاتھ سے ہم اس کو تکمیل تک پہنچا دیں گے۔ اور اس کو تیرے بعد بادشاہ مقرر کر دیں گے۔ اور سفکِ دماء سے اس کو محفوظ رکھیں گے۔ واقضی اتمه امضٰ

علیٰ یدہٖ اور اس کے ہاتھ پر اس کو تکمیل تک پہنچا دیں گے (روح البیان ص۲۴۱ ج۱)
چنانچہ رب تعالیٰ نے جیسے حضرت داؤد علیہ السّلام سے وعدہ فرمایا تھا ویسے ہی حضرت سلیمان علیہ السّلام کے ہاتھوں بیت المقدس کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔
باقی اس واقعہ کو بالتفصیل بیان کرنے کی گنجائش نہیں۔ سیر و تواریخ میں دیکھو۔

الحاصل

اس واقعہ سے روزِ روشن کی طرح صاف واضح ہؤا کہ رب تعالیٰ اپنی بنائی ہوئی چیز یعنی انسان جو کہ بنیان اللہ ہے اس کے انہدام پر دارِ دنیا میں خوش نہیں۔ حالانکہ اس واقعہ میں صریح اس بات کی دلالت پائی جاتی ہے کہ سیدنا داؤد علیہ السّلام نے مطلقاً ظلم نہیں کیا اور نہ ہی انبیاء ظلم کرتے ہیں۔ تو یقیناً جن لوگوں کو آپ نے قتل کیا یا تعزیر کی تو حدود اللہ میں کی۔ اور آپ خود رب تعالیٰ کی جانب سے رسول مبعوث ہیں۔ کتاب آپ کو رب تعالیٰ کی طرف سے عنایت شدہ ہے۔ آپ نے معجزات، دلائل و براہین سے وعظ، پند و تذکیر کی۔ اتنی عظیم اعلام کے بعد جو نہیں مانتے تھے ان کو راہِ راست پر لانے کے لئے مجبوراً جہاد کرنا پڑتا اور جہاد بغیر سفکِ دماء نہیں ہو سکتا۔
داؤد علیہ السّلام کا یہ عمل جہاد رضائے الٰہی کے لئے تھا اور حکمِ ربی کے عین مطابق تھا۔ پھر بھی رب تعالیٰ نے داؤد علیہ السّلام کو زجر و توبیخ فرمایا اور اپنے بندوں کی ہلاکت پر اظہارِ ناراضگی فرمایا۔

نتیجہ

یہ تو حالت ہؤا ارسالِ رسل کے بعد۔ اور جب رسول مبعوث ہی نہ فرمایا ہو اور عباد کو خود اس ارحم الراحمین نے مطلع نہ کیا ہو۔ تو جب خود ہی ارسال کے بعد ہلاکت کو پسند نہیں فرماتا تو یقیناً بطریق اولیٰ قبل از ارسال بھی پسند نہیں فرمائے گا تو لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ فطرت کے زمانہ میں چونکہ ارسال رسل نہیں ہؤا تھا اور ذاتِ مطلق کا قانونِ ازلی یہی ہے کہ جب تک ارسالِ رسل نہ فرمائے عذاب نہیں دیتا از وجہ شفقت علیٰ عباد اللہ۔
ثابت ہؤا کہ کل اہلِ فطرت معذّب نہیں ہیں تو والدین ماجدین سیدِ کونین کیسے معذّب ہو سکتے ہیں

مطلقاً نہیں۔

ونیز اتفاق نمودہ اند جمیع اہل سنت بنا بر استدلال بان ہر آنگہ نیست تعذیب قبل از بعثت ورد کردہ اند بر معتزلہ کہ قائل اند بتحکیم عقل ۔ (اور نیز تمام اہل سنت والجماعت کے علماء اعلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قبل از بعثت رب تعالیٰ کے علم ازلی میں عباد کے لئے تعذیب نہیں اور دلائل قاہرہ کے ساتھ انہوں نے معتزلہ پر رد فرمایا ہے ۔ کیونکہ معتزلہ تحکیم عقل کے ساتھ عذاب کے قائل ہیں ۔ فافہم ۔

واللہ الہادی　　اللہ ناصر کل صابر　　وباللہ التوفیق

آیت نمبر ۲۔ وما کان ربک مھلک القریٰ حتیٰ یبعث فی امھا رسولاً یتلوا علیھم اٰیٰتنا وما کنا مھلکی القریٰ الا واھلھا ظالمون ۵

ترجمہ :- اور تمہارا پروردگار بستیوں کو ہلاک نہیں کیا کرتا جب تک ان کے بڑے شہر میں پیغمبر نہ بھیج لے جو اُن کو ہماری آئتیں پڑھ پڑھ کر سنائے ۔ اور ہم بستیوں کو ہلاک نہیں کیا کرتے ۔ مگر اس حالت میں کہ وہاں کے باشندے ظالم ہوں ۔ یعنی سوائے ظالم اور کافروں کی بستی کے ۔ کسی بستی کو نہیں مار کھپایا ہم نے ۔ (پارہ ۲۰ رکوع ۹)

تفسیر

(از روح البیان وکبیر وتکملہ) یعنی رب تعالیٰ کی عادت کریمہ یہ نہیں ہے کہ قبل از انذار کسی بستی کو ہلاک کر دے جب تک اس کے اصل یعنی شہر و قصبہ میں رسول برائے انذار مبعوث نہ فرمائے ۔ جو ناطق بالحق ہو ۔ اور ترغیب و ترہیب کے ساتھ رب تعالیٰ کی اطاعت کی طرف مخلوق کو بلائے ۔ الزام حجت کے لئے ، قطع معذرت کے لئے ۔ تاکہ قیامت کے روز رب تعالیٰ کے دربار مقدس میں ، عذر نہ کر سکے ۔ لولا ارسلت الینا رسولا فنتبع ایاتک ۔ کہ اے مالک الملک ذو الجلال والاکرام اگر آپ کی جانب سے ہمارے پاس رسول سمجھانے کے لئے آئے ہوتے تو ہم آپ کی آیات کی تابعداری ضرور کرتے ۔ تو اس عذر کے دور کرنے کے لئے سنت اللہ یہی رہا کہ قبل از انذار عذاب نہیں دیا کرتا ۔

یہاں پر سوال وارد ہوتا ہے دو وجوہ سے ۔

سوال اول :۔ رب تعالیٰ نے قبل از بعثت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و شفقتہ علینا کفار کو کیوں ہلاک نہ فرمایا ۔ حالانکہ کفار کفر و عناد میں مستغرق تھے ۔

سوال ثانی :۔ نیز رب تعالیٰ نے کفار کو بعد از بعثت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہلاک کیوں نہ کیا ۔ حالانکہ کفر باللہ اور تکذیب رسول اللہ پر قائم و مصر رہے ۔

جواب سوال اول :۔ زیر بحث آیت مبارک کا پہلا جملہ پہلے سوال کا جواب اور دوسرا جملہ دوسرے سوال کا جواب ہے ۔

حاصل جواب یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے اس آیت مبارک سے قبل جا بجا قرآن مقدس میں بیان فرمایا ہے کہ عدم بعثت انبیاء عظام قوم کے لئے قائم مقام عذر ہیں توجب ان لا یجوز اهلاکهم الا بعد البعثة پس واجب ہے ہماری سنت قدیمہ میں کہ کفار کی ہلاکت مطلقاً جائز نہیں مگر بعد از بعثت جائز ہے ۔

پھر اس کی تفسیر میں مفسرین کرام نے دو وجوہات ذکر کی ہیں ۔

وجہ اول :۔ وما کان ربک مہلک القری حتی یبعث فی امہا رسولا یعنی اس آیت مبارک میں قریہ سے مراد ام قرا مراد ہے یعنی تمام بستیوں کا اصل و منبع یعنی بڑے بڑے شہر و قصبات جن کے لئے باقی دیہات بمنزلہ اعمال و توابع کے ہوتے ہیں ۔ اُس بڑے شہر و قصبہ میں رب تعالیٰ اپنی سنت قدیمہ کے مطابق رسول مبعوث فرماتا ہے کیونکہ باقی تمام دیہات اس شہر عظیم کے توابع و مضافات شمار کئے جاتے ہیں اور جو حکم شہر کا ہوتا ہے وہی حکم اُن کے لئے نافذ ہوتا ہے اور رسول کس لئے مبعوث فرمایا جاتا ہے لالزام الحجۃ و قطع المعذرۃ ۔ الزام حجت اور قطع معذرت کے لئے ۔

وجہ ثانی :۔ یہ ہے کہ ام سے مراد اس آیت مبارک میں مکہ مکرمہ اور رسول سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے ۔ چونکہ زمین از حیثیت بناوٹ ہے اور غالباً مکہ مکرمہ تمام آباد دنیا کا مرکز یعنی وسط ہے اور بعض روایات کے مطابق بیت المعمور آدم علیہ السلام کے لئے بیت اللہ کے مقام پر رکھا گیا تھا ۔ اس لحاظ سے مکہ مکرمہ تمام بلدان سے اول ہے اور

تمام کے تمام کے لحاظ میں ہے تو اس تقریر سے عیاں ہوا کہ تمام دنیا کی کل آبادی بلدان مکہ مکرمہ کے تابع ہے اور مکہ مکرمہ اصل ہے۔ تو آیات مبارک کا معنے اب یہ ہوگا وما کان ربك یا محمد مهلك البلدان التی هی حوالی مكة فی عمرك وزمانك حتى يبعث فی امها ای ام القرا التی هی مكة رسولاً هوانت یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرا رب تمام دنیا کے شہروں وقصبات کو جو در حقیقت دنیاوی تناسب کے لحاظ سے مکہ مکرمہ کے حوالی ہیں تیرے عصر وزمانے میں مطلقاً ہلاک نہ فرمائے گا۔ (اور یہ ظاہر امر ہے کہ حضور کا عصر وزمانہ تا قیام قیامت قائم رہیگا) جب تک ام قری یعنی مکہ مکرمہ میں رسول مبعوث نہ فرمائے۔ اور وہ رسول کون ہے۔ وہ رسول اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود آپ ہی ہیں کہ خود آپ ہی ہمارے احکام کو مخلوق تک پہنچاتے ہو اور تبلیغ فرماتے ہو۔

فقیر غفر اللہ القدیر کہتا ہے کہ اس تقریر سے صاف ظاہر ہوا کہ جب تک بعثت نہ ہو۔ تعذیب مطلقاً واجب نہیں۔

جواب سوال ثانی:۔ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وما كنا مهلكي القرى الا واهلها ظالمون۔ یعنی ہم بستیوں کو ہلاک نہیں کیا کرتے مگر اس حالت میں کہ وہاں کے باشندے اپنے نفسوں پر ظلم کریں یعنے شرک کریں۔ معلوم ہوا کہ اہل مکہ نے اپنے نفسوں پر بعد از بعثت ظلم نہیں کیا اسلئے ہلاک نہ ہوئے کیونکہ بعض تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور بعض اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں تھا کہ ایمان لائیں گے۔ اور بعض اگرچہ رب تعالیٰ کے علم میں تھا کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے لیکن ان کی نسل سے مومن پیدا ہوں گے (کبیر ص ج ۵) تو اسی وجہ سے بعد از بعثت ہلاک ہونے سے نجات پا گئے۔ روح البیان ص

حاصل کلام

فقیر کہتا ہے کہ جب تک مکہ مکرمہ میں جناب محمد صلی اللہ تعالیٰ مبعوث نہیں ہوئے تھے تو وہ زمانہ ان کے لئے فطرت کا تھا۔ جیسے رب تعالیٰ اعلان فرماتا ہے کہ میں کسی قریہ کو ہلاک نہ کروں گا تاوقتیکہ اس میں اپنا رسول نہ بھیجوں۔ اور آیت مبارک میں ظلم

سے مراد کفر و شرک ہے تو معلوم ہوا اس آیت مبارک سے کہ جو لوگ قبل از بعثت گذر گئے وہ کافر نہیں۔ اور جب تک دعوت نہ پہنچے تو وہ لوگ اہل فطرت سے ہیں۔ اور دارِ دنیا میں مستحق ہلاکت نہیں تو جب دارِ دنیا میں مستحق ہلاک نہیں تو دارِ آخرت میں کیسے مستحق ہلاک ہو سکتے ہیں۔ حالانکہ عذاب آخرت نہایت سخت ہے۔ جیسے خود رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ولعذاب الآخرۃ اکبر۔ یعنے آخرت کا عذاب بہت سخت عذاب ہے۔ خذ ھٰذا فانہٗ لاجل ایضا الایمان

واللہ الہادی — اللہ ناصر کل صابر — وباللہ التوفیق

آیت نمبر ۳

ذالك ان لم یکن ربك مھلك القریٰ بظلم۔ واھلھا غافلون

(ترجمہ) اے محمدؐ یہ جو پیغمبر آتے رہے اور کتابیں نازل ہوتی رہیں تو اس لئے کہ تمہارا پروردگار ایسا نہیں کہ بستیوں کو ظلم سے ہلاک کر دے اور وہاں کے رہنے والوں کو کچھ بھی خبر نہ ہو۔ (پارہ ۸ رکوع ۳)

(تفسیر از کبیر و کشف الاسرار و تکملہ) :۔

جاننا لازم ہے کہ ہمارے ائمہ کرام نے اس آیت مبارک سے قبل والی آیت مبارک الم یاتکم رسل منکم۔ الایۃ پر استدلال کیا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ وجوب عقاب قبل از بعثت مطلقاً نہیں۔ کیونکہ ورود شرع لازم امر ہے اور ورودِ شرع بعثتِ انبیاء کے بغیر ممکن نہیں۔ بفرضِ محال اگر وجوبِ عقاب اور استحقاقِ عقاب قبل از ورودِ شرع مان لیا جائے تو اس آیت مبارک میں جو تعلیل ذکر ہے اس تعلیل کے ذکر کرنے کا کلام الٰہی میں کوئی فائدہ نہیں۔ حالانکہ کلام الٰہی میں کسی امر کا ذکر بلا فائدہ محال ہے۔ تو لامحالہ یہ بات ماننی پڑے گی کہ یہ تعلیل جو اس آیت مبارک میں ذکر ہے اس غرض کے لئے ہے کہ دنیا کو ثابت ہو جائے کہ قبل از ارسال رسل و شریعت عقاب بالکل نہیں۔

نیز مذکورہ بالا مضمون کے مطابق امام فخر الدین رازی ارشاد فرماتے ہیں اعلم انہ

تعالی لما بین انہ ما عذب الکفار الا بعد ان بعث الیھم۔ الانبیاء والرسل بین بھٰذہ الآیۃ ان ھذا ھو العدل والحق والواجب یعنے جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے واضح طور پر یہ مسئلہ بیان فرمایا کہ کفار کو عذاب مطلقاً نہیں دیا جائیگا تاوقتیکہ ان کی طرف انبیاء و رسل ارسال نہ فرمائے جائیں تو آیت زیر بحث میں بھی مزید تاکید سے بیان فرمایا کہ یہ ارسالِ رسل و انبیاء عظام ہماری ذاتِ احدیت کے لئے واجب ہیں اور عین حق ہیں۔ عدل وانصاف کا بھی یہی تقاضا ہے کہ ہم اپنے بندوں کو ضرور رسول بھیجیں اور اپنے قوانین ربوبیت سے ان کو آگاہ کریں۔ اگر پھر بھی وہ ہمارے احکام کو نہ مانیں تو پھر وہ سزا کے مستحق ہیں۔

فقیر غفرلہ کہتا ہے کہ چونکہ فطرت کے زمانہ میں ارسالِ رسل نہیں ہوئے تو اس آیت مبارک کے مضمون کے مطابق رب تعالیٰ کی ذاتِ احدیت پر واجب ہے کہ زمانہ فطرت میں جو لوگ وفات پا گئے ہیں ان کی تعذیب نہ فرمائے۔ اور چونکہ یہ امر کل اہل اسلام پر عیاں ہے کہ والدین ماجدین سیدِ کونین اہلِ فطرت سے ہیں۔ اور انہوں نے شرک مطلقاً نہیں کیا لہٰذا جب تمام اہلِ فطرت کے لئے تعذیب واجب نہیں تو اہل قرابت کے لئے بطریق اولیٰ واجب نہیں۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ والدین ماجدین سید کونین ناجی ہیں۔ فافہم۔

نیز آیت مبارک میں (و اھلھا غافلون) کے معنے یہ نہیں کہ وعظ و پند سے انسان غفلت کر جائیں بلکہ اس کے معنے یہ ہیں بل معناھا ان لا یبین اللہ لھم کیفیۃ الحال ولا ان یزیل عذرھم وعلتھم کہ جب تک رب تعالیٰ ان کو کل حالات و واقعات شرع سے آگاہ نہ فرمائے اور ان کے عذر کو دلائل و براہین سے زائل نہ کرے تو اس وقت تک رب تعالیٰ ان کو تعذیب نہیں فرمائے گا۔

اور اس آیت مبارک سے بھی ائمہ کرام نے استدلال فرمایا ہے کہ قبل از بعثت تعذیب بالکل نہیں۔ اور بعثت احکامِ شرعیہ کے لئے لازم ہے بعثت رسول انسانی۔ کیونکہ محض عقل سے احکام نافذ نہیں ہو سکتے۔ اور ابلاغ کے لئے صرف عقل ناکافی ہے

تولامحالہ ابلاغ کے لئے رسول انسانی کا آنا ضروری ہے۔ قالوا لانہا تدل
انہ تعالیٰ لا یعذب احداً علی امر من الامور الا بعد البعثۃ الرسول۔
ائمہ کرام ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ آیت مبارک اس بات پردال ہے کہ رب تعالیٰ
کسی بھی انسان کو کسی امر پر اوامر میں سے عذاب نہ دیگا تاوقتیکہ رسولوں کو ان کی اطلاع
کے لئے مبعوث نہ فرمادیں۔

حاصل کلام

نقیر کان اللہ لہٗ کہتا ہے کہ اس تقریر سے صاف واضح ہوا کہ رب تعالیٰ کسی بھی انسان کو کسی امر میں سزا نہ دیگا۔ تاوقتیکہ رسولوں کے ذریعہ سے ان کو آگاہ نہ فرمائے۔ تو معلوم ہوا کہ جناب فخر موجودات کی بعثت مبارک سے قبل جو انسان فطرت کے زمانہ میں تھے ان میں سے جس نے بھی جو عمل کیا ہو خواہ کمتر ہو خواہ بہتر۔ ان کے کسی بھی عمل پر ان کی گرفت مطلقاً نہ ہوگی کیونکہ ان کی طرف رب تعالیٰ نے رسول مبعوث نہیں فرمایا۔ اور ارسال رسل سے قبل تعذیب واجب نہیں۔ لہٰذا ان کے لئے سزا نہیں۔

(اذا عرفت ھٰذا) منقول کہ تاریخ شاہد عدل موجود ہے کہ والدین ماجدین سرور کونین فطرت کے زمانہ میں بھی اوامر خیر پر گامزن تھے مثلاً صلہ رحمی۔ مسافر نوازی۔ یتیم پروری۔ راست گوئی وغیرہ وغیرہ نیک افعال ان کے دست مبارک سے متواتر سرزد ہوتے رہے ہیں تو جب فطرت کے زمانہ میں بعثت سے قبل کسی بھی فعل پر گرفت مطلقاً نہ ہوگی۔ اور یہ امر مسلّم ہے کہ نور القمرین سے برا فعل سرزد ہوا ہی نہیں تو ان کے لئے عقاب بطریق اولیٰ نہ ہوگا۔ فہذا فانہ ہوالحق۔ (کبیر ص۱۹۶ ج ۱۳)

اہل بصائر پر مخفی نہیں کہ ان آیات بیّنات کے علاوہ جن کو میں نے اوپر مع تفسیر و تحقیق ذکر کیا ہے اور بھی آیات بیّنات ایسی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ زمانہ فطرت میں کسی کے لئے بھی تعذیب نہیں۔ لیکن میں بوجہ اختصار ان تین آیات پر اکتفا کرتا ہوں اور اگر آپ کو مزید تفصیل درکار ہو تو مطولات میں دیکھیں خصوصاً سیرت شامی و شرح ہمزیہ وغیرہ جہاں تک اس مسئلہ کا ثبوت قرآن مقدس سے درکار تھا وہ تو کافی وافی تحقیق کے

ساتھ گذر گیا

احادیثِ مطہرہ سے ثبوت

واللہ الہادی ۔ اللہ ناصر کل صابر

چونکہ اس کتاب کی بنیاد اختصار پر رکھی گئی ہے ۔ اس لئے میں احادیث مطہرہ کا متن مع اسناد حذف کرتا ہوں اور صرف اخراج و حوالہ پہ اکتفا کرتا ہوں ۔ وباللہ التوفیق

آگاہ ہو کہ ائمہ کرام نے اس باب میں کہ والدین ماجدین سید کونین ناجی ہیں ۔ جن احادیث سے تمسک کیا ہے وہ سات احادیث ہیں جو میری نظر سے گذری ہیں ۔

حدیث اوّل :۔ ذکر کیا امام احمد ابن حنبلؒ نے اور اسحاق ابن راہویہ نے اپنی اپنی مسندین میں ۔ اور بیہقی نے کتاب الاعتقاد میں اور بیہقی نے بروایت اسود بن سریع اخراج فرمانے کے بعد جزم فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے ۔

حدیث دوم :۔ نیز اس حدیث کو بھی امام احمد و اسحاق بن راہویہ نے اپنی مسندین میں ذکر کیا ہے اور ان کے علاوہ ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں بھی اس حدیث کو ذکر کیا ہے کہ والدین ماجدین سید کونین ناجی ہیں ۔ اور بیہقی نے کتاب الاعتقاد میں حضرت ابوہریرہ سے اخراج کیا ہے ۔

حدیث سوم :۔ اس حدیث شریف کو ذکر کیا بزارؒ نے اپنی مسند میں حضرت ابوسعید خدری سے ۔

حدیث چہارم :۔ ذکر کیا اس حدیث مبارک کو بزارؒ نے اور ابو یعلیٰ نے اپنی اپنی مسندین میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ۔

حدیث پنجم :۔ روایت کیا اس حدیث پاک کو عبدالرزاق نے اپنی مصنفہ میں اور نیز اخراج کیا اس حدیث مطہرہ کو ابن جریر و ابن ابی حاتم اور ابن المنذر رحمہم اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ۔

حدیث ششم :۔ روایت کیا اس حدیث پاک کو بزار نے اور حاکم نے مستدرک میں حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ۔

حدیث ہفتم روایت کیا اس حدیث مطہرہ کو امام طبرانی اور ابو نعیم نے حضرت معاذ

ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔

تنبیہہ

الوالالباب پر عیاں ہو کہ میں نے ان احادیث کی تفصیلات کو بوجہ عدم گنجائش کتاب ترک کردیا ہے اگر آپ کو ان مسطورہ بالا احادیث کی تفصیلات درکار ہوں تو شیخ الاسلام خاتمۃ الحفاظ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وعلینا کے رسائل کو دیکھو کہ آپ نے حجج قاطعہ سے ثابت فرمایا ہے کہ والدین ماجدین سید کونین ناجی ہیں۔ اور حدیث احیاء اگرچہ فی حد ذاتہٖ ضعیف ہے لیکن متعدد طرائق کے ساتھ آپ نے تو صحیح وتحسین فرمائی ہے جس میں شک وشبہ نہیں۔ (آپ یوں سمجھ لینا کہ یہ علم گویا متقدمین پر رب تعالیٰ نے مسطور رکھا تھا۔ اور کشف کیا اس علم کو رب تعالیٰ نے اپنے فضل سے متاخرین پر۔ اور کشف عطائے رب تعالیٰ ہے۔ واللہ یختص برحمتہٖ من یشاء)

(کشف وعیاں واختصاص کا حال تب کامل سمجھ میں آئے گا کہ مسئلہ علم غیب وغیرہ پر نگاہ ڈالی جائے۔ جس کے لئے فقیر کی تصنیف کتاب "الدولۃ المدنیہ" کا مطالعہ نہایت مفید ہوگا)

نیز امام نے مخالفین کے شکوک وشبہات کا کامل جواب دیا ہے اور اگر میں امام کی تمام تقریر کو نقل کروں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے گی۔ مگر میری غرض اختصار ہے اس لئے طالبین شائقین کے لئے ان کے نام درج کردیتا ہوں۔ (اسم در آنجا بیابید گریست)

یاد رکھنا لازم ہے کہ امام جلال الدین سیوطی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین ماجدین طیبین طاہرین کے اثبات اسلام ونجات کے متعلق آٹھ رسائل تصنیف فرمائے ہیں:۔

۱۔ التعظیم والمنہ فی ان ابوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الجنہ

۲۔ مسالک الحنفاء فی والدی المصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

۳۔ المقامۃ السندسیہ فی النسبۃ المصطفویہ

۴۔ الدرجۃ المنیفۃ فی الآباء الشریفۃ

۵- نشر العلمین المنیفین فی احیاء الابوین الشریفین
۶- الدرج المکامنۃ فی السلام السیدۃ الآمنۃ
۷- السبل الجلیہ فی الآباء العلیہ
۸- اثبات الاسلام لوالدی النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام

ان رسائل کے مطالعہ کے بعد کسی قسم کا شک وزیغ مخالف کے قلب میں نہیں رہتا تو ایک فدائے رسول عربی جس کا عقیدہ یہ ہو کہ ولسوف یعطیک ربک فترضٰی ، ورفعنالک ذکرک اس کے دل میں شک وریب کیسے رہ سکے گا۔
(اللھم ارنا الحق حقاً والباطل باطلاً)

اب میں بعون اللہ المنّان عقائد ائمہ کرام سے عیاں کرتا ہوں کہ والدین شریفین سید الکونین ناجی ہیں۔

واللہ الھادی اللہ ناصر کل صابر وباللہ التوفیق

عقائد ائمہ کرام

دیدانند آنکہ اتفاق کردہ اند ائمہ شافعیہ از فقہاء ائمہ اشاعرہ از اہل علم کلام واصول وفقہ بر آنکہ ہر کہ وفات یافت قبل از بلوغ دعوت او ناجی است از عذاب دوزخ وداخل خواہد شد در بہشت یعنی جملہ فقہاء شافعیہ ائمہ اشاعرہ میں سے صاحبان علم کلام، اصول، فقہ وغیرہ نے اتفاق فرمایا ہے اس بات پر کہ کوئی بھی انسان کہ جب وہ بلوغ دعوت سے قبل وفات پا جائے وہ یقیناً ناجی ہے۔ دوزخ میں اس کو مطلقاً عذاب نہ دیا جائیگا۔ اور جنت میں ضرور داخل ہوگا۔ اور تصریح فرمائی امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم نے اپنی کتاب مختصر میں اس قول پر نہایت تفصیل کے ساتھ آپ (ادلہ) نے بیان فرمایا کہ ابلاغ سے قبل کبھی بھی عذاب نہ دیا جائیگا (کما ثبت بالتحقیق)

ومتابعت او نمودہ اند جمیع اصحاب او۔ اور امام شافعیؒ کے جملہ اصحاب نے اپنے

امام کی متابعت کی ہے اس مسئلہ میں۔ جیسے امام فخر الدین رازی اصحاب امام شافعی میں سے جس نے اپنی کتاب محصول میں بہترین دلائل سے بیان فرمایا ہے اور ثابت فرمایا ہے کہ بلوغ دعوت سے قبل کسی بھی انسان کو دوزخ میں عذاب نہ دیا جائیگا اور ضرور رب تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ اور اسی طرح علامہ ابن حاجب نے اپنی کتاب تحصیل میں بھی ثابت کیا ہے کہ ابلاغ سے قبل عذاب مطلقاً نہیں اور ابلاغ سے قبل جو لوگ بھی وفات پا گئے ہیں تمام جنت کے مستحق ہیں۔ اور وہ ضرور جنت میں جائیں گے۔ اور اسی طرح علامہ بیضاوی نے اپنی کتاب منہاج میں اور قاضی تاج الدین سبکی نے شرح ابن حاجب میں اور علامہ رافعی نے اپنی شرح میں یوں ذکر کیا ہے۔

(ہر کہ نرسیدہ است اورا دعوت ثابت نہ گردد بروئے حجت و بروئے مواخذہ نباشد بدلیل قولہ تعالیٰ وما کنا معذبین حتیٰ نبعث رسولاً) یعنی جن لوگوں کو دعوتِ رسل نہیں پہنچی ان پر عذاب واجب نہیں ہوتا کیونکہ ان پر حجت قائم نہیں کی گئی اور ان کو رب تعالیٰ کے قوانین سے آگاہ نہیں کیا گیا۔ کیونکہ رب تعالیٰ خود اعلان فرما رہا ہے کہ میرا یہ دستور و قانون نہیں کہ جبتک میں انسان کے ابلاغ کیلئے رسول ارسال نہ فرماؤں تب تک میں عذاب دیتا اور مذکورہ بالا مضمون کی تائید میں بکثرت ائمہ کرام کے ارشادات عالیہ موجود ہیں۔ جیسے علامہ ابن رفعہ اپنی کتاب کفایہ میں ارشاد فرماتے ہیں تعلیل کردہ است بانکہ او مولود گشتہ است بر فطرت وظاہر نہ گشت است از وے عنادی و نیامدہ است بوے رسولی کہ تکذیب کردہ باشد اورا۔ یعنی صاف ظاہر ہے کہ جس کو دعوت نہیں پہنچی تو وہ شخص فطرت میں متولد ہے۔

اور زمانہ فطرت میں عناد بھی اس کے ہاتھ سے بالکل سرزد نہیں ہوا کیونکہ زمانہ فطرت میں احکام شرع تو مطلقاً نہیں تو عناد کے واقع ہو جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور نیز انکے پاس رسول رب العالمین کی جانب سے آیا نہیں تو جب رسول ان کے پاس مطلقاً نہیں آیا تو تکذیب رسول کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تو ثابت ہوا کہ اہل فطرت کے لئے نجات واجب ہے۔ وہ لوگ اہل نار نہیں بلکہ اہل جنت ہیں۔

یقول الفقیر:۔

باشان عظمت خود خوانده غفور خود را ؛؛ از فضل اہل فطرت ببرنده حظِ خود را

سوال :- بقول امام اعظم کہ نیست عذرے ہیچ احدے را در جہل بخالق خود یعنی رب تعالیٰ کی ذات احدیت کی پہچان میں کسی کے لئے عذر نہیں کہ مَیں جاہل ہوں۔ مجھے رب تعالیٰ کی ذات احدیت کا علم نہیں۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھ لینا کہ رب تعالیٰ کی پہچان میں جہل عذر نہیں۔ اسی لئے تو حالتِ قتال میں کفار کو دعوت اسلام دینا شرط نہیں۔ تو بنا بر قول امام قبل از بعثت مواخذہ لازم ہُوا۔

جواب :- امام کا شرط مقرر فرمانا کہ حالتِ قتال میں کفار کو دعوتِ اسلام دینا ضروری نہیں تو یہ شرط اس بنا پر مقرر فرمایا گیا ہے کہ حضور والا ظہور صلی اللہ علیہ وسلم کا اشتہار عامہ کل دنیا میں بدرجہ اتم ہو چکا ہے شرقاً۔ غرباً۔ جنوباً۔ شمالاً کوئی شہر و بستی ایسی نہیں کہ جہاں تک سرکارِ کونین کا خبرِ رسالت نہ پہنچا ہو۔ تو یہ اشتہار عامہ حکماً دعوت ہے جمیع مشرکان کے لئے۔ اس لئے دوبارہ حالتِ قتال میں دعوتِ اسلام ضروری نہیں کیونکہ فی الحقیقت دعوت ان کو ایک مرتبہ دیا جا چکا ہے جیسے اس مسئلہ کو صاحب محیط برہانی نے تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اور یہ امر ظاہر و مسلّم ہے کہ دعوت بعد از بعثت ہو سکتا ہے قبل نہیں۔ اور امام کا قول کہ جہل بخالق عذر نہیں۔ اس قول سے بھی امام کا مراد بعد البعثت عذر مراد ہے۔ اور اہل فطرت زمانہ جاہلیت میں پیدا شدہ تھے اور ان کو بعثت نہیں ہوئی۔ امام بھی ان کی عدم تعذیب کے قائل ہیں اور والدین ماجدین سید کونین اسی قبیلہ سے ہیں کہ ان کو سابقین پیغمبروں میں سے کسی پیغمبر کا دعوت مطلقاً نہیں پہنچا۔ جیسے کہ ہم پہلے ثابت کر آئے ہیں تو امام الہمام کے مسلک میں جیسے ثابت ہوا کہ آپ ان لوگوں کی نجات کے قائل ہیں کہ جن کو دعوتِ اسلام نہیں پہنچا تو والدین شریفین کی نجات کے تو بدرجہ اولیٰ قائل ہیں مذکورہ بالا دلائل قاطعہ سے استنباط کرتے ہوئے ائمہ کرام نے ایک قاعدہ مقرر فرما دیا ہے (لا تعذیب قبل البعثۃ) کہ بعثت سے قبل عذاب مطلقاً نہیں)

سوال :- اس قاعدہ پر سوال وارد ہوتا ہے کہ جب بعثت سے قبل تعذیب مطلقاً نہیں

تو صاحب محجن عمرو ابن لحی وغیرہ بہت سے اہل جاہلیت کے لئے بعض احادیث میں تعذیب وارد ہیں۔ اور نیز ان لوگوں کے لئے بھی تعذیب وارد ہے کہ جنہوں نے جنات کی عبادت کی اور ملائک وکواکب کی پرستش کی۔

جواب:۔ جن احادیث میں بعض افراد کی تعذیب کا ذکر آیا ہے اولاً تو وہ تمام احادیث خبر احاد ہیں۔ اور خبر احاد کا تعارض اگر نص قطعی کے ساتھ واقع ہو جائے تو خبر احاد کو ترک کرنا لازم ہے۔ کیونکہ نص قطعی کے مقابلہ میں خبر احاد مطلقاً منظور نہیں اور ہم پہلے نص قطعی سے ثابت کر آئے ہیں کہ تعذیب قبل البعثت نہیں لہذا یہ قاعدہ مذکورہ بالکل درست ہے۔

دیگر

امر یہ ہے کہ بعض خاص خاص افراد کی تعذیب اگر مان بھی لی جائے جیسے غلام خضر علیہ السّلام جس کو آپ نے قتل فرمایا تھا وغیرہ وغیرہ۔ چند افراد کو اللہ تعالیٰ اپنے علم ازلی میں جانتا ہے اور ان افراد کو اپنے علم خداوندی کے اسرار کے مطابق تعذیب فرما بھی دے تو اس تعذیب کے سبب کو وہ خود جانتا ہے ہم کو اس کا علم نہیں۔ باقی رہے تمام اہل فطرت تو ان کے لئے وہی قاعدہ صحیحہ مقررہ نافذ رہے گا جس کو ہم نے اوپر ذکر کیا۔ واللہ اعلم و علمہ اتم واحکم۔

حاصل کلام

اہل فطرت والوں میں سے جن لوگوں نے ایمان نہیں لایا اور شرک بھی نہیں کیا وہ تمام لوگ ناجی ہیں۔ اور جو ایمان لائے اور ایمان لانے کے بعد انہوں نے شرک کیا تو وہ لوگ ضرور معذب ہوں گے۔ جیسے علامہ سعد الدین تفتازانی تلویح حاشیہ توضیح اصول فقہ حنفیہ میں فرماتے ہیں کہ اگر ایک انسان شاہق الجبل میں آبادی سے دُور دراز رہتا ہو اور اس کو دعوتِ اسلام نہیں پہنچا تو وہ انسان صرف عقل سے ایمان لانے پر مکلف نہیں یہاں تک کہ اس کو ایمان کے وصف و تمیز اور کفر کے وصف و تمیز مطلقاً نہ ہو اور کفر و ایمان کسی چیز کا معتقد نہ ہو خصوصاً کفر کا معتقد نہ ہو اور اس حالت

یں وہ انسان وفات پاجائے تو یہ انسان اہل دوزخ سے نہ ہوگا بلکہ اہل جنت سے ہوگا اور اگر حالتِ حیات میں ایمان لے آیا تو اس کا ایمان درست ہوگا۔ اور اگر کفر کیا اور کفر کی حالت میں وفات پاگیا تو اہل دوزخ سے ہوگا۔ انتہیٰ کلامہٗ

یہ ہے مذہب امام الہمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنی وعن احبائی اجمعین الیٰ یوم الدین۔

امرِ ضروری

اس ضمن میں یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ شیخ علی قاری ہروی مکی شرح فقہ اکبر میں اس قول کے ماتحت ووالدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماتنا علی الکفر تحریر فرماتے ہیں۔ " ھٰذا رد علی من قال انھما ماتنا علی الایمان الخ (شرح فقہ اکبر صـــ۱۳۱) یعنی یہ قول رد ہے ان قائلین پر جنہوں نے حضور کے والدین کی شان میں یہ قول کیا ہے کہ وہ ایمان پر وفات پا گئے ہیں اور یا کفر پر وفات پاگئے ہیں۔ تو پھر رب تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ان کو زندہ فرمایا اور پھر ایمان لے آئے اور پھر مقام ایقان میں دوبارہ دار فنا سے تشریف لے گئے اور آگے چل کر شیخ علی قاری فرماتے ہیں کہ میں نے اس مسئلہ کے لئے ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے۔ شیخ علی قاری کے اس قول سے معلوم ہوا کہ لفظ مذکور یعنی حضور کے والدین ماجدین کفر پر مرے ہیں امام الہمام کی زبان مبارک سے صادر ہوا ہے۔

حالانکہ امام الافخم وشیخ الاحکم کی عفت، عصمت وتقویٰ اس بات کا مقتضی نہیں کہ والدین سید کونین کی شان میں یہ لفظ ارشاد فرما جاتے اس لئے علماء ثقات نے کئی وجوہ سے جواب دیا ہے۔

وجہ اول

یہ ہو کہ علامہ ابن حجر مکی اپنے فتاویٰ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ " وہ جو نقل کیا جاتا ہے امام الہمام سے فقہ اکبر میں کہ والدین ماجدین طیبین طاہرین سید کونین کفر پر مرے ہیں " یہ قول مردود ہے اور قابل اعتبار نہیں کیونکہ یہ فقہ اکبر جس سے یہ قول نقل کیا گیا ہے یہ تالیف امام الہمام کا نہیں بلکہ یہ تالیف ابو حنیفہ محمد بن یوسف بخاری کا ہے۔ اور وہ فقہ اکبر جو

امام ابو حنیفہ نعمان ابن ثابت کوفیؒ کی تالیف ہے اس میں " ماتا علی الکفر " کا لفظ موجود نہیں۔ صاف ظاہر ہوا کہ یہ قول قولِ امام نہیں۔ اور علامہ برزنجی اس قول کو نقل کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ جو ابن حجر نے فرمایا ہے فی حد ذاتہ بالکل درست ہے کیونکہ یہ فقہ اکبر کہ جس میں حضور کے والدین کی شان میں یہ الفاظ " ماتا علی الکفر " موجود ہے یہ تالیف امام ابو حنیفہ نعمان ابن ثابت کوفی کا نہیں بلکہ غایت الامر اتنی بات ضرور ہے کہ دونوں کتب اسم میں شریک ہوگئی ہیں اور نیز کنیت میں دونوں مؤلف شریک ہیں۔ اس اشتراک کی وجہ سے بعض لوگوں نے یہ گمان کیا کہ یہ تالیف فقہ اکبر جو لوگوں میں مشہور ہو چکا ہے یہ تالیف امام الہمام ہے حالانکہ یہ وہ تالیف نہیں۔

علامہ برزنجی فرماتے ہیں کہ اس اشتراک کی دلیل یہ ہے کہ میں نے تتبع کی اور اصل نسخہ فقہ اکبر تالیف امام الہمام بروایت ابو مطیع بلخی جو کہ امام الہمام کے مصاحبوں میں سے ہیں۔ حاصل کیا جو کہ حفاظ و علماء کی نگاہوں سے گذرا تھا۔ میں نے اس کو لکھوا کر اپنے پاس محفوظ رکھا اور اس کی سند میرے پاس امام تک متصل ہوئی۔

الحمدللہ کہ یہ نسخہ غیر ہے اس نسخہ کا جو لوگوں میں شہرت پا چکا ہے۔ اس تحقیق کے بعد علامہ ابن حجر مکیؒ کا قول کہ یہ فقہ اکبر امام الہمام کا نہیں درست ہے۔ فافہم۔

واللہ الہادی۔ اللہ ناصر کل صابر۔ وجہ دوم باللہ التوفیق

یہ ہے کہ بالفرض اگر تسلیم کر لیا جائے کہ یہ کتاب فقہ اکبر امام الہمام کی تالیف ہے لیکن ظاہر امر یہ ہے کہ لفظ " ماتا علی الکفر " امام الہمام کا نہیں بلکہ یہ لفظ واضعین نے یعنی امام کے دشمنوں نے بعد میں آپ کو بدنام کرنے کے لئے اس نسخہ میں شامل کر دیا ہے۔ جیسے دشمنانِ امام غزالیؒ نے اکاذیب کو آپ کے کتب میں وضع کیا ہے جیسے " درۃ الفاخرہ " وغیرہ۔

اور امام کا ذات مبارک پاک ہے ایسے کلمات سے اور دال ہے اس پاکی پر کمال تقویٰ حسن ادب آپ کا۔ اور آپ کی شان سے یہ بات نہایت دور ہے کہ وضع کرے کتاب دین متین حنفی میں خصوصاً اعتقادیات میں اور گر۔ے اس کو اساسِ شریعت

اور لوگوں کو اس کے خواندن کی طرف راغب کرے اور ذکر کرے اس کتاب میں ایسے کلمات جو مشتمل ہو بنا کر کفر مادر و پدر جناب محمد الرسول اللہ۔ جو سبب ہے ایذاءِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم حالانکہ یہ مسئلہ جملہ اعتقادیات سے نہیں کہ اس پر اعتقاد رکھنا واجب ہو جائے اور اسی طرح دال ہے اس معنی پر قول علامہ حافظ الدین شارح مناقب امام ابو حنیفہ کا جو کہ کبار علماء حنفیہ سے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے جابجا تصریح فرمائی ہے کہ والدین ماجدین سید کونین ناجی ہیں اور نیز اس نے حدیث شریف نقل کی ہے جو کہ حضور ؐ کے والدین کے احیاء کے بارے میں تصریح ہے۔ تو اگر یہ قول "ماتا علی الکفر" کتبِ امام الہمام میں موجود ہوتا تو یقیناً اتباعِ قولِ امام سے گریز نہ کرتا۔

نیز علامہ شمنی جو کہ محققین علماء حنفیہ سے ہیں قول ابن عربی مالکی کو نقل کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ والدین ماجدین سید کونین کی نسبت کفر کرنا باعثِ ایذاء سرور کائنات ہے

حاصل کلام

ثابت ہوا کہ یہ لفظ امام الہمام کا نہیں بلکہ آپ کے دشمنوں نے بعد میں وضع کیا ہے۔ اس لئے اس کتاب میں یہ جملہ قابلِ قبول نہیں۔ بقول الفقیر

در ہیچ مکان نہ بود ز فکرت خالی — در ہیچ زماں نہ بود ز حکمت غافل

واللہ الہادی۔ اللہ الرفیق۔ و بہ التوفیق

وجہ سوم

یہ ہے کہ بالفرض اگر تسلیم کیا جائے اس بات کو کہ یہ کتاب فقہ اکبر جس نے مردماں میں شہرت حاصل کی ہے یہی کتاب فقہ اکبر تصنیف امام الہمام ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور فقہ اکبر کسی اور عالم کی تصنیف نہیں ہے۔ تو اس صورت میں اس عبارت کی تاویل یوں کرنی پڑیگی کہ (ماتا علی الکفر) ای ماتا علی زمن الکفر یعنی والدین شریفین حضرت کونین وفات پا گئے ہیں زمانہ کفر میں اور زمانہ کفر کو زمانہ فطرت کہتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھ لینا کہ والدین شریفین کافر نہیں مرے بلکہ کفر کے زمانہ میں مرے ہیں تو اس تاویل سے مطلب صاف ہوا اور امام عظیم القدر جلیل المرتبت سے تہمت بھی دور ہوا۔ فافہم

یقول الفقیر

در علم فضل حکمت، نرسد کسے بہ نعمان کہ مخالفین عصرت ہمہ گشت شد فدایان

والله الہادی۔ اللہ ناصر کل غریق

وجہ چہارم

و باللہ التوفیق

یہ ہے کہ بالفرض اگر تسلیم کر لیا جائے کہ یہ لفظ و عبارت امام ہی کا ہے اور اس لفظ سے امام کی مراد بھی معنیٰ ظاہرہ ہے۔ تو امام کا قول منقضی ہو جاتا ہے اس قاعدہ پر جو کہ علماء ثقات نے مرتب فرمایا ہے۔

قاعدہ یہ ہے کہ اگر بعض مسائل فقہیہ میں اختلاف واقع ہو جائے میان امام اور میان تمام علماء ثقہ۔ یعنی ان مسائل میں امام کا قول الگ ہو اور تمام علماء ثقہ کی رائے الگ ہو۔ اور ہمارے سامنے پیش آجائے کوئی مصلحت دینیہ اور یا ضرورت دنیویہ اور اس مصلحت دینیہ و ضرورت دنیویہ سے قول امام کا بالکل خلاف ہو اور علماء ثقہ کا قول ان مصالح کے عین موافق ہو تو اس صورت میں قول امام کا ترک کرنا اور جمہور علماء ثقہ کا قول اختیار کرنا مطلقاً جائز ہے۔ جیسے مسئلہ مزارعت و مفقود الخبر وغیرہ مسائل میں قول امام کا ترک کرنا اور سائر علماء ثقہ کے قول پر عمل کرنا جائز ہے۔

نتیجہ تو اسی طرح اس مسئلہ میں میان امام و سائر علماء ثقہ اختلاف شدید واقع ہے۔ کیونکہ امام کا مسلک تو ماتا علی الکفر ہے اور تمام علماء ثقہ کا مسلک ماتا علی الایمان ہے اب ہمارے سامنے مصلحت دینی ایسا عظیم پیش آگیا ہے جو کہ محیط دین کی ذات کے ساتھ وابستہ ہے۔ کیونکہ حضورؐ کے والدین ماجدین کی تنقیص ادب سے خلاف ہے اور یہ مسئلہ اعتقادیات ضروریہ سے بھی نہیں اور رعایت ادب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مصلحت دینیہ اعلیٰ تر نہیں۔ لہٰذا اس مسئلہ میں قول امام کا ترک کرنا لازم ہے اور تمام علماء ثقہ کے قول کو تسلیم کرنا واجب ہے۔

ثابت ہوا کہ والدین ماجدین سید کونین ناجی ہیں اور یہ ہے عقیدہ حقہ۔

سوال:۔ سوال وارد ہوتا ہے کہ امام باوجود عظیم المرتبت و علم کے انہوں نے اتنی عظیم غلطی کیوں کی۔

جواب :- المجتهد قد یخطی وقد یصیب فان اصاب فله اجران وان اخطأ فله اجر واحد" یعنی مجتہد بنفس خود معذور ہوتا ہے اور وہ اپنے اجتہاد میں ساعی ہونے کے بعد کبھی تو وہ منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے اور کبھی غلطی کر جاتا ہے۔ اگر وہ مقصود میں کامیاب ہوا تو عند اللہ ماجور ہے اور اس کو دو اجر ملیں گے۔ ایک مشقت کا اور دوسرا کامیابی کا۔ اور اگر غلطی کر جائے تو ایک اجر ضرور ملے گا یعنی مشقت کا ؛

حاصل جواب :- یہ مسئلہ چونکہ اجتہادی تھا تو اگرچہ امام سے غلطی ہو گئی لیکن پھر بھی ایک اجر تو آپ کو ضرور ملیگا۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم۔ (قال حافظ)

مکن بچشم حقارت ملامت من مست ؛ کہ نیست معصیت و زہد بے مشیت او

مندرجہ بالا وجوہات کے علاوہ اور بھی کئی وجوہات کے ساتھ علماء ثقہ نے جوابات دیئے ہیں لیکن میں اختصار کی وجہ سے ان چہار وجوہ پر اکتفا کرتا ہوں۔

واللہ الہادی　　　　اللہ الرفیق　　　　و بہ التوفیق

شامۂ کیفیت

جاننا لازم ہے کہ علامہ محمد سید برزنجی ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے علی قاری پر تعجب آتا ہے کہ اس نے اس فقہ اکبر ثانی کی شرح کی اس گمان پر کہ یہ فقہ اکبر امام اعظم کا ہے اور اس شرح میں وہ چیز ذکر کیا حق والدین شریفین میں کہ موجب ایذا رسانی ہے بذات سرکار ستودہ صفات۔ اور اس ذکر پر اکتفا نہ کیا بلکہ اسی موضوع پر ایک اور رسالہ تالیف کیا اور اس رسالہ میں دراز گفتگو کی جو تمام سبب ایذا رسانی ہے۔ اس لئے مندرجہ ذیل علماء ثقہ نے اپنی اپنی تصانیف میں علی قاری کی پر رد فرمایا۔

۱- علامہ عبد القادر طبری امام مقام ابراہیم مکہ معظمہ - شافعی

۲- علامہ مصطفیٰ بن فتح اللہ حموی مکی　　حنفی

۳- شیخ حسن بن علی عجمی مکی　　حنفی

۴- علامہ ابن حجر مکی　　شافعی

اور علامہ عبد القادر اپنے رسالہ کے اخیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ جس وقت علی قاری مکی

کا رسالہ مذکورہ میری نگاہ سے گزرا تو میں نے عالمِ خواب میں دیکھا کہ ایک بلند سطح پر باب ابراہیم کے قریب میں علی قاری کے ساتھ اس مسئلہ میں ہم کلام ہُوا۔ ہمارے درمیان کافی تکرار ہوئی۔ حالتِ غصہ میں مَیں نے علی قاری کو دھکا دیا۔ اور دھکا دیتے ہی علی قاری بالائے سطح سے زمین پر گر گیا۔ از خواب بیدار شدم۔ جب میری جاگ کھل گئی۔ علی الصبح مجھے اطلاع ملی کہ علی قاری بام سے گر گیا ہے اور اسکو کافی ضرر پہنچا ہے۔ یعنی اس کا وجود کافی زخمی ہُوا۔

شیخ عبد القادر فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد چند روز ہی زندہ رہا اور اسی ضرر کی وجہ سے وفات پا گیا۔

نیز علامہ مصطفٰی ابن فتح اللہ حموی نے اپنی کتاب فوائد الرحلہ میں بعض مصائب جو کہ علی قاری کو اخیر عمر میں لاحق ہوئے۔ بیان فرمائے۔ یہاں تک کہ اُس نے اپنے بیش بہا ذخیرۂ کُتب کو فقر و فاقہ کے دُور کرنے کے لئے فروخت کیا۔ اور اسکے علاوہ اور ایسے مصائب لاحق ہو گئے تھے کہ ذکر کرنے سے ان کا سترا اولے ہے۔

فقیر غفر اللہ القدیر کہتا ہے کہ یہ مصائب جو کہ ملا علی قاری کو لاحق ہو گئے تھے یہ تمام سوءِ ادب کا نتیجہ تھا۔ ع

بے ادب محرُوم ماند از فضل رب

حکایت:۔ حضرت شیخ الاکبر قدس سرہ و سرنا الاطہر سے روایت ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ بعض ایام میں مَیں جامعہ قرطبہ کے اندر مقیم تھا۔ ایک دن رات کو تہجد کے وقت رب تعالٰی نے اپنے اعیان رسل کا مجھے دیدار فرمایا سیدنا آدم علیہ السلام سے لیکر جناب محمد مصطفٰے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک۔ جس وقت مَیں نے ان نورانی چہروں کو دیکھا تو فرطِ خوشی سے مجھ میں کلام کرنے کی تاب نہ رہی اور مَیں بنظرِ ظاہری ان کے نورانی چہروں کے دیدار میں محو تھا کہ یکایک ان میں سے ایک دراز قد آدمی جس کے چہرے سے نور ٹپک رہا تھا میرے قریب آیا۔ اور مجھے السّلام علیکم سے نوازا۔ اب میرا حال کچھ سُدھر گیا تھا۔ مَیں نے نہایت ادب و توقیر کیساتھ سلام کا جواب دیا اور ساتھ ہی میں نے عرض کی حضور آپ کون لوگ ہیں اور یہ تمام نورانی چہروں والے لوگ کون ہیں کہ جن کی زیارت سے آج فقیر سرفراز ہُوا۔

اس دراز قد بزرگ نے مجھ سے جواباً ارشاد فرمایا کہ میں ہُود علیہ السلام ہوں اور یہ باقی تمام انسان عہد آدم سے لیکر جناب محمدؐ الرسول اللہ تک تمام انبیاء عظام ہیں۔ میں نے عرض کی حضور آپ لوگ یہاں کیسے تشریف لائے ہیں۔ پیغمبر خدا ہود علیہ السلام نے ارشاد فرمایا اے شیخ ہم منصور بن حلاج کی سفارش کے لئے مدینہ طیبہ جناب محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جا رہے ہیں۔ میں نے عرض کی یا نبی اللہ منصور ابن حلاج کی سفارش کس بات میں۔ نبی اللہ نے ارشاد فرمایا کہ دارِ دُنیا میں حلاج سے دورانِ وعظ میں شانِ حبیب الرحمٰن میں بے ادبی ہوگئی تھی۔ میں نے عرض کی یا نبی اللہ وہ کونسی بے ادبی تھی جس کی معافی کے لئے آپ سب انبیاء عظام تشریف لیجا رہے ہو۔ نبی اللہ نے ارشاد فرمایا یا شیخ الاکبر حیاتِ دنیویہ میں حلاج نے دورانِ وعظ میں کہا تھا ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ھمتہٗ دون منصبہٖ کہ حضور والا ظہور نے منصب کے لحاظ سے مناسب ہمّت نہیں فرمائی۔ لوگوں نے سوال کیا وہ کیسے؟ حلاج نے جواب دیا کہ رب تعالیٰ حضورؐ کی شان میں ارشاد فرماتا ہے ولسوف یعطیك ربّك فترضیٰ (یعنی) آپکا رب آپکو اس وقت تک عطیاتِ الٰہی وغیرہ آپکے کل مرادِ دیتا چلا جائیگا کہ جبتک آپ خود ارشاد نہ فرما دیں کہ اے میرے پروردگار بس میں اب آپ سے راضی ہوں۔ وکان من حقہٖ لا یرضیٰ الا ان یقبل اللہ تعالیٰ شفاعتہٗ فی کل کافر ومؤمن لکنہٗ ما قال الا شفاعتی لاھل الکبائر من امتی) کہ آپ کو اتنا دوں گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ تو حضور والا ظہور کا حق یہ تھا کہ اتنے وسیع وعدہ کے بعد رب تعالیٰ سے مطلقاً راضی نہ ہوتے تاوقتیکہ حضور کی شفاعت ہر مومن وکافر کے حق میں منظور نہ ہو جاتی۔ یہ تھا آپ کا منصب۔ لیکن منصب کے مطابق آپ نے سوال نہ کیا۔ بلکہ آپ نے صرف یہ فرمایا کہ میری امت میں جو گناہ کبیرہ کے ارتکاب کرنے والے ہیں میری شفاعت انہی کے لئے خاص ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے ارشاد فرمایا یا شیخ الاکبر جب حلاج نے اپنے کلام کو سامعین کے سامنے تمام کیا تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم غصّہ کی حالت میں حلاج کے پاس خود تشریف لائے اور ارشاد فرمایا یا منصور انت الذی انکرت علی الشفاعۃ اے منصور تو ہی ہے جو کہ منصب شفاعت سے جیسے میں نے فرمایا ہے انکار کرتا ہے۔ حلاج نے فوراً جواب دیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ میرے علم میں تو ایسا ہی ہے۔ کہ اگر آپ ذاتِ مطلق سے عامہ شفاعت

کا سوال فرماتے تو رب تعالیٰ ضرور آپکو شفاعت عامہ عطا فرما دیتا۔ لیکن آپ نے منصب کے مناسب ہمت نہ فرمائی۔ سرکارِ کونین نے جواباً فرمایا اے حلاج کیا تم نے مجھ سے یہ نہیں سنا کہ میں نے ذاتِ حق سے بطور حکایت بیان کیا ہے۔ اذا احببت عبداً کنت لہٗ سمعاً و بصراً و لساناً و یداً قال بلیٰ یارسول اللہ۔ فقال اولم تعلم انی حبیب اللہ قال بلی یارسول اللہ کہ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں جب کسی انسان کو دوست رکھتا ہوں تو میں اس کی قوتِ سمع، بصر، لسان و ید ہو جاتا ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حلاج نے عرض کی حضور یقیناً آپ نے ایسا ہی ارشاد فرمایا ہے۔ پھر حضورؐ نے ارشاد فرمایا کیا تو نہیں جانتا کہ میں حبیب اللہ ہوں منصور نے جواب دیا ہاں حضور یقیناً میں جانتا ہوں کہ آپ حبیب اللہ ہیں۔ حضورؐ نے پھر ارشاد فرمایا اے حلاج کہ جب میں حبیب اللہ ہوں تو وہ خود ہی تو میری زبان ہے جس سے میں بولتا ہوں۔ فاذ هو الشافع والمشفوع الیہ وانا عدمٌ فی وجودہٖ فانّی عتاب علیّ یا منصور تو وہ خود ہی شافع بھی ہے اور مشفوع الیہ بھی۔ اور میں تو اُس کے وجود میں عدم ہو چکا ہوں۔ میرا اپنا وجود تو نہیں۔ میں تو باقی باللہ ہوں۔ تو اے منصور اس مسئلہ میں مجھ پر عتاب کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ خود ہی تو اُس نے ولسوف الخ کہا اور خود ہی شفاعتی الخ کہا۔

پیغمبرِ خدا نے پھر ارشاد فرمایا یا شیخ الاکبر جس وقت حلاج کو حضورؐ نے توبیخ فرمائی تو حلاج نے فوراً عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے قول سے توبہ کرتا ہوں۔ مجھے عیاں فرمایا جائے کہ میرے اس گناہ کا کفارہ کیا ہوگا تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا یا حلاج اس گناہ کا کفارہ یہ ہے کہ اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے قربان کر۔ اور میری سیفِ شریعت پر اپنے نفس کو قتل کر۔ اتنا ارشاد فرمانے کے بعد سرکارِ کونینؐ تشریف لے گئے۔

پھر حضرت ہود علیہ السلام نے ارشاد فرمایا یا شیخ الاکبر! حلاج سے یہی سوءِ ادب ہوا تھا جس کا بیان میں نے تمہارے سامنے کیا۔ لیکن جب سے حلاج دارِ دنیا سے تشریف لے گیا سرکارِ کونین ہنوز اس بے ادبی پر حلاج سے ناراض ہیں اور روحِ حلاج دیدارِ سرورِ کائنات سے محجوب ہے تو یہ جمعیتِ انبیاء عظام اس جمعہ شریف کو اس غرض کے لئے جمع ہو گئے ہیں کہ منصور حلاج کی سفارش حضور کی خدمتِ اقدس میں کریں۔ شاید اس کو حضورؐ اپنے رحم سے معاف فرمائیں اور اپنے

دربار مقدسہ میں آنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ انتہی (روح البیان صفحہ ۱۴۲ ج ۵)

نعم ما قیل

عقلِ دُور اندیش میداند کہ تشریفی چنیں ۔ ہیچ دین پرور ندید و ہیچ پیغمبر نیافت

فقیر سامحہ اللہ القدیر کہتا ہے کہ اس حکایت میں دو امر ثابت ہو گئے۔

(۱) منصور حلاج کا رتبہ عند اللہ و عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کیونکہ یہ قانون ہے کہ کسی شخص کی عظمت و رتبہ کا اندازہ اس کی سفارش کرنے والوں کے رتبات سے ہو جاتا ہے یعنی جس بلند رتبہ کے شفعا ہوں گے اسی بلند رتبہ کا مشفوع لہٗ ہوگا۔ اس واقعہ میں منصور حلاج کی سفارش کے لئے آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسٰی رُوح اللہ تک تمام انبیاء عظام سرکارِ کونین ؐ کے دربار مقدسہ میں تشریف لا رہے ہیں۔

ثابت و متحقق ہؤا کہ منصور حلاج کا رتبہ اولیاء کرام میں بہت بلند ہے۔

نمبر(۲) یہ کہ منصور حلاج کو بغداد کے اندر شہید کیا گیا اخیر ۳۰۹ھ میں۔ اور شیخ الاکبر ملک شام میں وفات پا گئے ۶۳۸ھ میں۔ ان دونوں کے درمیان تقریباً ۳۲۹ سال کا دفعہ ہے تو ظاہر امر یہ ہے کہ رُوحِ حلاج تقریباً تین سو انتیس سال سے زائد رُوحِ سرورِ کائنات ؐ سے محجوب رہا۔ اور شرفِ دیدار اس دراز مدت میں مطلقاً نصیب نہ ہؤا۔

سببِ حجاب - و ذالک بسبب کلمۃٍ صدرت عنه علی خلاف الادب

یعنی مدت دراز روحِ حلاج کے محجوب ہونے کا سبب وہ کلمہ تھا جو کہ خلافِ ادب حلاج کی زبان سے صادر ہؤا تھا۔ کیونکہ جو شخص بساطِ قرب اور حضور میں متمکن ہو اس کے لئے ادب ہر حالت میں اشد ضروری ہے۔ اور کسی حالت و امر میں ظاہراً و باطناً سراً و علانیۃً کوئی فعل ایسا سرزد نہ ہو جائے جو کہ باعثِ بے ادبی ہو۔ کیونکہ ؎

ادب نہایت قال است و بدایت حال

بقول الفقیر

مدام باش با ادب ز خانہ یلطفنی ۔ تورا نوالہ دمادم رسد ز یطعمنی

ظن مبدل بیقین

اے برادر اسلام اپنے ظن کو یقین پر تبدیل کر۔ ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو ہمیشہ کے لئے

حدودِ شرع کی بے ادبی و بے حرمتی کرتے ہیں۔ اور نظم و معانی قرآن مقدس کے بگاڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اوہام و خیالاتِ فاسدہ پر ہر وقت عمل پیرا ہوتے ہیں بمجھ سے سنو! اولٰئک کالانعام۔ ان کا حال مثل چوپائیوں کے ہے۔ جو راہ گم گشتہ ہیں۔ اور ضلالت و گمراہی کے عظیم گڑھے کے اندر گر پڑے ہیں۔ حواس ظاہرہ و باطنہ گندہ آلود ہو چکے ہیں۔ اور اس گندگی نے ان کی عقول کو فنا کر دیا ہے۔ اور آبِ صافی کے ساتھ اس گندگی کو دھونا محال ہو چکا ہے۔ اس لیئے اے برادرِ اسلام یقین کر کہ یہ لوگ ہالک ہیں۔ فافہم۔

نتیجہ:۔ آمدم برسرِ مطلب۔ منصور حلاج کے واقعہ سے ثابت و متیقن ہوا کہ خواص کے لئے ایک معمولی غلطی بھی باعثِ مواخذہ ہو جاتی ہے۔ کیونکہ بحکم حسنات الابرار سیاٰت المقربین حالانکہ منصور حلاج نے اپنی غلطی اور بے ادبی سے معافی بھی مانگی اور حل بھی گئی۔ اس کے باوجود دیدارِ مقدسہ سے دراز مدت تک محروم رہا۔

نظیر یوں سمجھ لینا کہ جیسے وحشی قاتل حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مسلمان ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسِ اطہر میں حاضر ہوا کرتا تھا تو سرکار کونین نے ارشاد فرمایا تھا کہ اے وحشی جب تم مجلس میں حاضر ہوتے ہو تو میرے پسِ پشت بیٹھا کرو کیونکہ جب میں تمہیں دیکھتا ہوں تو مجھے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت یاد آتی ہے۔

واضح ہوا کہ منصور حلاج کو بھی اسی غرض کے لئے محجوب رکھا گیا تھا گویا کہ جب منصور حلاج حضور کی مجلسِ اطہر میں آتے تو حضور کو وہ بے ادبی یاد آ جاتی جو منصور حلاج سے سرزد ہوئی تھی تو معلوم ہوا کہ بے ادبی حجابِ قرب ہے۔ نسئل اللہ العافیۃ والعفو الانعام

حاصل نتیجہ:۔ صاحبانِ فکر کے لئے یہ امر روشن ہے کہ شیخ علی قاری مکّی سے تو ایک بہت بڑی بے ادبی سرزد ہو گئی ہے۔ تو یہ مصائب جو کہ علامہ مصطفیٰ بن فتح اللہ حموی نے بیان فرمائے ہیں تو اس بے ادبی کی سزا حیاتِ (حالت) دنیویہ میں علی قاری کو ملی۔ اور بعد از ممات علم رب تعالیٰ کے پاس ہے کہ اس کے ساتھ کیا ہوگا۔

التماس

فقیر کان اللہ لہٗ ان لا الٰہ الا اللہ پڑھنے والوں کی خدمت میں ملتمس ہے کہ قبل از گرفتاری عذابِ الٰہی

ان بے ادبیوں سے خلوص و اعتقادِ سلیمہ کے ساتھ توبہ کرلیں۔ جوکہ وقتاً فوقتاً شانِ حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ان سے تقاریر اور تحاریر میں سرزد ہوتی رہتی ہیں۔ مثلاً

نمبرا حاضر و ناظر سے انکار نمبر۲ سرے سے انکار وغیرہ یواقیت حدیث شریف

نمبر۳ علم غیب کلی سے (جسکی تفصیل میں نے اپنی کتاب "الدولۃ المدنیہ میں درج کی ہے۔ اور پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے) انکار کرنا۔ وغیرہ وغیرہ۔ ورنہ ان بے ادبیوں کی وجہ سے بعید نہیں کہ دار دنیا میں عذابِ الٰہی میں گرفتار ہو جائیں جیسے علی قاری ہوا۔ اور بعد از ممات اگر شفاعت سے محجوب ہو جائیں تو ہلاکت پہ ہلاکت ہوگی۔ نعوذ باللہ العظیم من غضب حبیبہ الکریم۔ نعم ما قال

مرا تو قبلۂ دینی ازاں سبب گفتم بمردماں کہ لکم دینکم ولی دینی

کجا بود اشہب کجا تافتم۔ میں کہاں تھا اور کہاں چلا گیا۔ ہاں میں امام الہمام کا مسلک اہل فطرت کے متعلق بیان کر رہا تھا تو امام الہمام کا مسلک اہل فطرت کے متعلق بالتفصیل گذر گیا۔ اسی میں غور کرنا لازم ہے۔ اور امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ... کے مسلک میں تو تعذیب قطعاً ان لوگوں کے لئے نہیں جوکہ قبل از بعثت وفات پا گئے ہیں۔

اگرچہ صادر شدہ باشد ازو شرک و عبادت اصنام

حاصل مطلب فریق اوّل بطریق اوّل طرح

برادران ایمان ماتقدمہ تحریر سے آپ پر عیاں ہوا اور روزِ روشن کی چمک اٹھا اور کالشمس فی نصف النہار مجلی و مصفیٰ ہوا۔ اور کسی قسم کا شک و ریب باقی نہ رہا۔ کہ والدین ماجدین طیبین طاہرین سید کونین کو دعوتِ اسلام نہیں پہنچا اور انہوں نے شرک قطعاً نہیں کیا اور نہ ان سے شرک صادر ہونے کا امکان تھا۔ اور عبادتِ اصنام کا تو وہم ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تو بدیں تقریر والدین شریفین سرور کونین یقیناً ناجی ہیں۔ اور ان کے لئے تعذیب ہرگز نہیں اور ان کے لئے جنت واجب ہے۔

واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون۔ فالحق احق ان یتبع۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

واللہ الہادی اللہ ناصر کل صابر وباللہ التوفیق وہو نعم الرفیق

اللھم ثبت قدمایہ علی الحق یوم یتزلل الاقدام من الحق۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طریق دوم از فریق اوّل

یہ ہے کہ اس بات میں ذرّہ بھر شک و شبہ قطعاً نہیں کہ والدین ماجدین سید کونین یقیناً توحید و ایمان و دین حنیفہ پر قائم تھے جو کہ ان کے جدا مجد ابراہیم خلیل اللہ کا دین تھا۔ جیسے کہ اہل عرب میں سے ایک بڑا گروہ دین ابراہیمیہ حقہ پر قائم تھا۔ مثلاً زید بن عمر بن نفیل۔ ورقہ بن نوفل۔ قیس بن ساعدہ۔ عامر بن الظرب۔ ابوبکر صدیقؓ عبداللہ بن جحش۔ ابو قیس بن صرمہ۔ رباب بنت البراء۔ اسعد بن کریب حمیری ان کے علاوہ اور بھی بکثرت افراد دین ابراہیمیہ حقہ پر قائم تھے۔ [1]

تحقیق المرام

یہ کیسے معلوم ہوا کہ والدین شریفین دین حنفہ ابراہیمیہ پر قائم تھے۔

آگاہ ہو کہ اس مقصد کے اثبات کے لئے کئی وجوہ ہیں۔ جن وجوہات کا ذکر کیا ایک بہت بڑے طائفہ نے علماء ثقہ میں سے۔

ان علماء ثقہ میں سے ایک امام فخر الدین رازیؒ ہے کہ جنہوں نے اپنی کتاب "اسرار التنزیل و انوار التاویل" میں ذکر فرمایا ہے کہ والدین شریفین مطلقاً مشرک نہ تھے۔ بلکہ از عہد آدم علیہ السلام سرکار کونین کے آباؤ اجداد میں سے کوئی بھی مشرک نہ تھا۔ بلکہ از عہد آدم تمام مومن و موحد تھے اور یہ بات کہنا بھی صریح نادانی ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد ماجد نعوذ باللہ کافر تھے۔ کیونکہ آزر جس کا کفر نص قطعیہ سے ثابت ہے۔ وہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے والد نہ تھے بلکہ وہ تو آپ کے چچا تھے۔ اولوالعلم سے مخفی نہیں کہ یہ تو دعویٰ ہے کہ والدین ماجدین سید کونین از عہد آدم مومن تھے تو اس دعویٰ کے اثبات کے لئے دلائل لازم ہیں۔ تو صاحبو میں اس دعویٰ کو دلائل سے ثابت کئے دیتا ہوں۔

دلیل اوّل یہ ہے رب تعالیٰ اپنے کلام مقدس میں ارشاد فرماتا ہے۔ الذی یراک حین تقوم و تقلبک فی الساجدین (پارہ ۱۹ ع ۱۵) یعنی وہ ذات مطلق جو دیکھ رہا

---

[1] ان اسما کو فقیر نے اس کتاب سے اخذ کیا ہے تنقیح فہوم الاثرت فی التاریخ والسیرۃ۔ ابی الفرج عبدالرحمٰن بن علی الجوزی البغدادی متوفی ۵۹۷ھ کذا فی کشف الظنون۔

ہے آپ کو اے محمدؐ اس وقت کہ جب آپ نمازِ تہجد کے لئے ایستادہ ہوتے ہیں یا کسی اور عمل کے لئے اور نیز وہ ذات اعلم ساجدین میں یکے بعد دیگرے آپ کے تقلّب کو دیکھ رہا ہے ۔

معناہ انہ ینتقل روحہ صلی اللہ علیہ وسلم من ساجد الی ساجدٍ

یعنی نورِ سرورِ کائنات یکے بعد دیگرے ایک ساجد سے دوسرے ساجد کی طرف منتقل ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ خیر الساجدین کے یہاں ظہور میں آیا۔

اس آیت مبارکہ سے ثابت ہوا کہ سر اللہ الاعظم کے جمیع آباء (کانوا مسلمین) مسلمان تھے۔

وحینئذٍ یجب القطع بان والد ابراھیم علیہ السلام کان مسلماً۔ اور نیز اس توضیح کے بعد یقین کرنا پڑے گا کہ ابراہیم خلیل اللہ کے والد بزرگوار مسلمان تھے کیونکہ اگر مسلمان تسلیم نہ کیا جائے تو مفہوم آیات مبارک کی خلاف ورزی ہوگی تو لا محالہ یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ ابراہیم خلیل اللہ کے والد بزرگوار مسلمان تھے ۔

ایک شبہ کا ازالہ

..یہاں پر سوال وارد ہوتا ہے (وتقلبک فی السّاجدین) کے معنےؑ تو علماء کرام نے اور وجوہات سے بھی بیان فرمائے ہیں ۔ (وہو ہذا)

وجہ اوّل :- یہ ہے کہ جب شبِ اسریٰ رب تعالیٰ نے نمازِ پنجگانہ جناب سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وبارک وسلم پہ اور آپ کی امت پر فرض فرمائے ۔ اور قیام لیل جو کہ نمازِ خمسہ سے قبل آپ کے لئے اور امت کے لئے واجب تھا (وہو الاصح) تو جب یہ وجوبِ صلوٰتِ خمسہ سے منسوخ ہوا (یہ نمازِ تہجد تمام انبیاء سابقین پر واجب تھی) تو جس رات کو نسخ کا حکم نافذ ہوا تھا تو عین اسی رات حضور علیہ السلام نہاناً تمام اصحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم وعلینا کے دروازوں پر بذاتِ خود تشریف لے گئے صرف اس غرض کے لئے کہ چونکہ رات کا قیام نفس کے لئے بہت بڑا بوجھ ہے اور اب قیام تہجد کا حکم منسوخ ہو چکا ہے ۔ دیکھتا ہوں کہ اصحابہ رضائے الٰہی کے لئے کیا عمل کرتے ہیں ۔ آیا صلوات خمسہ کی فرضیت کی وجہ سے انہوں نے نمازِ تہجد کو ترک تو نہیں کیا ۔ اور تحقیق حضور اس لئے فرمانے لگے کہ چونکہ حضور کو اس بات کا شدید و کثیر حرص تھا کہ میری امت کے لوگ رضائے الٰہی کے لئے کثیر عملِ خیر کریں تاکہ قیامت

کے روز زیادہ رحمت کے مستحق ہو جائے۔

تو جب حضور نے اصحابہ کے گھروں کا طواف کیا فوجدھا کبیوت الزنابیر لما سمع لھا من دندنتھم بذکر اللہ وتلاوت القرآن پس پایا حضور نے اصحاب کے گھروں کو مثل زنبور کی رہائش گاہ کے کہ جیسے زنبور اپنے گھروں میں رات دن "دن دن" کرتے رہتے ہیں یعنی کسی وقت بھی اپنے عمل سے فارغ نہیں ہوتے اسی طرح حضور نے اپنے اصحاب کو ذکر و فکر میں اور تلاوتِ قرآن پاک میں مصروف پایا۔

تو اب آیت مبارک کا معنی یہ ہوا طوافہ صلی اللہ علیہ وسلم تلک اللیلۃ علی الساجدین یعنی تقلب سے مراد اس آیت مبارک میں اس رات کا طواف مراد ہے یعنی رب تعالیٰ آپ کے تردّد و تصفح کو متہجدین کے احوال معلوم کرنے میں دیکھ رہا ہے تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ حقیقت امر کیا ہے۔

وجہ دوم یہ ہے (ای تصرفك فیما بین المصلین الخ) کہ رب تعالیٰ نمازیوں میں آپ کے تصرف کو دیکھتا ہے۔ حالتِ قیام۔ رکوع۔ سجود۔ قعود میں کہ جب آپ ان نمازیوں کے لئے نماز پڑھائیں (فی السّاجدین) کا معنی اب یہ ہوگا (مع المصلین فی الجماعۃ) یعنی اس وجہ کے مطابق اصل معنے آیت مبارک کا یہ ہوا کہ اے حبیب رب تعالیٰ آپ کی اس حالت کو بھی دیکھتا ہے کہ جب آپ تنہا نماز کے لئے ایستادہ ہوتے ہیں۔ اور نیز اس حالت کو بھی دیکھتا ہے کہ جب آپ نمازیوں کے لئے جماعت فرماتے ہیں۔

وجہ سوم یہ ہے کہ جیسے حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے ارشاد فرماتے ہیں کہ (وتقلبك فی الساجدین کا معنی یہ ہے من نبی الی نبی حتی یخرجك نبیاً) یعنی ساجدین سے مراد اصلاب انبیاء عظام اور مرسلین ہیں کہ عہد آدم سے لیکر نوح و ابراہیم تک اور اس کے بعد یہاں تک کہ آپ نے نبوت کے ساتھ برج آمنہؓ سے طلوع و اجلال فرمایا۔ اور یہ روایت اس روایت کے منافی نہیں کہ جس میں یہ وارد ہے کہ آپ کے نسب مبارک میں تمام انبیاء عظام نہ تھے۔ کیونکہ اس روایت سے بھی یہی مراد ہے نا المراد وقوع کلا الانبیاء فی نسبہ اور نیز بدیں معنی علامہ ابو جعفر احمد بن محمد النحاس النحوی متوفی ۳۳۸ھ نے اپنی کتاب "معانی القرآن"

میں حضرت ابن عباس سے روایت فرمایا ہے
تلألأ فی جباہ الساجدین ∗ تنقل احمد نوراً عظیماً
تقلب فیھم قرناً فقرناً ∗ الی ان جاء خیر المرسلین (فافہم)

وجہ چہارم یہ ہے کہ تقلب فی الساجدین سے مراد تقلب بصر ہے کہ جیسا آپ حالت نماز میں نمازیوں کے کل حالات بغیر تقلب بصر کے جانتے ہیں۔ جیسے حدیث شریف میں سرکار کونین خود ارشاد فرماتے ہیں کہ اپنے رکوع و سجود کو تمام کرو کیونکہ میں پیچھے بھی ویسا ہی دیکھتا ہوں جیسا کہ سامنے کی جانب دیکھتا ہوں یعنی میرا دیکھنا یکساں ہے۔ بلا تقلب لحاظ ہر جانب میرے لئے دیکھنا برابر ہے۔

ان وجوہات اربعہ کے علاوہ اور بھی وجوہات ہیں لیکن اختصار کی وجہ سے ترک کرتا ہوں

حاصل شبہ

یہ ہوا کہ جب آیت مبارک میں اور بھی احتمالات موجود ہیں تو صرف احتمال مذکورہ بالا تقدیمہ پر عمل کرنا کیسے ممکن بلکہ تمام احتمالات پر عمل کرنا لازم۔ تو تمہارا یہ دعویٰ کہ حضور کے والدین ماجدین مسلمان تھے۔ ان دوسری وجوہات پہ منتقض ہوا۔

جواب

لفظ الآیۃ محتمل للکل۔ یعنی آیت مبارک کا ظاہر ان تمام وجوہات پر مشتمل ہے اور ترجیح موجود نہیں کہ ایک وجہ کو دوسری وجہ پر فوقیت ثابت ہو جائے۔ تو لا محالہ آیت مبارک کو تمام وجوہات پر حمل کیا جائے گا۔ اور جب آیت مبارک کو تمام وجوہات پر حمل کیا جائے تو ہمارا مدعا ثابت ہوا۔ کیونکہ جب تمام وجوہات پر عمل لازم ہوا۔ تو وجہ اول جو کہ سر اللہ الاعظم کے والدین ماجدین بلکہ جمیع آباؤ اجداد کے اسلام کے بارہ میں ہے اس پر بھی عمل لازم ہوا اور یہی ہے ہمارا مدعا۔

اس جواب سے ثابت و متیقن ہوا کہ جمیع آباؤ اجداد سر اللہ الاعظم یقیناً مسلمان ہیں اور انکے اسلام میں ذرہ بھر شک و شبہ نہیں (فافہم ولا تکن من الشاکین) واللہ الہادی۔ وباللہ التوفیق۔

دلیل دوم

اس دعویٰ کے اثبات کے لئے دوسری دلیل کہ جمیع آباء سر اللہ الاعظم مسلمان تھے۔ ایک

فرد کبھی ان میں سے مشرک نہ تھا۔ سرکار کونین کا وہ قول مبارک ہے کہ جیسے آپ نے خود ارشاد فرمایا ہے لم ازل انقل من اصلاب الطاہرین الی ارحام الطاہرات یعنی ہمیشہ کے لئے رب تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے میرے نور مطہرہ کو اصلاب مردان پاک میں ودیعت رکھا اور ان اصلاب پاک سے رحم پاک زنان میں منتقل فرمایا حتیٰ کہ میرا نور مطہر خیر المطہرین کے یہاں عالم ظہور میں آیا۔

فقیر غفرلہٗ کہتا ہے کہ قیل وقال کے لئے گنجائش بڑی ہوتی ہے۔ لیکن اہل ایقان کے لئے اس حدیث پاک سے روز روشن کی طرح واضح ومجلا ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جمیع آباء واجداد میں مطلقاً کوئی بھی مشرک نہ تھا۔ کیونکہ رب تعالیٰ اپنے کلام مقدس میں ارشاد فرماتا ہے انما المشرکون نجس یعنی مشرک پلید وناپاک ہوتے ہیں۔ اور حضورؐ نے صریح الفاظ میں ارشاد فرمایا کہ میرا نور مطہر پاک پشتوں سے پاک رحم وپاک پشتوں میں منتقل ہوتا رہا۔

نتیجہ ثابت ومتیقن ہوا کہ سر اللہ الاعظم کے جمیع آباء میں کوئی بھی مشرک نہ تھا۔ تمام مسلمان تھے۔ اور جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ سر اللہ الاعظم کے جمیع آباء مسلمان تھے تو ساتھ ساتھ یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ آذر جس کا کفر وشرک ثابت ہے حضرت ابراہیم کے والد نہ تھے۔ بلکہ یہ جزم کرنا پڑیگا کہ حضرت ابراہیم کے والد بزرگوار ایک اور انسان تھے جس کا نام تارح تھا۔ انتہی کلامہٗ

فقیر کہتا ہے کہ یہاں تک امام کی تقریر تھی جو مختصر کر کے آپ کے سامنے پیش کی گئی اور اس تقریر سے امام کی جلالت درتبہ عیاں ہوا کیونکہ آپ امام اہل سنت ہیں اور اپنے زمانہ میں مبتدعان کے مقابل کھڑے تھے۔ اور مذہب اشاعرہ کے ناصر ومددگار تھے اور امام وہ عالم باعمل ہیں کہ رب تعالیٰ نے آپ کو مائتہ سادسہ میں تجدد دین مبین کے لئے مبعوث فرمایا اور سرکار کونین کے آباء کی شان میں آپ کا عقیدہ وہ ہے جو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ فاعلم۔ اور مثل کلام امام فخر الدین رازی کی تصریح فرمائی ہے امام ماوردی صاحب حاوی کبیر نے جو کہ کبار ائمہ شافعیہ میں سے ہیں وان کنت طالباً فل یرجع هناك ۔ اور امام جلال الدین سیوطی نے اپنی تصانیف میں امام فخر الدین رازی کا قول مبارک نقل کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میرے نزدیک اس مسلک کی تائید کے لئے کہ جس پر امام فخر الدین رازی جزم

ط۱ قاضی ابو الحسن علی بن محمد الماوردی البصری الشافعی متوفی ۴۵۰ھ اور یہ کتاب نہیں جلدوں میں ہے فروع مذہب میں بہترین کتاب ہے۔ منہ غفرلہٗ کذا فی کشف الظنون۔

کر چکے ہیں تین وجوہ ہیں۔
فقیر حقیر غفر اللہ لہ، ولوالدیہ ولجمیع احبابہ کہتا ہے کہ امام جلال الدین سیوطی نے تین وجوہات کے متعلق ارشاد فرمایا ہے تو اگر ان وجوہات کا ماحصلہ ذکر نہ کیا جائے تو کلام بے مزہ رہ جائیگا دوسری جانب کتاب کے طویل ہو جانے کا بھی خطرہ ہے لیکن معتصماً باللہ ان وجوہات کو احباب کے فہم و ادراک کے لئے درج کرتا ہے، وباللہ التوفیق۔ دہو نعم الرفیق (واللہ نامر کل صابر) واللہ الہادی۔

وجہ اول از سیوطی

جان تو اے برادر عاشق (قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ) کہ وجہ اول و دوم ہر دونوں شامل ہے والدین ماجدین سرور کونین کو۔ اور وجہ سوم خاص ہے والدہ ماجدہ کے ساتھ اور نیز وجہ اوّل کی دلیل مرکب ہے دو مقدمہ سے۔

مقدمہ اوّل - بالتحقیق احادیث صحیحہ دلالت کرتے ہیں اس بات پر کہ سر اللہ اعظم کے والدین عہد آدم علیہ السّلام سے لیکر تا عہد والد سرور کونین اپنے اپنے زمانہ میں بہترین اہل زمانہ تھے لیکن میں طوالت کی وجہ سے ان حدیثوں کے ترجمہ کو ذکر کرتا ہوں اور ان کے متن کو ترک کرتا ہوں۔ اگر کسی طالب کو متن دیکھنے کی ضرورت ہو تو جس کتاب کا حوالہ ہو اس میں دیکھئے۔

حدیث نمبر ۱ - بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ فرمایا جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ کہ رب تعالیٰ نے مجھے ایسی قوم سے مبعوث فرمایا جو کہ افضل ترین قرون بنی آدم سے تھی۔ اور یکے بعد دیگرے ہر قرن میں۔ میں افضل قرن سے افضل قرن کو منتقل ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ مبعوث ہوا میں اس قرن میں کہ جس کے اندر آج میں خود اپنی ذات پاک سے موجود ہوں۔

حدیث نمبر ۲ - ابو نعیم نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ فرمایا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ کہ رب العزت تبارک و تعالیٰ مجھے ہمیشہ کے لئے پاک پشتوں سے پاک رحموں میں مجھے منتقل فرماتا رہا۔ ایسے صاف و مصفیٰ رحم کہ جن کو ذات مطلق نے خود ازل سے صفائی اور تہذیب کامل عطا فرمائی تھی۔ اور نیز رب تعالیٰ جب دو قبیلوں میں سے ایک قبیلہ میں مجھے جدا فرماتا۔ تو کر دیتا خود ذات

مطلق مجھ کو ان دو قبیلوں میں سے بہتر قبیلہ میں سے۔

حدیث نمبر ۳ :۔ روایت کیا اس حدیث پاک کو مسلم اور ترمذی نے واثلہ بن الاسقع سے واثلہ بن اسقع نے ارشاد فرمایا۔ کہ فرمایا جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بیشک رب تعالیٰ نے افضل فرمایا اولادِ ابراہیم سے اسمٰعیل کو اور افضل فرمایا اولادِ اسمٰعیل سے بنی کنانہ کو۔ اور بنی کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے بنی عبد المطلب کو افضل فرمایا۔

والمصطفٰی من بنی عبد المطلب۔

اور حافظ ابو القاسم حمزہ بن یوسف البیہقی نے اس حدیث کو فضائل عباس میں حضرت واثلہ کی روایت سے بلفظہ و بدیگر الفاظ زائد روایت فرمایا ہے۔ نیز اس معنی کے مثل میں احادیث کثیرہ وارد ہیں۔ جن کو ذکر کیا ہے علماء ثقات نے۔ مثلاً ترمذی۔ طبرانی۔ طبقات۔ ذخائر العقبیٰ۔ مستدرک وغیرہ۔ اور امام جلال الدین سیوطی نے تمام احادیث کو بالتفصیل ذکر کیا ہے۔ لیکن میں نے صرف ان تین احادیث پر اکتفا کیا ہے۔ طلباً للاختصار

وان کنت طالباً فالیرجع الیہا۔ مسالک الحنفاء ص ۱۹ تا ۲۲ واللہ الہادی وباللہ التوفیق

مقدمہ دوم :۔ جان تو اے برادرِ دینی کہ بالتحقیق ثابت ہو چکا ہے۔ احادیث مطہرہ و آثار متبرک سے۔ کہ عہد آدم و نوح علیہما السلام سے لیکر تا عہد جناب سراللہ الاعظم ہر قرن و زمانہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے ایسے بندے اس دارِ دنیا میں موجود تھے۔ جو کہ سراً و علانیۃً اللہ جل مجدہٗ کی عبادت میں دل و جان سے معروف تھے۔ اور اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ کی احدیت کے قائل و معتقد تھے۔ اور ان مقدس انسانوں کی وجہ سے رب تعالیٰ اہل زمین سے آفات و بلیات دفع فرمایا کرتا تھا۔ اُن کے طفیل و برکت سے اہل زمین کو اپنے غضب سے معاف فرمایا کرتا تھا۔ اور اگر ایسے طاہر و پاکیزہ بندے ہر زمانہ میں نہ ہوتے تو یقیناً زمین و اہل زمین تمام ہلاک ہو جاتے۔ اور اسی طرح جناب سرورِ کونین کے تشریف لے جانے کے بعد تا قیامت رب تعالیٰ کے پاکباز بندے ہو کہ ظرفۃ العین رب تعالیٰ کے حکم محکم سے مطلقاً نافرمانی نہیں کریں گے۔ ہر زمانہ میں موجود رہینگے کیونکہ رب تعالیٰ کے یہ مقدس بندے عند اللہ اوتاد الارض ہیں اور انہیں کے طفیل رحمت برکت بارش وغیرہ احسانات رب تعالیٰ نازل فرماتا ہے اور اگر یہ مبارک

انسان ہر زمانہ و قرن میں نہ ہوں تو البتہ ضرور اہلِ زمین ہلاک ہو جائیں۔ اسی لئے رب تعالیٰ نے اپنے فضلِ خداوندی کے مطابق ایسے مقدس انسانوں کو ہر زمانہ میں پیدا فرمایا تاکہ اہلِ ارض کے لئے اُن کے انفاسِ مقدسہ سبب نجات ہو جائے۔

نکتہ: اسی حکمت کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب تاجدارِ عرب و عجم سر اللہ الاعظم کو اہلِ زمین میں تا قیامت رہنے کیلئے اختیار عطا فرمایا کیونکہ جب سرور کائنات صلّی اللہ علیہ وسلم کا وقتِ رفتن بدربارِ ذاتِ مطلق قریب آیا تو ذاتِ مطلق نے سیدنا جبرئیل علیہ السلام کو بدربارِ حبیب روانہ فرمایا کہ اے جبرئیل جاؤ میرے حبیب صلّی اللہ علیہ وسلم کو میرا اسلام پہنچا دو اور بعد از سلام میری جانب سے یہ حکم پہنچا دو کہ اے حبیب جنت کے مرغزار و باغات و محلات تمام کے تمام آپ کے لئے تیار فرمائے گئے ہیں۔ صرف آپ کی منشاء و مرضی کے مطابق عمل ہوگا۔ اگر آپ عالمِ علّیین میں تشریف لانا چاہیں تو عالمِ علّیین کُل کے کُل آپ کے لئے آراستہ ہیں جہاں آپ کا دل مبارک چاہے وہاں پر آپ قدم میمنت لزوم فرما دیں۔ اور اگر آپ تا قیامِ قیامت اپنی امت کے ساتھ زمین میں رہنا پسند فرمائیں تو یہ بھی آپ کی منشاء و مرضی پر ہوگا۔ تو جناب سر اللہ الاعظم نے تمام اہلِ ارض پر شفقت فرماتے ہوئے دنیا میں اپنی امت کے ساتھ تا قیامِ قیامت رہنا پسند فرمایا۔ بلکہ عقیدتِ فقیر یوں ہے سمجھ لینا کہ اگر سرور کائنات اور سرکار کے خاص غلام (جن کی طفیل سے یہ دنیا و مافیہا قائم ہے) اس دنیا میں نہ ہوتے تو البتہ ضرور یہ زمین سمندر کے اندر ڈوب جاتی اور اس کا نام و نشان تک نہ رہتا تو جب یہ دنیا باوجود عظیم مظالم و نافرمانی کے ابھی تک قائم ہے غرق و حرق نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ حضور بنفسِ نفیس خود اس میں موجود ہیں اور آپ کی برکت سے غرق و حرق سے محفوظ ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم۔

(شانِ حبیب) حکایت

ایک مرتبہ سیدنا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وعلینا کی خدمتِ اقدس میں ایک عیسائی آیا اور سوال کیا کہ جناب والا! ہماری تمام عیسائی قوم کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام مخلوقات سے افضل ہیں اور اہلِ اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت جناب

سرّاللہ الاعظمؐ تمام مخلوقات سے افضل ہیں۔ حالانکہ افضل وہی ہوسکتا ہے جو کہ مقامِ اعلیٰ وارفع میں ہو اور بساطِ قرب میں نہایت قریب ہو۔ اور اس بات کو اہل اسلام بھی قبول کرتے ہیں کہ حضرت عیلےٰ رُوح اللہ آسمانوں پر جاگزین ہیں اور سرورِ کائنات خاک کے اندر مدفون ہیں۔ بساطِ قرب و مقامِ اعلیٰ حضرت عیسیٰؑ کو حاصل ہے۔ محمد الرسول اللہ کو نہیں۔ تو اس لحاظ سے حضرت عیلےٰ رُوح اللہ جناب محمدؐ الرسول اللہ سے افضل ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ نے دو شعروں میں خوب جواب دیا ؎

کسے بگفت کہ عیلےٰ ز مصطفےٰ اَولاست ؛ کہ ایں بزیر زمین ست آں باوجِ سماست
بگفتمش کہ نہ ایں قول معتبر باشد ؛ حباب بر سرِ دریا، گہر تہِ دریاست

یعنی حضرت شاہ صاحب ممدوح فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک سائل نے آکر سوال کیا کہ حضرت عیلےٰ روح اللہ جناب سرورِ کائنات سے افضل ہیں۔ کیونکہ سرورِ کائناتؐ تو زمین کے اندر مدفون ہیں اور حضرت عیسیٰ روح اللہ اوجِ سما پر ہیں۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے اس سائل کو جواب دیا کہ تو غلط سمجھ رہا ہے تمہارا یہ قول معتبر و قابلِ قبول نہیں۔ کیونکہ یہ قانون ہے کہ ایک ہلکی چیز ہوا میں رہتی ہے اور بھاری چیز زمین پر پڑی رہتی ہے اور نیز حباب یعنی بُلبلہ ہمیشہ پانی کی سطح پر ہوا کرتا ہے لیکن گوہر بیش بہا ہمیشہ پانی کی تہ میں ہوتا ہے۔

خلاصہ جواب:۔ حضرت عیلےٰ کی مثال مثل بُلبلہ کے ہے اور بُلبلہ کی کوئی قدر و منزلت عندالمدبّرین نہیں ہوتی۔ لہٰذا عیلےٰ علیہ السلام کی فضیلت اس توجیہہ سے ثابت نہیں ہوتی اور اور گوہر شاہوار کی قدر و منزلت تمام اہل دانش سے پوشیدہ نہیں ہوتی۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مثل ایک دُرِّ یگانہ کے ہیں۔ وہ دُرِّ یگانہ کہ جس کی قیمت اسی ہزار قسم عالم میں نہیں اور جس طرح دُرِّ یگانہ کی فضیلت اہل کل عالم پر مخفی نہیں لہٰذا ویسے ہی سرکار کونین کی افضلیت بھی اہل دانش پر مخفی نہیں۔

اس کے بعد شاہ صاحب نے ایک ترازو منگوایا۔ اور ایک جانب آپ نے وزن پاؤ رکھا اور دُوسری جانب وزن سیر رکھا اور ترازو کو اٹھایا۔ سیر والا پلڑا زمین پر رہا اور پاؤ

ہوگا میں بلند ہوا اور سائل سے آپ نے فوراً ارشاد فرمایا کہ بتا ان دونوں وزنوں میں قیمت کس وزن کی زیادہ ہے
سائل نے عرض کی سیر کے وزن کی قیمت زیادہ ہے۔ حضرت شاہ صاحب ممدوح نے ارشاد فرمایا بس یہی مثال ہے حضرت عیسٰے روح اللہ اور جناب سر اللہ الاعظم کی فضیلت کی۔ فافہم۔

عزیزانِ من۔ میں کہاں تھا۔ اور کہاں چلا گیا۔ ہاں میں مقدمہ دوم کے متعلق بیان کر رہا تھا۔ مقدمہ دوم کی ابتدا میں جن کلمات کو بطور دعوے پیش کیا گیا ہے ان کے اثبات کے لئے چند احادیث مبارک بطور دلیل پیش کرتا ہوں۔ تاکہ مفہوم کی وضاحت میں شک و شبہ مطلقاً نہ رہے۔

واللہ الہادی

اللہ ناصر کل صابرٍ

و باللہ التوفیق

حدیث نمبر۱۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہر زمانہ و دہر میں لامحالہ ساٹھ افراد یا زیادہ مسلمان ضرور ہونگے اور اگر یہ افراد مسلمان ہر زمانہ و قرن میں نہ ہوں تو البتہ ضرور زمین اور جو کچھ زمین پر ہے۔ ہلاک و برباد ہو جائے گا۔

یہ حدیث مبارک بشرطِ شیخین بالکل صحیح ہے۔ اور ایسی گفتگو از روئے قیاس و فکر نہیں کی جاسکتی تو یقیناً اس حدیث مطہرہ کو مرتبہ مرفوع حدیث کا دیا جائے گا۔

حاصل حدیث :۔ اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ ہر زمانہ و دہر میں مسلمان ضرور ہوتے ہیں۔ ذکر کیا اس حدیث کو ابن منذر نے اپنی تفسیر میں اسحاق بن ابراہیم الدبری سے اور اُس نے مصنّف عبدالرزاق بن ہما سے۔ کما فی تہذیب التہذیب۔

حدیث نمبر۲۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ مبارک کے بعد زمین ساٹھ افراد مومنین سے مطلقاً خالی نہیں رہی۔ اور ان ساٹھ افراد مؤمنین کی طفیل رب تعالیٰ اہل زمین سے آفات و بلیات دفع فرماتا رہا اور اس حدیث مبارک کا بھی حکم حکم حدیث مرفوع ہے۔ کما سبق۔

روایت کیا اس حدیث مبارک کو امام احمد بن حنبل نے زہد میں اور خلال نے کرامات الاولیا میں۔ اور یہ حدیث صحیح ہے بشرطِ شیخین۔

حاصل حدیث :۔ تو اس حدیث مبارک سے بھی ثابت ہوا کہ ہر زمانہ و دہر میں مسلمان ضرور ہوتے ہیں۔ خذ ہذا۔

حدیث نمبر ۲۱۔ حضرت مجاہد سے روایت ہے ارشاد فرماتے ہیں کہ ہمیشہ کے لئے زمین پر سات افراد یا زیادہ مسلمان ضرور رہتے ہیں۔ اگر یہ پاکباز انسان زمین پر ہر قرن و زمانہ میں نہ ہوتے تو البتہ زمین اور جو کچھ اس پر ہے تمام ہلاک ہو جاتے۔ اس لئے ان مسلمانوں کا ہر قرن و زمانہ میں زمین پر ہونا ضروری ہے۔

روایت کیا اس حدیث یا اثر کو جندی نے فضائل مکہ مکرمہ میں۔ اور مثل اس حدیث کے روایت کیا ازرقی[1] نے تاریخ مکہ مکرمہ میں زہیر بن محمدؒ سے۔

اور اسی معنی میں آثار کثیر وارد ہیں لیکن میں ان سب کو اختصار کے لئے ترک کرتا ہوں اور عمل کے لئے اتنا بیان کافی ہے۔ (مسالک الحنفاء صـ۲۲ دکن)

نتیجہ:۔ جب ہر دونوں مقدمات بیں قرآن ثابت کیا جائے تو ہر دونوں مقدمات سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ قطعاً و یقیناً رسول اللہ الاعظم کے آباء میں بالکل مشرک نہ تھے۔ بلکہ تمام مسلمان تھے۔ کیونکہ ما تقدمہ تقریر سے آپ پر عیاں ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے آباء اپنے اپنے قرن میں بہترین قرن خود تھے۔ پس اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ وہ افراد انسانی جو کہ بہترین اہل زمانہ خود تھے وہی حضور علیہ السلام کے آباء تھے۔ (فہو المدعا) اس تسلیم سے ہمارا مدعا ثابت ہوا اور اگر اس بات کو تسلیم نہ کیا جائے کہ حضور کے آباء بہترین اہل زمانہ خود تھے تو اس بات کی نقیض تسلیم کرنی پڑے گی یعنی حضور کے آباء بہترین اہل زمانہ خود نہ تھے بلکہ مشرک تھے۔ نقیض کے تسلیم کرنے میں دو امر سے عظیم استحالہ لازم آئیگا (وہو ہٰذا)

امر (۱) کہ باشد مشرک بہتر از مسلم۔ یہ کہ مشرک مسلمان سے بہتر ہو جائے اور یہ بات باجماع امت بالکل باطل ہے کیونکہ تمام ائمہ اسلام کا متفقہ عقیدہ ہے کہ مسلمان مشرک سے افضل ہے۔ بالنص قرآنیہ سے بھی باطل ہے۔ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ولعبد مؤمن خیرٌ من مشرک یعنی عبد مومن عند اللہ مشرک سے افضل و بہتر ہے۔

امر (۲) و یا آنکہ باشد غیر از ایشاں بہتر از ایشاں۔ یا یہ استحالہ لازم آئیگا کہ حضور علیہ السلام کے آباء سے غیر انسان افضل و بہتر ہو جائیں اور اس بات کا تسلیم کرنا بالکل باطل ہے کیونکہ یہ بات

[1] ھو الامام ابو الولید محمد بن عبد الکریم الازرقی متوفی ۲۲۳ھ کذا فی کشف الظنون۔

احادیثِ صحیحہ سے بالکل خلاف ہے ۔ کیونکہ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ سرالله الاعظم کے آباء بہترین اہل زمانہ خود تھے ۔

حاصلِ نتیجہ پس اس بات کا تسلیم کرنا قطعاً واجب ہے کہ سرالله الاعظم کے آباء مسلمان تھے اور بہترین اہلِ زمانۂ خود تھے ۔ تو سرالله الاعظم کے آباء کو مسلمان اور بہترین اہلِ زمانۂ خود تسلیم کرنیسے دونوں استحالے جاتے رہتے ۔

عقیدہ حقّہ :۔ اس لئے عقیدہ حقّہ قلب وزبان سے یہ ہے کہ سرالله الاعظم کے آباء مسلمان و بہترین اہل زمانہ خود تھے ۔ فافہم ۔ خذ ہٰذا فانہٗ ادق الدقائق ۔

واللہ الہادی ۔ وباللہ التوفیق ۔ وہو نعم الرفیق ۔ اللہ ناصر کل متوکّل

وجہ دوم (از سیوطی)

آگاہ ہو کہ امام فخر الدین رازیؒ جیسے ارشاد فرما چکے ہیں کہ جمیع آباء سرالله الاعظم توحید و اسلام پر قائم تھے ۔ امام اجل سیوطی ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک صراحت احادیث سے ظاہر و مبین ہے کہ یقیناً سرورِ کونین کے آباء موحد و مسلمان تھے ۔

فقیر کان اللہ لہٗ کہتا ہے کہ امام اجل سیوطی نے اپنے رسائل میں دراز تقریر فرمائی ہے لیکن مَیں اس کو مختصر کر کے آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں تاکہ کتاب کی درازی کا باعث نہ ہو جائے ۔

اولو العلم پر واضح ہو کہ حضور علیہ السلام کے آباء شریفہ جو کہ عہدِ آدم سے لے کر عہدِ نوح علیہما السلام تک گزرے ہیں ۔ ظاہر ہوتا ہے اسلام اُن کا ان احادیث سے جن کو روایت کیا ایک جمِ غفیر نے اہلِ علم سے ۔ مثلاً :۔

(۱) بزار نے اپنی مسند میں ۔ (۲) ابن جریج (۳) ابن منذر ۔ (۴) ابن ابی حاتم ہر ایک نے اپنی اپنی تفسیر میں اور نیز حاکم نے اپنی مستدرک صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس آیت مبارک کی تفسیر میں روایت کیا ہے ۔ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ۔ کان الناس امۃً واحدۃً فبعث اللہ النبیین حضرت ابن عباس ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت آدم و نوح علیہما السلام کے درمیان دس قرن تھے ۔ اور تمام دین حق و السلام پر قائم تھے ۔ اور توحید رب تعالیٰ کے قائل تھے ۔ اور اپنی زندگی احکام حقّہ کے مطابق گذارتے تھے اور شریعت مبعوثہ کے مطابق عمل کرتے تھے ۔ دسویں قرن کے آخر میں اُن کے درمیان اختلاف

واقع ہوا۔ پس رب تعالیٰ نے اُن کی جانب انبیاء عظام مبعوث فرمائے (انتہیٰ)
اور نیز ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں روایت کیا ہے۔ حضرت قتادہ سے۔ حضرت قتادہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم سے ذکر فرمایا گیا ہے کہ حضرت آدم و نوح علیہما السلام کے درمیان دس قرن تھے۔ اور یہ تمام ہدایت پر قائم تھے اور شریعت زمانہ کے مطابق عمل کرتے تھے۔ اور توحید و اسلام پر قائم تھے۔ پھر آخیر میں ان کے درمیان اختلاف واقع ہوا تو رب تعالیٰ نے اُن کی ہدایت کے لئے حضرت نوح علیہ السّلام کو مبعوث فرمایا اور حضرت نوح اوّل پیغمبر ہیں جو اہل زمین کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمائے گئے ہیں۔ (انتہیٰ)
اور نیز ابن سعد نے اپنے طبقات میں حضرت ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ فرمایا ابن عباسؓ نے کہ حضرت آدم و نوح علیہما السّلام کے درمیان جو حضور علیہ السّلام کے آباء شریفہ تھے۔ تمام مسلمان تھے۔ توحید و شریعت پر قائم تھے (انتہیٰ)
اور اسی مضمون کے مؤیّد بکثرت آثار ہیں۔ جن کو ذکر کیا امام اجل سیوطی نے۔ و ما دریں جا بہ ہمیں قدر اکتفا می کنیم۔
اور نیز رب تعالیٰ اپنے مقدس کلام میں ارشاد فرماتا ہے کہ حضرت نوح نے ہمارے دربار مقدسہ میں یوں دعا کی۔ رب اغفرلی ولوالدی۔ اے پروردگار عالم مجھے اور میرے والدین کو معاف فرما۔ اور معافی نہیں مانگتے انبیاء عظام مگر مسلمان کے لئے۔ مشرک کے لئے نہیں۔
رہا یہ سوال کہ معافی گناہ سے مانگی جاتی ہے۔ اور انبیاء کرام گناہگار نہیں ہوتے۔ اس کا جواب کئی وجوہ سے ہے۔ مطولات میں دیکھو۔

حاصل کلام

پس ان تمام آثار مذکورہ بالا سے ثابت و متحقق ہوا۔ کہ حضرت آدم و نوح علیہما السلام کے مابین جو سراللّٰہ الاعظم کے آباء شریفہ گذرے ہیں۔ وہ تمام حتماً مسلمان تھے۔ اب نوح علیہ السلام سے بعد کا زمانہ رہا۔ تو اس کی توضیح یوں سمجھ لینا کہ حضرت نوح علیہ السلام کا صاحبزادہ سام مومن تھا باجماع اُمّت و نص قرآن۔ کیونکہ وہ اپنے باپ کے ساتھ سفینہ میں نجات پا چکا تھا اور نہیں نجات پا یا کشتی میں مگر مؤمنین نے۔ ثابت ہوا کہ سام بن نوح مومن تھا۔ بلکہ

بعض روایات میں موجود ہے کہ سام بن نوح پیغمبر تھا جیسے ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں لکھی ہے روایت کیا ہے۔ نیز ابن سعد نے طبقات میں۔ اور زبیر بن بکار نے موفقیات میں بھی روایت کیا ہے۔ اور ارفخشد بن سام بن نوح بھی یقیناً مومن تھا۔ جیسے کہ روایت کیا ابن عبد الحکم نے اپنی تاریخ میں مضمر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اور اسی کتاب میں یہ بھی ہے کہ ارفخشد نے اپنے جد نوح علیہ السلام کو پایا تھا اور نوح علیہ السلام نے اُن کے لئے دعا بھی مانگی تھی کہ اے پروردگار عالم نبوت و مملکت ارفخشد کی اولاد میں اخیر تک قائم فرما۔ اس سے ثابت ہوا کہ ارفخشد مومن تھا۔

اب ارفخشد کی اولاد کے متعلق سن لیجئے کہ ان کا کیا حال تھا۔ با تحقیق ثابت ہو چکا ہے کہ ہبوط کے بعد تا زمانہ نمرود بن کوش بن کنعان بن حام بن نوح تک تمام انسان جو اس قرن میں تھے تمام مومن تھے۔ جیسا کہ ابن سعد نے اپنے طبقات میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب نوح علیہ السلام کشتی سے اترے تو آپ کے ساتھ اسّی افراد تھے۔ نوح علیہ السلام نے اُس مقام میں کہ جہاں کشتی سے اُترے تھے یا اس کے قرب و جوار میں ایک قریہ بنایا اور چونکہ آپ کے ساتھ کل اسّی افراد تھے تو آپ نے ہر ایک کے لئے ایک ایک مکان بنایا۔ ازیں سبب وہ قریہ "سوق ثمانین" کے نام سے مشہور ہوا۔ رفتہ رفتہ ان لوگوں کی نسل بڑھتی گئی یہاں تک کہ سوق ثمانین کا قریہ ان لوگوں پر تنگ ہوا تو انہوں نے وہاں سے زمین بابل کی طرف انتقال کیا اور وہاں بھی انہوں نے ایک شہر بنا کر کیا یہاں تک کہ پھر بہت زیادہ ہو گئے اور بعض روایات کے مطابق ان کی تعداد ایک لاکھ تک ہو گئی۔ اور تھے یہ تمام لوگ دین اسلام پر۔ یہاں تک کہ بادشاہ ہوا ان لوگوں پر نمرود بن کوش بن کنعان بن حام بن نوح۔ تو جب یہ شخص ان لوگوں پہ بادشاہ ہوا تو اس نے بُت بنوائے اور لوگوں کو بُت پرستی کی طرف راغب کیا اور ان لوگوں نے اسکی اطاعت کی اور بتوں کی عبادت شروع کر دی۔ انتہیٰ۔

حاصل اثر

اس تحقیق سے یہ معلوم ہوا کہ والدین شریفین سید کونین حضرت آدم کے زمانہ مبارک سے لیکر تا زمانہ نمرود یقیناً مومن تھے۔ اور نمرود کے زمانہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے اور آذر

بھی اسی زمانہ میں تھا۔ جس کے کفر پر نص قطعیہ وارد ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

سوال وارد ہوتا ہے کہ آذر جس کا کفر منصوص علیہ ہے اور یہ آذر سلسلہ نسب سر اللہ الاعظم میں ہے۔ اس لئے کہ آذر حضرت ابراہیم کا والد ماجد ہے تو کیسے صحیح ہو سکتا ہے قول امام فخر الدین رازی کا کہ جمیع آباء سر اللہ الاعظم عہد آدم علیہ السلام سے تمام مومن تھے اور ان میں سے کوئی بھی مشرک نہ تھا۔

جواب شبہ

جان تو اے برادر عزیز کہ آذر کے حال میں علماء کرام کا اختلاف ہے کہ آیا آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد ماجد تھا یا نہیں۔ امام فخر الدین رازی ارشاد فرماتے ہیں کہ قول ارجح آنست کہ آذر عم ابراہیم بود نہ پدر او۔ یعنی امام فرماتے ہیں کہ آذر کے حال میں اگرچہ علماء کا اختلاف ضرور ہے لیکن قول مقتابہ وارجح یہ ہے کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد ماجد نہ تھے بلکہ چچا تھے۔ نیز امام اجل و عالم نبل جلال الدین سیوطی ارشاد فرماتے ہیں کہ ایں قول مرویست از جامعہ سلف۔ یعنی امام فخر الدین رازی کا ارشاد عالیہ کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد ماجد نہ تھے بلکہ چچا تھے۔ یہ قول سلف الصالحین میں سے ایک بہت بڑی جماعت نے روایت کیا ہے۔

فقیر غفر اللہ القدیر کہتا ہے کہ قبل اس کے کہ میں ان روایات کو اپنے مدعا کے اثبات کے لئے بطور سند پیش کروں پہلے اپنے اس مدعا کو آیات بینات سے ثابت کرتا ہوں کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد ماجد نہیں بلکہ چچا ہے۔

رب تعالیٰ اپنے مقدس کلام میں ارشاد فرماتا ہے واذ قال ابراھیم لابیہ آذر یعنی اس آیت مبارک سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم نے آذر کو غلظت اور جفا سے مخاطب فرمایا و معنا فھذا الاب بالجفا لا تجوز الباپ کو زجر و توبیخ کے الفاظوں سے مخاطب کرنا جائز نہیں۔ اور جب ابراہیم خلیل اللہ نے غلظت و جفا سے آذر کو مخاطب کیا تو اس خطاب سے معلوم ہوا کہ آذر خلیل اللہ کے والد ماجد نہیں تھے۔ اور اگر والد ہوتے تو پیغمبر خدا زجر و توبیخ نہ فرماتے۔

نتیجہ :۔ ثابت ہوا کہ آذر حضرت خلیل اللہ کے والد ماجد نہیں تھے ۔ اور میں نے یہ بات کیوں کہی کہ حضرت ابراہیم نے اس آیت مبارک میں آذر کو غلظت و جفا سے مخاطب فرمایا ہے دو وجہ سے ۔

وجہ اوّل واذ قال ابراھیم لابیہ آذر اگر آذرؑ پر ضمہ پڑھا جائے تو یہ ندا پر محمول ہو جائیگا اور باپ کو اسم اصلی کے ساتھ ندا کرنا یہ جفا کے انواع میں سے ایک عظیم نوع ہے ۔

وجہ دوم یہ ہے کہ ابراہیم خلیل اللہ نے فرمایا انی اراک وقومک فی ضلال مبین کہ میں تم کو اور تمہاری قوم کو ظاہراً ضلالت میں دیکھ رہا ہوں ۔ اور یہ تمام الفاظ زجر و توبیخ کے الفاظ ہیں ۔ اور یہ بھی جفا کی انواع میں سے ایک عظیم نوع ہے ۔

نتیجہ فثبت انہ علیہ السلام شافہ آذر بالجفاء ثابت و کائن ہوا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے آذر کو جفا کے ساتھ مخاطب فرمایا ہے نہ کہ اپنے والد ماجد کو ۔ معلوم ہوا کہ آذر خلیل اللہ کے والد ماجد نہیں ۔ اور میں نے یہ بات کیوں کہی کہ والد کو بلفظ جفا مخاطب کرنا جائز نہیں (لوجوہٍ)

وجہ اوّل :۔ رب تعالیٰ اپنے کلام مقدس میں ارشاد فرماتا ہے ۔ وبالوالدین احسانا یعنی اے انسان تیرے رب نے تیرے حق میں یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ مطلقاً میرے علاوہ کسی کی عبادت نہ کر ۔ عبادت خاص میرے لئے ہے ۔ میری ہی عبادت کر ۔ اور اپنے والدین ماجدین کے ساتھ کامل احسان کر ۔ اور احسان کا حکم عام ہے والدین کافر ہوں یا مومن ، دونوں کے لئے یہی حکم ہے ۔

نتیجہ :۔ معلوم ہوا کہ والدین کو سخت الفاظ کہنا جائز نہیں ۔ بلکہ احسان و مدارا لازم ہے ۔

وجہ دوم :۔ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ولا تقل لھما اُفٍ ولا تنھرھما یعنی اپنے والدین کو اُف تک مت کرو اور جھڑکو بھی مت ۔ اور یہ حکم بھی عام ہے اَبِ کافر و مومن دونوں کے لئے شامل ہے ۔

نتیجہ ۔ ثابت ہوا کہ والدین مومن ہوں یا کافر ۔ دونوں کو زجر و توبیخ جائز نہیں ۔

وجہ سوم :۔ یہ ہے کہ جب رب تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ السلام کو فرعون کی جانب رسول بنا کر مبعوث فرمایا تو ذاتِ مطلق نے حضرت موسےٰ علیہ السلام سے ارشاد فرمایا کہ جب آپ مصر میں (فرعون علیہ ما علیہ) کے پاس احکام رسالت کے پہنچانے کے لئے تشریف لے جائیں تو فقولا لہ قولاً لینا لعلہ یتذکر او یخشیٰ تو فرعون کے ساتھ ہمکلام

ہونے کے دوران فرعون کے ساتھ نرم و شیریں کلام فرمایا کرے۔ شاید اس نرمی و حلیمی کی وجہ سے
فرعون پر تاثیر ہو جائے اور وعظ و تذکیر کی وجہ سے ڈر کر میری احدیت کا قائل ہو جائے۔
سبب کیا۔ فرعون کے ساتھ نرمی و حلیمی کے ساتھ کلام کرنے میں سبب کیا تھا۔ یعنی رب تعالیٰ نے
فرعون کے ساتھ نرم کلام کرنے کا حکم کیوں فرمایا۔ اس لئے کہ پیغمبر خدا پر فرعون کا حق تربیت تھا
اور خورد سالگی کے زمانہ سے لیکر شباب کے زمانہ تک فرعون کی پرورش میں رہے اور اسی پرورش
کی وجہ سے تو کلیم اللہ بادشاہ زادہ مشہور ہو گئے۔ اور حق پرورش عند اللہ یہی ہے کہ پرورش
کنندہ کے ساتھ حق مدارا رکھا جائے۔ اور کوئی لفظ زجر و توبیخ کا اس کی شان میں استعمال نہ
کیا جائے۔ اس لئے کلیم اللہ کو حکم محکم صادر ہوا فقولا لہ قولا لینا۔
نتیجہ۔ ثابت و متحقق ہوا کہ واقعہ کلیم میں صرف حق تربیت ہے۔ حق والدیت نہیں
اور ذات مطلق رفق کا حکم نافذ فرماتا ہے۔ اور واقعۂ خلیل میں تو حق والدیت موجود ہے تو بہار
بطریق اولیٰ رفق و مدارا لازم تھا۔ حالانکہ خلیل کی زبان مبارک سے رفق کی بجائے زجر و توبیخ کے الفاظ
آذر کی شان میں صادر ہو رہے ہیں۔
حاصل نتیجہ:۔ ثابت و کائن ہوا کہ آذر خلیل اللہ علیہ السلام کے والد ماجد نہیں۔ فاعلم۔
وجہ چہارم:۔ یہ ہے کہ انبیاء عظام دعوت الی اللہ کے لئے مامور ہیں۔ اور دعوت میں
شرط اعظم رفق و حلم ہے۔ کیونکہ رفق سے قلوب معرضین پر اثر زیادہ ہو سکتا ہے بنسبت تغلیظ کے کیونکہ
سے بُعد و تنفیر کا خطرہ یقیناً ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے تو رب تعالیٰ نے اپنے حبیب سر اللہ الاعظم
کو رفق و حلم کی تاکید فرمائی۔ وجادلھم بالتی ھی احسن یعنے اے حبیب معرضین کے
ساتھ احسن طریق سے مجادلہ کر اور دعوت الی اللہ میں نرمی و حلیمی سے کام لو۔
نتیجہ۔ تو جب دعوت الی اللہ میں سر اللہ الاعظم کو تمام کافروں کے ساتھ نرمی کا حکم محکم
ہو چکا ہے۔ تو کیسے لائق ہو سکتا ہے ابراہیم خلیل کے ساتھ خشونت اپنے والد ماجد سے۔
حاصل نتیجہ۔ ثابت و متحقق ہوا کہ آذر حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے والد ماجد نہیں۔
وجہ پنجم۔ یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے حضرت خلیل کی شان میں ارشاد فرمایا ان ابراھیم
لحلیم اواہ یعنی حضرت ابراہیم کو میں نے اپنے فضل و کرم سے حلیم پیدا فرمایا ہے۔

نتیجہ ۔ تو جب ابراہیم خلیل کو رب تعالیٰ نے خود حلیم فرمایا تو پھر ایک حلیم و بردبار انسان کو کیسے لائق و مناسب ہے کہ اپنے والد ماجد کو زجر و توبیخ کرے ۔

حاصل نتیجہ ۔ ان مذکورہ بالا وجوہات سے ثابت و روشن ہوا کہ آذر جس کا کفر منصوص علیہ ہے وہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا والد ماجد نہیں بلکہ چچا ہے ۔ اور آپ کے والد ماجد کا نام تارح تھا ۔ وہ یقیناً مسلمان تھا ۔ قال الزجاج لا خلاف بین النسابین ان اسمہ کان تارح (تکملہ وکبیر)

سوال

جب یہ امر مسلّم ہے کہ حضرت ابراہیم کا والد ماجد آذر نہیں ۔ تارح ہے تو قرآن پاک میں لفظ ابؔ کیوں وارد ہوا ۔

جواب ۔ لفظ آذر میں اور اس کی تحقیق میں علماء کرام دراز گفتگو فرماتے ہیں ۔ لیکن میں بوجہ اختصار ترک کرتا ہوں ۔ مطولات میں دیکھو ۔ خصوصاً کبیر ۔ بحر العلوم وغیرہ ۔ یہاں صرف اتنا بیان کرنا چاہتا ہوں العم قد یطلق علیہ اسم الاب کہ کبھی کبھی "عمؔ" پر بھی "ابؔ" کا لفظ کلام عرب میں واقع ہوا کرتا ہے اور ایسی کئی مثالیں دی جا سکتی ہیں مثلاً رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے قالوا نعبد الٰھک والٰہ آبائک ابراھیم واسمٰعیل واسحاق ۔

یعنی جب مصر میں حضرت یعقوب علیہ السّلام کا وقتِ رحلت عند اللہ قریب آیا تو آپ نے اپنی اولاد کو جو وہاں آپ کے پاس تھی بلایا اور ان سے بطور امتحان دریافت فرمایا کہ میرے انتقال کے بعد تم کس معبود کی عبادت کرو گے ۔ کیونکہ مصر میں کواکب پرستی وغیرہ تمام قسم کے باطل ادیان کے پجاری موجود ہیں ۔

تمام اولادِ یعقوب نے جواباً عرض کی کہ اے ہمارے والد ماجد ہم آپ کے تشریف لیجانے کے بعد آپ کے اور آپ کے آباء کے خدا کی عبادت کریں گے اور دینِ حنیفہ سے منحرف نہ ہوں گے ۔

حاصل جواب ۔ دیکھا آپ نے ! اس آیت مبارک سے صاف ظاہر ہوا کہ حضرت

اسمٰعیل حضرت یعقوب کے والد ماجد نہیں بلکہ چچا ہیں۔ اور قرآن پاک میں لفظ "اب" واقع ہوا ثابت ہوا کہ لفظ "آب" کبھی کبھی "عم" کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح واقعہ خلیل میں بھی لفظ "آب" "عم" کے لئے واقع ہوا۔ فافہم۔

مثال آخر

بعض واقعات میں اصحابہ بحکم سرکار کونین کسی مہم کے لئے جا رہے تھے اور حضرت عباس بھی ان کے ساتھ تھے۔ سرکار کونین نے حضرت عباس کو کوئی بات سمجھانی تھی حکم فرمایا۔ (رُدّوا علیّ آبی) یعنی عم عباس کو میری طرف واپس لوٹا دینا۔

دیکھا آپ نے حضور چچا کو "آب" فرما رہے ہیں۔ ثابت ہوا "اُب" کا لفظ چچا پر بولا جانا کلام عرب میں شائع و ذائع ہے۔ اسی طرح واقعہ خلیل میں بھی اُب کا لفظ چچا پر بولا گیا ہے۔

احتمال آخر

نیز یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ آذر حضرت ابراہیم خلیل کی والدہ ماجدہ کا باپ تھا۔ اور نانا کو بھی کبھی کبھی باپ کہہ دیتے ہیں۔ جیسے رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے "ومن ذریتہ داؤد و سلیمان۔ الایہ اخیر حضرت عیسٰی تک" اس آیت مبارک میں رب تعالیٰ نے حضرت عیسٰی روح اللہ کو حضرت ابراہیم خلیل کی اولاد میں شمار فرمایا۔ حالانکہ حضرت ابراہیم خلیل حضرت عیسٰی روح اللہ کے جدِ امجد ہیں ماں کی جانب سے۔ تو اس احتمال سے ثابت ہوا کہ اُب کا لفظ کبھی نانا پر بھی بولا جاتا ہے۔

نتیجہ۔ ثابت و متیقن ہوا کہ آذر حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا والد ماجد نہیں بلکہ چچا یا نانا ہے۔ اور آپ کے والد ماجد کا نام تارخ تھا۔ اور وہ یقیناً مومن تھا۔ تو اس تقریر کے تسلیم کرنے پر امام کا قول کہ حضور علیہ السّلام کے والدین ماجدین ہیں تا عہد آدم کوئی بھی مشرک نہ تھا ثابت ہوا کما لا یخفیٰ علی المحقق۔

واللہ الہادی   وباللہ التوفیق۔   وہو نعم الرفیق   اللہ ناصر کل صابر

الحمد للہ کہ مَیں نے جیسے عہد کیا تھا کہ مَیں اس بات کو آیات بینات سے ثابت کرتا ہوں

کا ذکر حضرت ابراہیم خلیل کا والد ماجد نہیں بلکہ چچا ہے، کر کے دکھایا لیکن اس ضمن میں والدین کی عظمت کو بیان بھی ہوتا رہا۔ چاہتا ہوں کہ جواہر لآلی حدیث شریف سے والدین کی شان میں کچھ لکھوں۔ تاکہ اولالباب استفادہ حاصل کریں۔ اور خدمتِ والدین کے لئے کمر ہمت مستحکم کریں دھو اللہ المستعان وعلیہ التکلان

جواہرِ حدیث

ا۔ ما من ولد بنظر الی الوالد والی والدتہٖ نظر رحمۃ الا کان لہٗ بھا حجۃ وعمرۃ یعنی سرور کائنات علیہ التحیۃ والثناء ارشاد فرماتے ہیں کہ جنس انسان کے والدین حیات ہوں اور وہ اپنے والدین کو نظر رحمت وشفقت سے دیکھے تو رب تعالیٰ اس ولد کو ہر ہر نظر کے عوض میں حج وعمرہ مقبولہ کا ثواب عطا فرمائے گا۔

جب سرکارِ کونینؐ نے اس حدیث پاک کو بیان فرمایا۔ اصحابہ کی مجلس سے ایک آدمی ایستادہ ہوا۔ عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اگر ایک روز میں ایک ہزار مرتبہ بھی دیکھا جائے تو رب تعالیٰ ایسا ہی ثواب عطا فرمائے گا۔ سرکارِ کونینؐ نے جب اس سائل کے کلام کو سُنا تو جواباً فرمایا وان نظر فی الیوم مائۃ الف اگرچہ ایک دن میں ایک لاکھ مرتبہ دیکھے گا تو رب تعالیٰ حج وعمرہ مقبول کا ثواب عطا فرمائیگا۔ ویقبل رجل امہٖ تواضعاً

حکایت

استاذ ابی اسحاق جو کہ مشائخ کبار سے ہیں۔ آپ کی خدمت اقدس میں ایک آدمی آیا عرض کی۔ یا حضرت گذشتہ رات کو میں نے آپ کو خواب میں دیکھا کہ آپ کی ڈاڑھی مبارک یاقوت وجواہر سے مرصع ہے۔ استاذ ابی اسحاق نے جواباً فرمایا "صدقت" تم نے سچ کہا یقیناً تم نے اس خواب کو صحیح دیکھا ہے۔ کیونکہ گذشتہ رات میں نے اپنی ڈاڑھی کو اپنی والدہ ماجدہ کے قدموں سے مسح کیا تھا اور اس کے بعد میں خوابِ استراحت فرمائی۔ تو یہ جواہر و یواقیت جو تم کو میری ڈاڑھی میں عالم قدس میں نظر آتے ہیں یہ بہ برکت قدم والدہ ماجدہ تھے۔

جنت سرائے مادر انست ❊ زیر قدمات مادر انست

روزی بکن اے خدائے ما را ❊ چیزے کہ رضائے مادر انست

(۲)

ایک شخص سرکارِ کونینؐ کی خدمتِ اقدس میں آیا اور اُس نے اپنے والد کی شکایت کی کہ میرا والد میری اجازت کے بغیر میرے مال میں تصرف کرتا ہے اور روکنے سے رُکتا نہیں اور بسا اوقات کافی نقصان کر جاتا ہے۔ سرکار نے حکم دیا کہ جاؤ اس شخص کے والد کو بلاؤ۔ سرکار کے حکم کے مطابق ایک صحابی چلا گیا اور اس شخص کے والد کو بُلا لایا۔ مجلس والوں نے کیا دیکھا کہ ایک عمر رسیدہ سفید ریش انسان اپنے عصا سے ٹیک لگاتے ہوئے چلا آرہا ہے اور جب مجلس میں آیا تو سرکارِ کونینؐ کی مجلسِ اطہر میں نہایت ادب و احترام سے بیٹھ گیا۔ سرکارِ کونینؐ نے بنفسِ نفیس خود دریافت فرمایا کہ اے اللہ کے بندے یہ تمہارا لڑکا تمہاری شکایت کرتا ہے کیا یہ اپنی شکایت میں حق بجانب ہے۔

اس ضعیف آدمی نے جواباً عرض کی، یارسول اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ایک وقت ایسا تھا کہ یہ میرا لڑکا ضعیف تھا اور مَیں قوی تھا اور یہ فقیر تھا اور میں غنی تھا۔ اس کی فقیری اور ضعیفی کی حالت میں مَیں نے اس سے اپنا مال پوشیدہ نہیں رکھا بلکہ میں نے اپنا کُل مال اسی پر قربان کیا اور اس کی پرورش کی۔ یارسول اللہ! اب وہ وقت آگیا ہے کہ مَیں فقیر ہوں اور یہ غنی ہے۔ مَیں ضعیف ہوں اور یہ قوی ہے۔ یہ اپنے مال میں مجھ پر بخیلی کرتا ہے اور میری ضروریاتِ زندگی کا بندوبست نہیں کرتا۔ جب حضورؐ نے اس ضعیف آدمی کی کلام کو سُنا تو حضورؐ بہت روئے اور ارشاد فرمایا کہ جس حجر و مدر نے اس ضعیف آدمی کے کلام کو سُنا وہ سب اس بات پر گریہ کر رہے ہیں۔ اس کے بعد حضور نے اس شخص سے ارشاد فرمایا۔ (انت و مالك لابيك) یعنی تُو اور تیرا سب مال تیرے والد کا ہے۔ جیسے چاہے گا ویسا ہی تیرے مال میں تصرف کریگا۔

(۳)

ایک مرتبہ سرکارِ کونینؐ اصحابہ کی مجلس میں خاموشی کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ اچانک آپ کی زبان فیض ترجمان سے یہ کلمات صادر ہوئے (رغمه انفه) یعنی خاک آلودہ ہو جائے ناک اس کا ایک اصحابی نے مجلس میں سے عرض کی۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کس شخص کا ناک خاک آلود ہو جائے۔ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا من ادرك والديه عند الكبر احدهما او كلاهما ثم لم يدخل الجنة۔ اس شخص کا ناک خاک آلود ہو جائے کہ جس شخص نے اپنے والدین کو

حالتِ ضعیفی میں پایا اور پھر وہ جنت میں داخل نہ ہوا۔

مفہوم

یعنے یہ کلمہ جو سرکارِ کونین کی لسانِ مبارک سے صادر ہوا ہے یہ اصل میں افسوس کا کلمہ ہے یعنی اس شخص کے حال پر افسوس ہو کہ جس شخص کے والدین حالتِ کبر میں حیات ہوں اور پھر وہ شخص جنت حاصل نہ کرے۔ کیونکہ جنت والدین کی خدمت کے نہایت قریب ہے۔ اور والدین کی دُعا اولاد کے حق میں ایسی منظور ہوتی ہے جیسے انبیاءِ عظام کی دُعا اُمت کے حق میں منظور ہوتی ہے۔ تو جس شخص نے خدمتِ والدین نہ کی اور والدین نے اس کے حق میں دعاءِ خیر بھی نہ کی تو یہ شخص عدمِ خدمت کی وجہ سے جنت سے محروم رہا۔ اس لئے اس کے حال پر افسوس ہو۔

اور نیز دوسری روایت مبارک میں یوں وارد ہے کہ جس شخص نے اپنے والدین کے لئے دعائے مغفرت و رحمت نہ کی تو رب تعالیٰ اُس شخص کا رزق دنیا میں تنگ فرما دے گا۔

حاصل حدیث :۔ لامحالہ ہر مومن مسلمان پر واجب ہے کہ والدین کی ہر قسم کی خدمت کرے حالتِ حیات میں اور بعد از ممات صدقات، خیرات، مبرات، استغفار وغیرہ ترکیبوں سے ایصالِ ثواب کرتا رہے تاکہ رضائے الٰہی اور جنت کا مستحق ہو جائے۔

مہمہ

والدین تین قسم پر ہیں۔ تفصیل کے لئے رسالہ "اورادِ مفیدہ" کو دیکھو۔

(۴)

حضرت فاروقِ اعظم سے روایت ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ مَیں نے سرالاللہ الاعظم سے بیان کرتے ہوئے سُنا۔ آپ فرماتے تھے کہ اگر مجھے اس بات کا خطرہ لاحق نہ ہو کہ میرے بعد تم متغیر الحال ہو جاؤ گے تو البتہ میں تم کو حکم دیتا کہ چار اصناف کے لئے جنت کی گواہی دو کہ یہ چہار اصناف ضرور جنت میں جائیں گے۔

صنفِ اوّل :۔ وہ عورت جو کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اپنا حق مہر اپنے خاوند کو معاف کر دے اور اس کا خاوند اس عورت سے راضی ہو تو اس عورت کے لئے جنت واجب ہے۔

صنفِ دوم۔ وہ شخص جس کا اہل و عیال زیادہ ہو اور وہ شخص ان کی کفایتِ معیشت کے

کے لئے جد و جہد کرے اس ترکیب سے کہ حلال روزی کما کر ان کو کھلائے تو اس شخص کے لئے بھی جنت واجب ہے۔

صنفِ سوم۔ وہ شخص جو اپنے گناہوں سے ایسی توبہ کرے کہ پھر مطلقاً گناہوں کی طرف میلان تک نہ کرے جیسے کہ دودھ پستانوں سے نکل آنیکے بعد پھر پستانوں میں واپس داخل نہیں ہو سکتا اسی طرح یہ تائب توبہ کرنے کے بعد پھر گناہوں کی طرف راغب نہ ہو تو اس تائب کے لئے بھی جنت واجب ہے

صنفِ چہارم۔ وہ شخص جو اپنے والدین کے ساتھ ہر قسم کی نیکی کرے اور والدین کے حکم میں اُف تک نہ کرے۔ تو اس خادم کے لئے جنت واجب ہے۔

حاصل حدیث

یعنی ان مذکورہ بالا اعمال کے مطابق عمل کرنے سے انسان یقیناً جنت کا مستحق ہو جاتا ہے اور نیز دوسری روایت مقدسہ میں موجود ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں آیا۔ عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے والدین ماجدین اتنے ضعیف ہو گئے ہیں کہ جیسے معصوم بچوں کا پیشاب و پاخانہ وغیرہ گندگی صاف کرنی پڑتی ہے اسی طرح ان کی خدمت کرنی پڑتی ہے۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے والدین کی یہ خدمت خود اپنے ہاتھ سے بجا لاتا ہوں اور ان کی خدمت میں ذرہ بھر قیل وقال نہیں کرتا۔ تو کیا عند اللہ میں نے ان کے حق کو پورا کیا یا نہیں۔ سرکار کونینؐ نے جواباً فرمایا۔ نہیں۔ کانا یفعلان ذالك وهما يحبان بقاءك وانت تفعل ذالك وانت تريد موتهما۔ کیونکہ تمہارے والدین ایسی ہی خدمت تمہاری کرتے رہے۔ اور وہ تمہاری حیات کی دعا رب تعالیٰ کے دربارِ مقدسہ سے طلب کرتے رہے اور تم خدمت تو ویسی ہی کرتے ہو لیکن تم دل میں یہ خیال دوڑاتے ہو۔ کہ کب ان کی موت واقع ہو گی تاکہ میری خلاصی ہو جائے۔ اس لئے تم نے حق خدمت کامل ادا نہیں کیا (روح البیان ج ۵ ص ۱۴۹)

فقیر کان اللہ لہٗ کہتا ہے کہ اگر خدمتِ والدین کی شان میں تمام احادیث مبارک کو جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان حق بیان سے صادر ہو چکی ہیں جمع کیا جائے تو ایک دفتر تیار ہو جائیگا مگر میری غرض اختصار سے ہے۔ اس لئے بمصداق مشتے نمونہ از خروار۔ ان چند

جواہر پاروں پر اکتفا کرتا ہوں ۔ اور بربنائے فسادِ زمان اور تغیرِ اخوان کا حال کسی صاحبِ عقل پر مخفی نہیں۔ اور اخلاقِ رذیلہ خبیثہ کا دَور دَورہ ہے ۔ اکثر انسان اپنے خطایات و ذنوب کے سمندر میں غوطہ لگا رہے ہیں اور قبائح کے چشموں اور چاہوں میں متورط ہو چکے ہیں ۔ نہ اپنے نفسوں کے ساتھ انصاف اور نہ غیروں کے حق میں انصاف کرتے ہیں ۔ اور نفسِ امارہ کی محکومی میں بڑھ چڑھ کر نافرمانیوں میں شجاعت دکھاتے ہیں ۔ اس تغیر نماشی کا نقشہ حافظ شیرازی نے خوب کھینچا ہے ۔

ہیچ رحمی نہ برادر بہ برادر دارد ‏ ‏ ہیچ شوق نہ پدر را بہ پسر مے بینم

دختران را ہمہ جنگست و جدل با مادر ‏ ‏ پسران را ہمہ بدخواہِ پدر مے بینم

جاہلان را ہمہ شربت ز گلابست عسل ‏ ‏ قوتِ دانا ہمہ از قوتِ جگر مے بینم

اسپِ تازی شدہ مجروح بزیرِ پالان ‏ ‏ طوقِ زریں ہمہ در گردن خر مے بینم

اور مطلقاً اپنے اسلاف کے حالات سے عبرت نہیں لیتے کہ وہ اخلاقِ نفس سوئی کی وجہ سے خون کے آنسو بہاتے تھے ۔ تو ان تمام بداعتدالیوں میں فقیر کتنا بھی ذخیرۂ مروارید جمع کر دے لیکن فائدہ نہ ہوگا ان مرواریدوں سے ۔ مگر اہلِ دانش کے لئے ، اور اہلِ طلش کے لئے اشارہ کافی ہے ۔ فافہم ۔

واللہ الہادی ۔ اللہ ناصر کل صادق ۔ اللہ رفیق الاعلیٰ وبہ التوفیق العُلیٰ

ع ۔ طلب یار کنی دور فگن مکرتِ خود

اے میرے پیارے احبابِ مؤمنین ! مَیں اپنے باغ کی منزل سے بہت دُور جا نکلا ہوں لیکن ایک مفکر ذی فطن اگر منزل سے دُور بھی نکل جائے تو واپس آنے پر منزلِ باغ میں نئے نئے پھل اور پھولوں کا اضافہ کر دیتا ہے ۔ جس کی وجہ سے طبیعت میں ایک عجیب سرور و لطف پیدا ہو جاتا ہے ۔

ساقی شرابِ عشق محمد الرسول اللہ کہتا ہے کہ اے عاشقانِ جمالِ احمد مختار تمام کے تمام فقیر کی اس نصیحت پر عمل کرو کہ سرکارِ کونین ﷺ کے سلسلۂ نسب کے بارے میں نہایت احتیاط سے کام لو ۔ کوئی لفظ بے ادبی کا زبان و قلم سے صادر نہ ہو جائے ۔ فافہم ۔

ہاں مَیں قبل یہ ذکر کر آیا ہوں کہ حضرت فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں کہ آزر حضرت ابراہیم خلیل کا والد ماجد نہیں اور امام سیوطی فرماتے ہیں کہ یہ قول ایک بڑی جماعت سلف الصالحین سے مروی ہے

امام عالی عالم اوزاعی جلال الدین سیوطی نے اس مسئلہ کو نہایت تحقیق و تدقیق کے ساتھ بیان فرمایا ہے اگر میں اس تحقیق کو نقل کردوں تو یہ کلام عوام پر ثقیل ہو جائیگی۔ اور اگر خواص میں سے کسی کو اس مسئلہ کے متعلق مزید معلومات کی ضرورت ہو تو مسالک الحنفا وغیرہ رسائل امام سیوطی کو دیکھے۔

اور نیز ابن ابی حاتم و ابن منذر نے حضرت مجاہد سے بسندِ صحیحہ از بعض طرق ایسے ہی روایت کیا ہے کہ آزر خلیل اللہ کا والد نہ تھا۔ بلکہ چچا تھا۔

اور اسی طرح ابن جریج وغیرہ نے بسندِ صحیحہ اور ابوحاتم نے سدی سے بسندِ صحیحہ اور نیز ابوحاتم نے حضرت ابن عباس سے یعنی ان تمام علماء کرام نے جمعاً روایت کیا ہے کہ آزر حضرت ابراہیم خلیل کا والد نہیں تھا بلکہ حضرتِ خلیل کے والد کا نام تارح تھا اور وہ یقیناً مسلمان تھا۔ اور شیخ ابن حجر نے شرح ہمزیہ میں اس قول کو ترجیح دی ہے۔

بنہایت ترجیح۔ آپ نے یہاں تک ارشاد فرمایا کہ اہل دوکتاب یعنی تورات و انجیل اور تورات و فرقان اس بات پر متفق ہیں کہ آزر حضرت خلیل اللہ کے والد ماجد نہیں بلکہ چچا تھے اور کلامِ عرب میں "اُب" کا لفظ "عم" پر شائع و ذائع ہے (جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے) اور نیز شیخ فرماتے ہیں کہ جن علماء کرام نے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے آزر کو حضرتِ خلیل اللہ کا والد قرار دیا ہے یہ ان کی چشم پوشی و تساہل ہے جیسے بیضاوی وغیرہ۔ اور حق وہی بات ہے جس کو ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ آزر حضرت خلیل کا والد نہیں بلکہ چچا ہے۔ (انتہیٰ حاصل کلامہٗ)

کشفِ حجاب

اس ضمن میں یہ بات خالی از فراست نہ ہوگی کہ تفسیر کبیر جو کہ امام عالی مقام فخرالدین رازی کی تصنیف ہے اور تمام دنیا میں اہل علم حضرات میں ایسا ہی مشہور ہے۔ لیکن فقیر نے اس مسئلہ زیر بحث میں حتی المقدور عظیم عرق ریزی کی۔ اگرچہ یہ مسئلہ اعتقادیات سے نہیں لیکن سرکارِ کونین ؐ کے سلسلہ نسب کی شان میں تو ہے۔ اور زبان کے بیان کے لئے بھی حصہ درکار ہے

کیونکہ سائلین جب سوال کرتے ہیں تو جب تک اس مسئلہ کو کامل ترکیب سے خود معلوم نہ کیا جائے تو سائلین کو بالتفصیل جواب دینا کیسے ممکن۔ اس لئے علماء کرام نے اس مسئلہ میں کمال عرق ریزی کی ہے اور میں نے بھی کی ہے۔ تو کثیر مطالعہ کے بعد فقیر اس نتیجہ پر پہنچا کہ اگر تفسیر کبیر امام کی

تصنیف ہوتی تو امام کی دونوں تفسیروں کے کلام میں تضاد نہ ہوتا۔ یعنی اسرار التنزیل اور کبیر۔ کیونکہ اول الذکر تفسیر میں تو سرکار کونین کے جمیع آباء تا عہد آدم کے متعلق جزم فرماتے ہیں کہ تمام کے تمام مسلمان گزرے ہیں کوئی بھی ان میں سے مشرک نہ تھا۔ اور کبیر میں دلا تسئل عن اصحاب الجحیم کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک روایت یوں وارد ہے کہ ایک دن حضور نے غم کی حالت میں یوں ارشاد فرمایا۔ لیت شعری ما فعل ابوائے۔ یعنی مجھے معلوم نہیں کہ اللہ جلیل و جبار نے میرے والدین کی شان میں کیا حکم صادر فرمایا ہوگا۔ یعنی جنتی ہوں گے یا جہنمی۔

تو اس قول مبارک کے صدور کے فوراً بعد اللہ جلیل و جبار نے حضور علیہ السلام کو کفار کے احوال معلوم کرنے سے منع فرمایا۔ کہ ولا تسئل عن اصحاب الجحیم یعنی اے حبیب جن کے لئے جہنم کا حکم نافذ ہو چکا ہے ان کے احوال معلوم کرنے کا سوال مت کرو۔ اس روایت کو نقل فرمانے کے بعد امام تحریر فرماتے ہیں کہ یہ روایت بعید از عقل ہے کہ حضور علیہ السلام نے "ما فعل ابوای" فرمایا ہوگا کیونکہ سرکار کونین جانتے تھے اور آپ کو معلوم تھا کہ میرے والدین ماجدین کافر تھے اور حضور اس بات کے بھی عالم تھے کہ کافروں کو عذاب ضرور دیا جائیگا۔ تو پھر کامل علم کے بعد کیسے ممکن تھا کہ حضور یوں فرماتے "لیت شعری ما فعل ابوای" انتہی کلامہ

قولہ کان عالماً بکفرھم الخ امام کی اس عبارت پر کثیر علماء کرام نے گرفت کی ہے جن میں سے ایک علامہ عبداللہ الصاوی ہے فرماتے ہیں ھذا الکلام "تقشعر منہ جلود المؤمنین دیرفضہ من کان فی عداد المسلمین وھو خطاء صریح" کہ یہ ایسا کلام ہے کہ جس کی وجہ سے مومنین کے بدن کانپ اٹھتے ہیں۔ اور کوئی بھی انسان اگر وہ اپنے آپ کو مسلمان خیال کرتا ہو تو اس کلام کو مطلقاً قبول نہ کریگا۔ بلکہ اس کلام کا رد ہر مسلمان کے لئے لازم امر ہے "توجد مؤلفات عدۃ لکثیر من علماء المتقدمین والمتاخرین فی نجاۃ الابوین کیونکہ متاخرین و متقدمین کثیر علماء کرام کی تصانیف ایسی موجود ہیں جنہوں نے دلائل و براہین سے ثابت کر دیا ہے کہ سر اللہ الاعظم کے والدین ماجدین یقیناً ناجی ہیں۔

تو آیت مبارکہ کا اصل مفہوم اب یہ ہوا کہ آیات ماسبقہ میں یہود و نصارا کا ذکر ہے۔ اس لئے

ولا تسئل عن اصحاب الجحیم سے بھی یہود و نصاریٰ ہی مراد ہے اور تفسیر نظم قرآن کریم سے عین موافق ہے۔ اور اس تفسیر کو ترجیح کے ساتھ ذکر کیا۔ امام ابوحیان نے اپنی تفسیر میں تو تفسیر کو ذکر

حاصل کشفِ حجاب

دیکھا آپ نے یہ وہ تفسیر ہے کہ تمام علماء اس کو امام کا تصنیف باور کرتے ہیں۔ اور خود امام اپنی تفسیر صغیر میں نجات ابوین کے قائل اور تفسیر کبیر میں کفر ابوین کا دعویٰ۔ تو ان دونوں متضاد بیانات نے علماء کو عجیب الجھن میں ڈال رکھا ہے لیکن فقیر بعون اللہ المنان ایسی تبتیق کریگا کہ مطلقاً الجھن نہ رہے گی۔ اور کشفِ حجاب ہو جائے گا۔ و باللہ التوفیق۔

تبتیق۔ فقیر غفر اللہ القدیر کہتا ہے کہ جیسے ماسبق اوراق میں سیدنا و امامنا الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب فقہ اکبر کے متعلق چند وجوہات تحریر کر چکا ہوں انہی کو بتغیر ما یہاں پر چسپاں کرنا پڑے گا۔ تو تبتیق واقع ہو جائے گی۔ فہم درکار ہے۔ فافہم۔

ان کے علاوہ اور کئی وجوہات ہو سکتی ہیں لیکن بوجہ اختصار دو پر اکتفا کرتا ہوں۔

وجہ اول یہ ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تفسیر کبیر امام کی تصنیف نہیں۔ بلکہ آپ کے کسی شاگرد کی تصنیف ہے اور یا متاخرین علماء کرام میں سے کسی کی تصنیف ہے۔ اور اس وجہ کے اثبات پر خود کلام کبیر گواہ ہے۔ جیسے صفحہ ۱۵۵ ج ۲۹ پر رقمطراز ہے۔

وشیٔ من ھذا رأیتہ فی کلام الامام فخر الدین الرازی رحمۃ اللہ بعد ما فرغت من کتابت ھذا مما وافق خاطری خاطرہ علی انی معترف اصبت منہ فوائد لا احصیھا۔ دیکھا آپ نے اس کلام سے صریح معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب کسی اور عالم کی تصنیف ہے۔ امام کی نہیں۔ کیونکہ مصنف خود رقمطراز ہے کہ میں نے ما تقدم تفسیر کو جب لکھا اور کتابت سے فارغ ہوا تو جو تفسیر ان گذشتہ آیات کی میری خاطر سے ظاہر ہوئی تھی اور فوائد و نکات جو میں نے استنباط کئے تھے ان میں سے کچھ فوائد و نکات میں نے امام کے کلام میں پائے تو جو واردات میری خاطر پر وارد ہو گئے تھے۔ وہ موافق خاطر امام کی ثابت ہو گئے۔ حالانکہ میں معترف ہوں اس بات کا کہ جو فوائد و نکات میں نے استنباط کئے ہیں۔ وہ لا تحصیھا ہیں۔

حاصل وجہ اول:۔ اس عبارت سے ثابت ہوا کہ تفسیر کبیر امام کی تصنیف نہیں بلکہ کسی اور

عالم کا ہے۔ جو کہ غالباً نام و کنیت میں شریک ہو گئے ہونگے۔ چونکہ امام فخر الدین رازی کا علمی سکہ چہار دانگ دنیا میں جاری تھا اس لئے اس مصنف کا نام دنیا بھول گئی اور یہ کتاب تفسیر امام ہی کے نام پر مشہور ہو گئی جیسے کہ فقہ اکبر ابو حنیفہ محمد بن یوسف بخاری کا امام ابو حنیفہ صاحب مذہب کے نام سے مشہور ہوا۔ کیونکہ سورج کے طلوع سے کواکب کی ضیاء ماند پڑ جاتی ہے۔ نیز اس عبارت کبیر سے بھی صاف ظاہر ہے کہ یہ تصنیف امام فخر الدین رازی کی نہیں و ہو ہذا۔ (المسئلۃ الاولیٰ) اصولیۃ ذکرھا الامام فخر الدینؒ فی مواضع کثیرۃ ولکن نذکر بعضھا (فافہم)

جیسے کہ فقیر نے بیان کیا کہ تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی کا نہیں واقفہ کثیر من العلماء جیسے عبداللہ الصاویؒ فرماتے ہیں۔ ھذا العبارۃ تشعر وتؤکد ان الکتاب لمؤلف آخر الخ۔ کہ اس عبارت مذکورہ فی الکبیر سے مؤکد ترکیب سے ثابت و معلوم ہوتا ہے کہ یہ تفسیر کبیر کسی اور مؤلف کی ہے امام فخر الدین رازی کی نہیں۔ (حاشیہ کبیر صفحہ مذکورہ)

نتیجہ۔ ثابت و کائن ہوا کہ تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی کی نہیں اس لئے تضاد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور کبیر کے کلام کا رد دلائل و براہین سے ہو چکا ہے اس لئے قابلِ قبول نہیں۔

وجہ دوم۔ یہ ہو سکتا ہے کہ بوجہ تسلیم کہ تفسیر تو امام رازی کا ہے، لیکن جن ایام میں آپ نے تفسیر کبیر کو لکھا ان ایام میں نجات والدین شریفین کا مسئلہ کامل ترکیب سے امام پر کشف نہ ہوا تھا اس لئے امام سے مسامحت و تساہل ہو گیا۔ اور جب آپ نے تفسیر صغیر کو لکھنا شروع کیا تو اُس وقت رب تعالیٰ نے اس مسئلہ کو آپ پر کشف فرمایا کیونکہ العلم تتزاد یوماً فیوماً۔ اور کبیر کے نسخے چونکہ دنیا میں منتشر ہو چکے تھے اور تمام کا جمع کرنا محال تھا۔ تاکہ اس عبارت کی اصلاح کی جا سکتی۔ ہاں بوجہ تسلیم یہ خامی ضرور ماننی پڑے گی کہ امام تفسیر صغیر میں جابجا تصریح فرماتے جاتے۔ کہ کبیر میں فلاں فلاں مقام میں سہو قلم ہے۔ نہ معلوم کہ امام نے ایسا کیوں نہ کیا۔ العلم عند اللہ۔

ع۔ کجا بود اشہب کجا تافتم

آمدم برسرِ مطلب۔ عزیزانِ اسلام! یہ تو آپ پر عیاں ہوا اور روزِ روشن کی طرح چمک اُٹھا اور کوئی حجاب عاقل کے لئے نہ رہا بلکہ کل غوامض و دقائق جو کہ لوگوں کی ناسمجھی کی وجہ سے پردوں میں تھے وہ بھی بلا حجاب عیاناً نظر آنے لگے اور سر اللہ الاعظم کا نسب مطہرہ تا عہد ابراہیم

پاک و بے عیب ثابت ہؤا - اور آزر کے متعلق شکوک و شبہات رفع ہو گئے - اور ابراہیم خلیل کا والد
ماجد تارح ثابت ہؤا - اور اس کے ایمان میں شک و شبہ نہ رہا - فللہ الحمد

اب فقیر بفضل خبیر حضرت سر اللہ الاعظم کے آباء حضرت ابراہیم سے لیکر تا وقت ظہور خود کے
ذکر کرتا ہے - تاکہ آفتاب نیم روز کی طرح اسلام ایوین مجلّٰی و مصفّٰی ہو جائیں - وما توفیقی الا
واللہ الھادی - وبا للہ التوفیق - وھو نعم الرفیق - اللہ ناصر کل عالم عامل

حالات آباء شریفہ بعد از حضرت ابراہیم خلیل

جان تو اے برادر خوب خصال کہ آباء شریفہ سر اللہ الاعظم جو کہ بعد از زمانہ خلیل اللہ و اسمٰعیل
علیہما السلام تھے ان کے اسلام کے متعلق جو دلائل ہیں - ان کو میں دو مسلک میں ذکر کرتا ہوں - تاکہ
فکر و تدبر کرنے میں آسانی رہے -

مسلک اوّل - یہ ہے کہ احادیث صحیحہ اس بات پر متفق ہیں اور نصوص علماء کرام بکثرت موجود
ہیں کہ عرب دین حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام پر قائم تھے - اور کسی نے بھی عبادت اصنام و کفر نہ
کیا تھا - تا زمانہ حکومت عمرو بن لحی خزاعی - یعنی سائر عرب عمرو مذکور کی ولایت تک کل کے
کل دین حضرت ابراہیم خلیل کے تابع تھے - اور تمام اوامر و نواہی میں قوانین شرع ابراہیمیہ پر
گامزن تھے - اور مطلقاً اہل عرب نے شرک و عبادت اصنام و کفر نہ کیا تھا - بلکہ اپنے جد کے
قوانین شرع اسلام پر چلتے رہے - یہاں تک کہ عمرو مذکور والی ہؤا تو اس نے دین ابراہیم
خلیل میں تغیر و تبدل کر دیا - اور عبادت اصنام اور تمام ضلالیات و کفریات کا رواج جاری کیا
اکثر عرب ان اشراک و کفریات میں عمر مذکور کے تابع ہو گئے اور دین حنفہ ابراہیمیہ سے منحرف
ہو گئے -

جیسے کہ اس قول پر علامہ شہرستانی نے اپنی کتاب الملل والنحل میں اور حافظ عماد الدین و
ابن کثیر دونوں نے اپنی اپنی تاریخوں میں تصریح فرمائی ہے - حاصل کلام ان کا یہ ہے کہ اہل عرب
تمام دین حنفہ ابراہیمیہ پر (تا زمانہ عمرو بن لحی خزاعی) قائم تھے - اور جب عمرو مذکور مکہ مکرمہ زادہا اللہ
شرفاً و عزّتاً و بسببہا زادہ شرفاً و عزّتاً) پر قابض ہؤا اور بیت اللہ شریف کا تولیت حضور

کے اجداد سے جبراً کشیدہ کیا۔ اور احداث کیا عمرو مذکور نے اہل عرب کے لئے شرک و عبادتِ اصنام اور جائز قرار دیا عمرو مذکور نے اہل عرب کے لئے بجیرہ و سائبہ وغیرہ کل ضلالیات و کفریات اور عمرو مذکور کا زمانہ ولایت ایک مشئوم و بدبخت زمانہ تھا۔ اور بیت اللہ شریف پر تقریباً تین سو سال قوم خزاعہ حکمران رہی۔ یہاں تک کہ خروج کیا حضرت قصی بن کلاب نے جو کہ سلسلۂ نسب میں سرکار کونین کا پدرِ پنجم ہے" اور تمام اہالیانِ عرب کو آپ نے اعانت و امداد کے لئے مدعو کیا۔ اور عظیم مقاتلہ کے بعد آپ نے قوم خزاعہ کو شکست فاش دی۔ اور ولایت بیت اللہ الحرام کو دوبارہ آپ نے اپنے ہاتھ مبارک میں لے لیا جیسے کہ اسلاف کے ہاتھ میں تھا۔

لیکن چونکہ تین سو سال کا دراز عرصہ گذر گیا تھا اور دین ابراہیمیہ حقہ کو اہل عرب نسیاً منسیاً کر چکے تھے۔ اور فی نفسہٖ عبادتِ اصنام کو اہل عرب دین ابراہیمیہ ہی یقین کرتے تھے اس لئے جب حضرت قصی بن کلاب نے ولایت کے بعد چاہا کہ تمام بُت بیت اللہ سے توڑ کر نکال دیئے جائیں تو اہل عرب چونکہ اسی کو دین ابراہیمیہ یقین کر چکے تھے اس لئے قوم عرب نے اس تغیر کو پسند نہ کیا تو حضرت قصی مجبور رہے تمام خاموش ہوگئے۔ (انتہیٰ حاصل کلامہم)

نتیجہ:۔ ثابت و کائن ہوا کہ سراللہ الاعظم کے آباء شریفہ حضرت ابراہیم خلیل کے زمانہ سے لیکر عمرو مذکور کے زمانہ تک تمام مؤمن تھے۔ ان میں سے کوئی بھی مشرک نہ تھا۔ فافہم۔

(زمانہ بعد از عمرو مذکور)

صاحبانِ فہم کے لئے کوئی دقیقہ نہ رہا بلکہ مجلّیٰ و مکشوف ہوا کہ فقیر غفرلہٗ نے بہ حجج قاطعہ ثابت کر دیا کہ سراللہ الاعظم کے آباء شریفہ عہد آدم علیہ السلام سے لیکر تا زمانہ عمرو مذکور تمام مؤمن تھے اب بعد کے زمانہ کے متعلق سُن لیجئے۔

اے برادرِ دانش تمیز آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ عمرو مذکور کا زمانہ اور سرکارِ کونین کے پدرِ چہاردہم کنانہ بن خزیمہ کا زمانہ قریب قریب تھا۔ اس زمانہ میں سرکارِ کونین کے آباء شریفہ اور ان کے قریب قریب رشتہ کے کل قبیلے مؤمن تھے۔ جیسے کہ جنیب نے اپنی تاریخ میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں مندرجہ ذیل تمام قبائل مسلمان تھے۔ اور دین ابراہیمی پر قائم تھے۔ مثلاً عدنان۔ معد۔ ربیعہ۔ مضر۔ خزیمہ۔ اسد۔ اور نیز سہیلی نے اپنی کتاب

"الروض الانف" میں ذکر فرمایا کہ کعب بن لوئی وہ انسان ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عروبہ کے روز (زمانہ جاہلیت میں جمعہ شریف کو عروبہ کہا کرتے تھے) مردانِ قریش کو جمع فرمایا کرتے تھے اور جمع فرمانے کے بعد خطبہ فرمانا، پند و نصیحت کرنا اور سرکارِ کونین کی بعثت کی خوش خبری سنانا اور ان پر ایمان پر لانے کی تاکید فرمانا اور ان کی پیروی و متابعت کرنے پر قریش سے عہد لینا اور اعلان فرمانا کہ وہ نبی آخر الزمان سر اللہ الاعظم ہماری اولاد سے ہونگے۔ انتہی کلامہ

اور نیز اس مذکورہ بالا خبر کو علامہ ماوردی نے اپنی کتاب اعلام النبوۃ میں بھی روایت فرمایا ہے۔

اور نیز ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن ابن عوف سے کچھ زیادتی کے ساتھ روایت کیا ہے اور اخیر میں چل کر فرماتے ہیں کہ کعب مذکور کی وفات اور سر اللہ الاعظم کی بعثت مبارکہ کے درمیان پانچ سو ساٹھ سال کا زمانہ تھا۔

حافظ علامہ جلال الدین سیوطی اپنے رسالہ مسالک الحنفا میں و دیگر رسائل میں اس خبر کو نقل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ جو کچھ بھی احادیث وادلہ سے بیان کیا گیا تمام سے ظاہر ہوا کہ آباء شریفہ سر اللہ الاعظم عہد آدم سے لیکر زمانہ کعب بن لوئی بلکہ اس کے صاحبزادے مرۃ تک تمام کے تمام مومن تھے۔ کیونکہ ان تمام کے ایمان پر احادیث میں بالتفصیل تصریح موجود ہے۔ اور مجالِ سخن کی یہاں گنجائش نہیں۔ مگر آزر جس کے ایمان میں اختلاف ہے اور قول ارجح کے متعلق بیان تفصیل کے ساتھ گذر گیا۔

اور نیز سیرت شامی میں بے کم و کاست ایسا ہی مذکور ہے۔ آگے چل کر امام سیوطی فرماتے ہیں مُرّہ بن کعب سے لیکر حضرت عبدالمطلب تک اس مابین میں چہار آباء شریفہ ہیں کلابؒ۔ قصیؒ۔ عبدالمنافؒ۔ ہاشمؒ۔ ان چہار کے متعلق روایت صریحہ نفی و اثبات کے ساتھ میری نظر سے نہیں گزرا

فقیر کہتا ہے کہ امام کا مطلب عدم وجدان سے یہ ہے کہ صریح ان کے نام روایات میں ان کو نہیں ملے۔ ورنہ مسلک ثانی میں جو احادیث ہم بیان کرنے والے ہیں ضمناً تمام آباء شریفہ کے اسلام پر دال ہیں۔ اسی لئے تو امام اجل سیوطی نے اپنی تصانیف میں حضرت عبدالمطلب کے اسلام پر دلائل قاہرہ بیان کی ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ

حضرت عبدالمطلب میں علماء کرام کے تین قول ہیں:۔

قولِ اوّل

یہ ہے کہ حضرت عبدالمطلب کو دعوتِ رسالت نہیں پہنچی اور آپ اہلِ فطرت سے تھے اور جیسے ہم ثابت کر آئے ہیں کہ اہلِ فطرت کے لئے سزا و عذاب نہیں۔ اس لئے عبدالمطلب ناجی ہیں۔ امام سیوطی فرماتے ہیں کہ یہ قول از جہت ظاہر حدیث اشبہ ہے جیسے صحیح بخاری وغیرہ کتب معتبرہ میں موجود ہے۔

قول دوم

یہ ہے کہ حضرت عبدالمطلب توحید و ملت ابراہیمیہ پر قائم تھے۔ اور ظاہر عموم کلام امام فخرالدین رازی سے یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ آپ کے مسلک میں تا عہد آدم تمام آباء شریفہ مومن گذرے ہیں اور نیز ظاہر عموم آثار منقولہ و مرویہ حضرت مجاہد و سفیان بن عیینہ وغیرہ علماء کرام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ تمام آباء شریفہ تا عہد آدم مومن تھے۔ کما سیئتی

اور اس قول کی تائید سرکارِ کونین کے اس ارشاد عالیہ سے بھی ہوتی ہے کہ جیسے آپ نے غزوۂ حنین میں ارشاد فرمایا انا النبی لاکذب انا ابن عبد المطلب۔ حالانکہ کثیر احادیث و آثار مبارک وارد ہیں کہ آباء کفار کے ساتھ انتساب جائز نہیں۔ اور کئی مقامات میں سرکار کونین نے اس انتساب سے نہی فرمایا۔ تو معلوم ہوا کہ سر اللہ الاعظم سے کیسے ممکن تھا کہ منسوب فرمائیں اپنے وجود پاک کو ایک اَب کافر کی طرف۔ ثابت و متیقن ہوا کہ حضرت عبدالمطلب مؤمن تھے۔ اس لئے حضورؐ نے اپنی ذات پاک کا انتساب فرمایا۔ فافہم۔

اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حضرت عبدالمطلب سے خوارقِ عادات و کرامات ایام جاہلیت میں بکثرت ظاہر ہو گئے تھے۔ اور عالم خواب میں بکثرت الہامات حقہ صادقہ آپ کو دکھائے گئے تھے۔ جن کو ذکر کیا ایک بہت بڑی جمعیت علماء کرام نے۔ مثلاً زرقانی علی المواہب۔ تاریخ الخمیس وغیرہ۔

ایک الہام صادقہ

عبدالمطلب کے زمانہ مبارک سے پہلے ایسا ہوا تھا کہ چاہ زمزم مطلقاً نابود ہو گیا تھا اور نابود ہونے کی وجہ یہ تھی کہ عمرو بن الحارث جرہمی جو کہ اپنے وقت میں مکہ مکرمہ کا سردار تھا جب اُس

نے اپنی قوم کو ظلم و ستم۔ تعدّا۔ مسافر آزاری کرتے دیکھا۔ ہر چند اپنی قوم کو ہدایت کی مگر وہ راہ راست
نہ آئے۔ عذابِ الٰہی سے دہشت زدہ ہوکر ہجرت کی اور ترکِ وطن مالوفہ اختیار کیا اور چلتے وقت
کچھ اسباب طلائی و مال زم زم میں ڈالکر بند کر دیا۔ اور خود ملکِ یمن کی طرف تشریف لے گئے اور
تقریباً پانچ سو سال تک چاہ زم زم بند رہا۔ اور مطلقاً نسیاً منسیاً ہوگیا۔ اتفاقاً ایک رات
حضرت عبدالمطلب حطیم میں خوابِ استراحت میں تھے۔ حالتِ خواب میں بشارت ہوئی کہ اے
عبدالمطلب ایک پاک چیز ہے اسکو کھود کر نکالدو۔ حضرت عبدالمطلب نے حالت خواب میں عرض
کی۔ اے ہاتفِ غیبی وہ پاک چیز کیا ہے کہ جسکے کھودنے کی ہدایت کیجاتی ہے۔ اس رات ہاتف
غیبی نے صرف اتنا کہا اور چلا گیا۔ دوسری رات پھر ایسے ہی بشارت ہوئی اور فرشتہ چلا گیا تیسری
رات کو پھر جب بشارت ہوئی تو فرشتہ نے حضرت عبدالمطلب کو مخاطب کر کے فرمایا۔ احفر
زمزم بئر" لا تنزف ولا تذم اے عبدالمطلب زمزم کھود لو یہ ایک کنواں ہے جس کا
پانی نہ کبھی کم ہوتا ہے اور نہ خشک ہوتا ہے حضرت عبدالمطلب نے فرشتہ سے پوچھا کہ وہ
کنواں کس جگہ ہے (بین الفرس والدم عند نقرۃ غراب الاعظم) جہاں اسوقت جانوروں
کا خون و گوبر پڑا ہے۔ اے عبدالمطلب ایک ابلق رنگ کا کوّا تمہیں اس جگہ اپنی چونچ مار
کر نشان بتا دے گا۔ حضرت عبدالمطلب اپنے صاحبزادہ حارث کو ساتھ لے کر
وہاں گئے اور انتظار میں بیٹھ گئے۔ اتنے میں ایک ابلق رنگ کا کوّا آیا ...
اور اُس نے زم زم کے مقام پر اپنی چونچ سے نشان لگا دیا۔ اور بشارت کے بموجب حضرت
عبدالمطلب اس مقام کو کھودنے لگے۔ قریش معترض ہوئے اور حضرت عبدالمطلب کو کھودنے
سے منع کیا۔ کیونکہ یہ جگہ مسلخ خانہ تھا۔ جہاں بتوں کے نام پر جانور ذبح ہوا کرتے تھے۔ حضرت
عبدالمطلب نے جواباً ارشاد فرمایا کہ اے قوم قریش تم منع مت کرو۔ اور خواب کی بشارت
قریش سے بیان کی۔ اور فرمایا کہ رب تعالیٰ مجھے پورے دس فرزند عطا فرمائے گا تو میں ایک فرزند تمہارے
اس مسلخ خانہ میں آکر قربان کر دوں گا۔ قریش خاموش ہوگئے اور آپ نے کھودنا شروع کیا۔ دو
روز برابر کھودتے رہے لیکن کوئی نشان معلوم نہ ہوا۔ تیسرے روز کنوئیں کا نشان معلوم ہوا آپ
نے تکبیر کہی اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائے۔

دیکھا آپ نے یہ ہے حضرت عبدالمطلب کی روحانی طاقت کہ رب تعالیٰ بطور الہام ان کی اعانت

فرما رہا ہے۔ ثابت ہوا کہ آپ مومن کامل تھے۔

فضلِ عطیہ

جب کنواں بالکل تیار ہوا تو قریش نے دعویٰ کیا کہ کنواں تنہا آپ کی ملک نہیں ہو سکتا۔ اس میں ہمارا بھی حق ہے۔ حضرت عبدالمطلب نے جواباً فرمایا کہ اس کنواں میں کسی کا بھی حق نہیں بلکہ یہ تو رب تعالیٰ کے عطیات میں سے ایک عطیہ ہے جو خاص اللہ جل شانہٗ نے ہم کو عطا فرمایا ہے۔ لیکن قریش جھگڑنے سے باز نہ آئے۔ آخر فیصلہ یہ ہوا کہ یہاں سے کچھ دور کے فاصلہ پر ایک راہب سعد نام کا رہتا ہے۔ اس کو حکم مقرر کرتے ہیں اور اُس کے پاس جا کر جو بھی وہ فیصلہ کر دیگا۔ فریقین کو وہی فیصلہ منظور کرنا پڑیگا۔ حضرت عبدالمطلب نے قریش کی بات کو منظور کیا اور رختِ سفر باندھ کر تمام اس راہب کی جانب روانہ ہوگئے۔ دوری کی وجہ سے اثنائے راہ میں قافلہ کے پاس پانی بالکل ختم ہوا ایک ایسے ریگستان میں کہ جہاں میلوں تک پانی کا نام و نشان معلوم نہیں ہوتا تھا۔ انسان اور جانور شدید پیاس کی وجہ سے قریب بہلاکت ہوگئے نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن کا مصداق۔ ہر جانب سے العطش العطش کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔ بڑی پریشانی کی حالت میں قریش حضرت عبدالمطلب کے پاس حاضر ہوگئے۔ عرض کی اے سردارِ قریش ہم کو کچھ ایسا مشورہ عنایت فرمادیں کہ اس عظیم ہلاکت سے نجات نصیب ہو جائے۔ حضرت عبدالمطلب نے فرمایا نجات ملنا تو ممکن معلوم نہیں ہوتا البتہ تمام اپنے اپنے لئے قبر کھود لو اور اپنی اپنی قبر کے کنارے منتظر الی الموت بیٹھ جاؤ۔ اور جب یقین کر لو کہ اب نجات نہ ہوگی تو فوراً اپنی اپنی قبر میں لیٹ جاؤ تاکہ سطح زمین پر تمہارے اجساد کی بے عزتی و بے حرمتی نہ ہو جائے۔ حضرت عبدالمطلب کے ارشاد کے مطابق تمام نے اپنے اپنے لئے قبر تیار کر لی۔ اور منتظر موت بیٹھ گئے۔ چند ساعات گزر جانے کے بعد سیدنا حضرت عبدالمطلب نے پھر ان کو ہمت دلائی اور فرمایا۔ اے لوگو اللہ پر یقین کرو اٹھ کر آگے چلو۔ شاید اللہ تعالیٰ کہیں سے پانی کا بندوبست کر دے۔ اس بات کے سُنتے ہی تمام نے پھر یکبارگی ہمت کی اور سامان راست کیا۔ اور اپنی اپنی سواری پر سوار ہو کر ناامیدی کی حالت میں آگے روانہ ہوگئے آخر میں حضرت عبدالمطلب نے اپنی سواری کو چلایا اور جب آپکی

سواری نے قدم اُٹھائے تو بین قدموں کے درمیان سے رب تعالیٰ نے شیریں پانی کا ایک...
فرمایا۔ حضرت عبدالمطلب نے لوگوں کو ندا دی کہ واپس آجاؤ رب تعالیٰ نے تم کو موت سے...
دلائی اور عبدالمطلب کی سواری کے قدموں کی جگہ سے تمھارے لئے شیریں پانی کا...
فرمایا۔ تمام قافلہ پانی کی جانب دوڑ پڑا اور خوب سیر ہو کر پانی پیا۔ جانوروں کو...
اپنی مشکوں کو بھر لیا۔

جب سارا قافلہ خوب سیر ہُوا تو پھر حضرت عبدالمطلب نے فرمایا اب راہب...
پاس چلو۔ تمام نے عرض کی یا سردارِ قریش اب راہب کے پاس جانے کی کیا ضرورت...
تو آسمان والے خدا نے خود آپ کے حق میں فیصلہ صادر فرمایا کہ جس قادر نے اس ریگستان...
آپ کو شیریں پانی کا چشمہ عنایت فرمایا اُسی نے مکہ مکرمہ میں آپ کو زمزم عنایت فرمایا...
سب لوگ لا دعوے ہیں)۔ اے عبدالمطلب آسمان والے خدا نے ہر چیز میں آپ کو...
فضیلت و بزرگی عنایت فرمائی ہے۔

نیز علماء کرام ارشاد فرماتے ہیں کہ سرکارِ کونینؐ کا نورِ مطہرہ حضرت عبدالمطلب کی...
مبارک میں ایسا لامع تھا گویا کہ چودھویں رات کا قمر درخشاں آپ کی جبین ناز نین سے...
ہو رہا ہے۔ اسی لئے بسا اوقات شجر و حجر آپ کے سامنے سجدہ میں گر جایا کرتے...
جانوروں کا سلام و کلام تو مشہور ہے۔ اسی لئے تو آپ نے کندن زمزم کے واقعہ میں...
کہ میں اپنے الہام میں صادق ہوں اگر میں اپنے الہام کی صداقت میں صادق نہ ہُوا تو اس...
عوض میں میں اپنے ایک فرزند ارجمند کو اس مسلخ خانہ میں قربان کر دوں گا۔

یعنی نور سر اللہ الاعظم کی برکت سے آپ کو یقین تھا کہ میرا الہام کبھی غلط نہ ہو گا...
ایسا ہی ہُوا۔ وببرکتہٖ قال لابرھۃ ان لھٰذا البیت ربًا...
اس نورِ مطہرہ کے ظہور و تابانی کی وجہ سے آپ نے ابرہہ سے جواباً فرمایا کہ اس گھر کا...
نگہبان ہے۔ وہ ضرور اپنے گھر کو اپنے دشمنوں سے محفوظ رکھے گا۔

واقعہ ابرہہ مختصراً

یہ واقعہ اصحاب فیل کے واقعہ سے مشہور ہے کہ شاہِ حبشہ کی طرف سے ابرہہ یمن کا گو...

اُس نے صنعا میں ایک کلیسا بنایا۔ جس کا مثل اُس وقت روئے زمین پر نہ تھا۔ اُس نے شاہِ حبشہ کو لکھا کہ مَیں نے آپ کے لئے ایک بے نظیر کلیسا بنوایا ہے۔ مَیں کوشش کر رہا ہوں کہ عرب کے لوگ خانہ کعبہ کو چھوڑ کر آئندہ یہیں حج و طواف کیا کریں۔ جب یہ خبر عرب بھر میں مشہور ہو گئی تو بنی کنانہ میں سے ایک شخص نے غصہ میں آ کر اس کلیسا میں بول و براز کر دیا یہ دیکھ کر ابرہہ آگ بگولا ہو گیا۔ اور اُس نے قسم کھائی کہ کعبہ کی اینٹ سے اینٹ نہ بجا دوں تو میرا نام ابرہہ نہ ہو گا۔ اسی وقت فوج و ہاتھی لیکر کعبہ معظمہ کی طرف روانہ ہُوا۔ اثنائے راہ میں ذو نفر اور نفیل بن حبیب خثعمی نے یکے بعد دیگرے مقابلہ کیا۔ مگر دونوں گرفتار ہو گئے۔ پھر کسی نے روک ٹوک نہ کی۔ یہاں تک کہ ابرہہ مقام مغمس میں جو مکہ مکرمہ سے دو میل ہے جا اُترا۔ اور ایک فوجی سردار کو حکم دیا کہ مکہ والوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کرے چنانچہ وہ سردار قریش کے اُونٹ اور بھیڑ بکریاں ہانک لایا۔ جس میں دو سَو اونٹ حضرت عبدالمطلب بن ہاشم کے تھے۔ پھر حناطِ حمیری گیا اور حضرت عبدالمطلب کو ابرہہ کے پاس لے آیا۔ جس وقت ابرہہ کی نگاہ حضرت عبدالمطلب کی جبین مبین پر پڑی تو فوراً تعظیم کے لئے کھڑا ہو گیا اور نہایت اکرام کے ساتھ آپکو زرّیں کُرسی پر اپنے پاس بٹھالیا۔ اور بذریعہ ترجمان معلوم کیا کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔ حضرت عبدالمطلب نے جواب دیا کہ میرے اونٹ واپس کر دو۔ ابرہہ نے کہا۔ تعجب ہے۔ تمہیں اونٹوں کا تو خیال ہے مگر خانہ کعبہ جو تمہارا اور تمہارے آباؤ اجداد کا دین ہے اور جسے مَیں گرانے آیا ہوں اس کا نام تک نہیں لیتے ہو۔ حضرت عبدالمطلب نے جواباً فرمایا کہ مَیں اونٹوں کا مالک ہوں۔ خانہ کعبہ کا مالک اور ہے۔ اور وہی اس کا نگہبان ہے۔ ابرہہ نے کہا خانہ کعبہ مجھ سے بچ نہیں سکتا۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا پھر تم جانو اور وہ۔ غرض حضرت عبدالمطلب اپنے اُونٹ لے کر مکہ واپس آیا اور قریش سے کہا کہ تم مکہ سے باہر نکل جاؤ۔ دو پہاڑوں کے درّوں میں پناہ لو۔ ازاں بعد حضرت عبدالمطلب چند آدمیوں کو ساتھ لے کر خانہ کعبہ میں گیا اور دروازہ کے حلقہ کو پکڑ کر یُوں دُعا کی۔

لاهم ان العبد یمنع ❊ رحله فامنع حلالك

لا یغلبن صلیبهم ❊ ومحالهم غدوا محالك

ان کنت تارکهم وقبـ ❊ لتنا فامر ما بدالك

(ترجمہ) اے اللہ بندہ اپنے گھر کو دشمنوں سے بچایا کرتا ہے تو بھی اپنا گھر بچا۔ ایسا نہ ہو کہ کل کو اہلِ صلیب غالب آجائیں۔ اور اُن کی تدبیر تیری تدبیر پر غالب آجائے اگر تو ہمارے قبلہ کو ان پر چھوڑنے لگا ہے تو جو تو چاہتا ہے کر۔

ادھر عبدالمطلب یہ دعا کر کے اپنے ساتھیوں سمیت پہاڑوں کے دروں میں پناہ گزیں ہوئے ادھر صبح کو ابرہہ خانہ کعبہ کو ڈھانے کے لئے فوج اور ہاتھی لے کر تیار ہوا۔ جب اُس نے ہاتھی کا مُنہ مکہ کی طرف کیا تو وہ بیٹھ گیا۔ بہت کوشش کی مگر نہ اُٹھا آخر مکہ کی طرف سے اس کا مُنہ موڑ کر اُٹھایا تو اُٹھا اور تیز بھاگنے لگا۔ غرض جب مکہ کی طرف اس کا مُنہ کرتے تو بیٹھ جاتا اور اگر دوسری طرف کرتے تو اُٹھتا اور بھاگنے لگتا۔ اسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے سمندروں کی طرف سے ابابیلوں کے غول کے غول بھیجے۔ جن کے پاس کنکریاں تھیں ایک ایک چونچ میں اور دو دو پنجوں میں۔ انہوں نے کنکریوں کا مینہ برسانا شروع کیا۔ جس پر کنکری گرتی ہلاک ہو جاتا۔ .... یہ دیکھ کر ابرہہ کا لشکر بھاگ نکلا۔ انتہیٰ۔

اسی طرح رب تعالیٰ نے بدعا عبدالمطلب اپنے گھر کو دشمنوں سے بچا لیا اور اس نورِ پاک کی برکت کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے حضرت عبدالمطلب اپنی اولاد کو ظلم اور نافرمانی بغاوت تعدا سے باز رہنے کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔ اور مکارم اخلاق و دیانت و تقویٰ کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ وغیرہ وغیرہ ایسا کہ جن کے ذکر کرنے کی یہاں گنجائش نہیں۔ مطولات میں دیکھو۔

نتیجہ۔ دیکھا آپ نے کہ یہ فضل عظیم عجیبہ کسی عام انسان پر کیسے ممکن تھا۔ ان واقعات سے عیاں ہوا کہ آپ اپنے زمانہ کے اولیاء کرام سے تھے اور یہ واقعات آپ کے کمال ایمان پر عظیم دلیل ہے اور اس کے علاوہ اور بکثرت کرامات و خرقِ عادات واقعات آپ کی زندگی میں

آپ کے وجودِ پاک سے ظہور میں آئے ہیں۔ جن کا بیان اس مختصر کتاب میں باعث طوالت ہے ان تمام واقعات پر غور کرنے سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ آپ اپنے زمانہ کے ولی اکمل تھے اور پھر کیوں نہ ہوں۔ حالانکہ نورِ سر اللہ الاعظم آپ کے جبہ شریفہ سے ساطع تھا بلکہ فقیر کے عقیدہ میں یوں سمجھ لینا کہ وہ نور جس کی شان میں لولاک وارد ہے ذاتِ مطلق نے اس نورِ پاک کو جس پاک پشت میں ودیعت رکھا تو اس انسان کو رب تعالیٰ نے اس زمانہ کے کل افرادِ انسانی پر فضیلت و فوقیت عنایت فرمائی۔ اور اس انسان کو اپنے قربِ خاص میں ولایت کے مقامات میں اعلیٰ مقام عطا فرمایا۔ اور اسی طرح وہ نورِ پاک انبیاء عظام و اولیاء کرام کی پاک پشتوں میں سے پاک پشتوں کی طرف منتقل ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ بہترین قرن میں بہترین قوم میں بہترین گھر میں بہترین پشت سے بہترین رحم میں ودیعت فرمانے کے بعد عالم ظہور میں طلوع و اجلال فرمایا۔ فتبیّن۔

قولِ سوم

ان اللّٰہ احیاہ بعد بعثۃ النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم حتیٰ اٰمن بہ واسلم ثم مات۔ (حکاہ حافظ فتح الدین ابن سید الناس فی السیرۃ)

قولِ سوم یہ ہے کہ سرکارِ کونین کی بعثت مبارک کے بعد رب تعالیٰ نے آپ کو زندہ فرمایا اور سرکارِ کونین ﷺ کی نبوت و رسالت پر ایمان لائے اور مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد پھر وفات پا گئے۔

اس قول کو حافظ فتح الدین ابن سید الناس نے روایت کیا ہے لیکن امام سیوطی فرماتے ہیں کہ یہ قول ضعیف و ساقط ہے۔ کیونکہ اس قول کے اثبات پر کوئی دلیل قاطع نہیں اور نہ ضعیف اور نہ کسی قوی حدیث میں اس کی سند ملتی ہے اور نہ ہی آئمہ کرام میں سے کسی نے قول فرمایا ہے اس لئے یہ قول ساقط ہے۔ ہاں بعض علماء شیعہ سے روایت ضرور ہے لیکن ان کا قول قابلِ قبول نہیں اس لئے علماء کرام اکثر اوّل و دوم قول کو روایت کرتے ہیں۔ اور ایرادِ سوم سے گریز کرتے ہیں کیونکہ انکا قول معتبر نہیں ہے۔ اور یہ قول ثالث امام فخر الدین رازی کے مسلک سے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ امام کا مسلک یہ ہے۔ ان آباءہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کلھم الیٰ

اٰدم کانوا علی التوحید ۔ کہ سرکار کے آباء و اجداد تا عہد آدم کل مومن تھے تو اگر اس قول کو
صحیح مان لیا جائے تو پھر یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ آباء شریفہ میں ایک "اَبَا" مشرک تھا اور یہ
بات دلائل قاطعہ سے باطل ہو چکی ہے ۔ خذ ہٰذا ۔
واللہ المعطی ۔ ومن اللہ التوفیق ۔ اللہ ناصر الہدایۃ لکلّ طالب صادق

مسلکِ دوم

مسلکِ دوم یہ ہے کہ آیاتِ بیّنات و احادیث مرویات اس بات پر دلالت کرتے ہیں
کہ عہدِ ابراہیم خلیل سے لیکر تا بعثت سید السفراء علیہ الصلوٰۃ والسلام تک جملہ ذرّیۃ ابراہیم خلیل مومن تھے
یعنی سر اللہ الاعظم کے آباء شریفہ تا عہد ابراہیم کل مومن تھے ۔ اور مطلقاً ان میں سے کوئی بھی مشرک نہ
تھا ۔ وہ آیاتِ بیّنات جو کہ اس مسلک کی توضیح پر دال ہیں تقریباً چودہ ہیں لیکن مختصراً یہاں
پر تین آیات پر اکتفا کرتا ہوں ۔ اور احادیث مبارک کو ہر آیت کی تفسیر میں بطور سند ذکر کرتا ہوں
تاکہ مؤمنین صادقین کے لئے دقیقہ نہ رہے ۔

آیت نمبر ا

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ
اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (پارہ ۱۳ س ابراہیم ع ۱۷)
(ترجمہ) اور جب ابراہیم نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار اس شہر کو لوگوں کے لئے امن کی جگہ بنا
دے اور مجھے اور میری اولاد کو اس بات سے کہ بتوں کی پرستش کرنے لگیں بچائے رکھ ۔ یعنی اہل مکہ کو
سب بلاؤں اور آفتوں سے امان میں رکھ ۔
تفسیر یعنی لفظ "واذ قال" میں جناب سر اللہ الاعظم کو خطاب ہے کہ یاد کر اس وقت کو
کہ جب خلیل اللہ نے بعد از فراغت بناء بیت اللہ ہمارے دربارِ مقدسہ میں یوں مناجات کی کہ
اس شہر مکہ مکرمہ کو امن والا بنا یعنی مکہ مکرمہ کے اہالیان کو امن والا بنا اس حیثیت سے کہ اس میں
ڈرانے والوں کا ڈر بھی نہ ہو اور ایذا پہنچانے والی اشیاء سے ایذا بھی نہ ہو مثلاً قتل و غارت
امراض منفرہ ۔ جیسے برص ۔ جذام وغیرہ ۔
اور اس آیت مبارک میں امن کا اسناد جو بلدہ کی طرف کیا گیا ہے یہ اسناد مجازی ہے ۔ کیونکہ

فی الحقیقت امن اہل بلدہ کے لئے ہے۔ اور نیز اس آیت مبارک میں رب تعالیٰ نے لفظ امن صادر فرمایا کہ حضرت خلیلؑ نے ہمارے دربار اقدس میں اس شہر کے امن کے لئے سوال کیا صحت کے لئے نہیں۔ کیونکہ عنداللہ امن صحت سے افضل ہے۔ اور دلیل اس کی یہ ہے کہ مثلاً ایک بکرا ہے اور اس بکرا کی پنڈلی شکستہ ہو جائے تو علاج کے بعد چند دن میں دوبارہ درست ہو جائیگا۔ اور چرنے کھانے پینے کے قابل ہو جائیگا۔ لیکن اگر درست شاۃ کو کسی جگہ باندھ لیا جائے اور قریب میں بھیڑیا بھی باندھ لیا جائے تو ڈر کی وجہ سے گھاس کے تناول سے رک جائیگا۔ اور چند دن میں بجائے درست ہونے ہلاک ہو جائیگا۔ اسی لئے تو خلیل اللہ نے رب تعالیٰ سے امن کا سوال کیا۔ صحت کا نہیں۔

واجنبنی وبنیّ کی توضیح لغات کی رُو سے یہ ہے۔ یقال جنبتہٗ۔ کنصرتہٗ واجنبتہٗ وجنبتہٗ۔ ای ابعدتہٗ کہ ان تمام لغات میں یہ لفظ وارد ہے اور تمام کا معنیٰ ہے دُور کرنا۔ دُور فرما مجھے اور میری اولاد کو اس بات سے کہ بتوں کی پرستش کرنے لگیں بچائے رکھ اور ثابت قدم فرما ہمیں اس مسلک پر کہ جس مسلک حقہ پر ہم قائم ہیں یعنی توحید۔ شریعت۔ حقانیت۔ اسلام وغیرہ)

دور رکھنا۔ یعنی

فقیر غفرلہ ولوالدیہ کہتا ہے کہ سیدنا ابراہیم خلیل نے یہ دعا و مناجات قاضی الحاجات کے دربار اقدس میں کیوں کی۔ اس لئے کہ فقیر کے عقیدہ میں انبیاء عظام عالم الغیب ہوتے ہیں۔ اور ابراہیم خلیل کی شان میں وکذالك نری۔ الایۃ کی تفسیر میں مَیں نے اپنی کتاب "الدولۃ المدنیہ" میں ثابت کر دیا ہے وہاں سے ملاحظہ فرمائیں۔

جب ابراہیم خلیلؑ نے اپنی کل ذریت پر تاقیام قیامت نگاہِ نبوت سے بغور دیکھا تو عمرو بن لحی کبیر خزاعہ کی کل گمراہی و وجلیت مجلّا و مکشوف ہوئی تو فوراً آپ نے اللہ جلیل و جبار کے دربار مقدسہ میں اپنی اولادِ صلبی کے لئے مناجات کی کہ اے حافظِ دینِ حقہ حنیفہ میری اولادِ صلبی کو تمام قسم کی جہالت۔ وجلیت۔ گمراہی۔ عبدۃ الاوثانی سے محفوظ و مامون فرما۔

قولہٗ وبنی سے یہی مفہوم مذکور بالا مراد ہے۔ فانہم لم یعبد احد منہم الصنم لاھی واحفادہٗ وجمیع ذریتہٖ تو جب ابراہیم خلیلؑ نے رب تعالیٰ کے دربارِ مقدسہ میں مناجات کی تو رب تعالیٰ نے اپنے فضلِ خداوندی سے آپ کی مناجات کو قبول

فرمایا اور آپ کی تمام ذریت کو تا عہد سر اللہ الاعظم تمام قسم کے شرک، بت پرستی، گمراہی وغیرہ گمراہیت سے محفوظ و مامون رکھا۔ اور سر اللہ الاعظم کے عہد سے بعد کا کیا حال ہے۔ اس مضمون سے ہماری بحث نہیں۔ مطولات میں دیکھو۔ رہا یہ سوال کہ انبیاء عظام شرک نہیں کیا کرتے تو آپ نے اپنے لئے کیوں دعا مانگی اور نیز حضرت اسماعیل و اسحاق اُولوالعزم رسول ہیں اُن کے لئے کیوں دعا طلب کی۔ اس سوال کا جواب علماء کرام نے دلائل قاطعہ سے اپنی اپنی تصانیف میں درج فرمایا ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ میں اختصار کی وجہ سے ترک کرتا ہوں۔ نیز ہمارے اس مدعا کو مزید روشن کرنے کے لئے ابن جریر نے اپنی تفسیر میں حضرت مجاہد سے اس آیت مبارک کے ذیل میں روایت کیا ہے۔ قال۔

حدیث ا۔ فاستجاب اللہ لابراھیم دعوتہٗ فی ولدہٖ فلم یعبد احدٌ من ولدہٖ صنماً بعد دعوتہٖ فی ولدہٖ واستجاب اللہ لہٗ و جعل ھٰذا البلد اٰمنا ورزق اھلہٗ من الثمرات وجعلہ اماماً وجعل من ذریتہٖ من یقیم الصلوٰۃ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ جلیل و جبار نے حضرت خلیل کی دعا کو اس کی اولاد کے حق میں قبول فرمایا۔ تو اس دعا کے بعد آپ کی اولاد نے مطلقاً بُت پرستی نہیں کی۔ اور نیز رب تعالیٰ نے آپکی دعا سے مکہ مکرمہ کو امن والا بنایا اور اہل مکہ کو رب تعالیٰ نے انواع ثمرات سے رزق عطا فرمایا اور حضرت ابراہیم کی اولاد میں رب تعالیٰ نے ہر زمانہ میں ایسے لوگ پیدا فرمائے جو کہ نماز کے پابند اور قوانین اسلام کے مطابق چلا کرتے تھے۔ انتہیٰ۔

حدیث نمبر ۲۔ بیہقی نے اپنی کتاب "شعب الایمان" میں حضرت وہب ابن منبہ سے وہ حدیث جو حضرت آدم علیہ السلام کے زمین کی طرف نزول کے متعلق ہے (یہ حدیث مبارک بطولہ بیت الحرام کے قصہ میں وارد ہے)۔ درج فرمائی ہے۔ تمام حدیث مبارک کو کتاب مذکور میں دیکھو۔

اس حدیث پاک میں رب تعالیٰ نے جو حضرت آدم علیہ السلام سے ابراہیم خلیل کے حق میں کلام فرمایا ہے وہ یہ ہے۔ واجعلہ امۃ واحدۃ قانتاً بامری داعیاً الیٰ سبیلی اجتبیہ واھدیہ الی الصراط المستقیم استجیب دعوتہٗ

فی ولده وذریته من بعده واشفعه فیهم واجعلهم اهل
ذالک البیت وولاته وحماته۔ الحدیث یعنی ذاتِ مطلق نے حضرت آدم کے
ساتھ شانِ خلیل میں کلام فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہاری اولاد میں حضرت خلیل
کو بہت بڑا درجہ عطا فرمایا ہے۔ یہاں تک کہ کر دیا میں نے ابراہیم خلیل کو امتِ واحدہ
اور بنا دیا میں نے اُس کو صابر و شاکر و قانت اپنے اوامر و نواہی میں اور میرے اس خلیل
کی وجہ سے ہمیشہ مخلوق کو میری احدیّت کی طرف بُلا رہا ہے۔ اور دلائلِ قاہرہ سے مخلوق کو
سمجھا رہا ہے۔ اور اے آدم میں نے خلیل کو خلّت کے لئے چُن لیا اور پسند کیا۔ اور میں نے اُس
کو صراطِ مستقیم کی کامل ہدایت کی۔ اور اے آدم مَیں نے اُس کی دعا و شفاعت کو اسکی اولاد
کے حق میں جو اُس کے بعد ہوں گے قبول کیا۔ اور کر دیا میں نے اولادِ ابراہیمؑ کو اہلِ بیت الحرام اور
وہاں کی حمایت کرنے والے اور نظام چلانے والے۔ انتہٰی۔

اور یہ حدیث مبارک حضرت مجاہد کے قول سے جو کہ قریب گذر گیا عین موافق ہے۔ کیونکہ اس
بات میں ذرہ بھر شک و شبہ نہیں کہ بیت اللہ شریف کی ولایت اور مکہ مکرّمہ کی سرداری سرکارِ
کونینؐ کے آباء شریف کے قبضۂ اختیار میں تھی (نہ کہ تمام اولادِ ابراہیمؑ کے قبضہ میں) یہاں تک کہ
بنو خزاعہ نے ان سے چھین لیا۔ لیکن بعد میں پھر انہی کے قبضہ میں آیا۔ کما سبق۔

حاصلِ حدیث

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ تمام اولادِ ابراہیم خیر پر قائم تھے کیونکہ عموم لفظِ حدیث اسی پر
دال ہے۔ تو آباء شریفہ کریمہ جن سے سلسلۂ نبوت جاری ہے اور نورِ نبوّت ان کی جبینوں میں
لامع ہے۔ تو قرناً بعد قرنٍ اُن کا خیر پہ قائم رہنا لازم امر ہے۔ کیونکہ اصل میں اصطفیٰ انہی کے لئے
عند اللہ مقرر ہے۔ اور ومن ذریتی میں من بعضیہ سے آباء شریفہ ہی مراد ہے۔
فافہم۔

حدیث نمبر ۲۳ (یہ ہے کہ)۔ ابن ابی حاتم نے حضرت سفیان بن عیینہ سے روایت کیا ہے فرماتے
ہیں کہ حضرت سفیان سے کسی شخص نے سوال کیا هل عبد احد من ولد اسماعیل
الاصنام قال لا الم تسمع قوله تعالیٰ وجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام۔

کہ حضرت اسماعیل کی اولاد میں کسی شخص نے بُت پرستی کی ہے۔ حضرت سفیان نے جواباً فرمایا نہیں کسی
مطلقاً کسی نے بھی بُت پرستی نہیں کی اور فرمایا کیا تم نے ذات واجب الوجود کا یہ حکمِ محکم نہیں سُنا۔
وجنبنی وبنی۔ الایہ۔ سائل نے پھر سوال کیا کہ حضور یہ دُعاء تو عام ہے۔ تمام اولاد
ابراہیم پر صادق آتا ہے تو پھر اولادِ اسحاق اور تمام فرزندانِ ابراہیم خلیل پر کیوں وارد نہ ہُوا۔ امام
سفیان بن عیینہؒ نے جواباً ارشاد فرمایا۔ اس لئے تمام فرزندانِ ابراہیم خلیلؑ اس دعا میں شامل نہیں
ہوئے کہ آپ نے دعا خاص مکہ مکرمہ کے لئے رب تعالیٰ سے مانگی تھی نہ کہ تمام بلدان کے لئے۔
اور ہماری اس بات پر رب تعالیٰ کا یہ قول قرینہ و دال ہے کہ حضرت خلیلؑ نے ہمارے دربار عالی
میں یُوں مناجات کی تھی رب اجعل ھٰذا البلد اٰمناً۔ کما سبق ذکرہٗ۔ نیز رب تعالیٰ فرماتا
ہے ربنا انی اسکنت من ذریتی بوادٍ غیر ذی زرعٍ عند بیتک المحرم
ربنا لیقیموا الصلٰوۃ اے پروردگار میں نے اپنی اولاد میدانِ مکہ میں، جہاں کھیتی باڑی نہیں
ہوتی تیرے عزت و ادب والے گھر کے پاس لا بسائی ہے۔ اے پروردگار تاکہ یہ نماز پڑھیں
اور ظاہر امر یہ ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل کی اولادِ صلبی میں سے کسی نے بھی مکہ مکرمہ میں سکونت نہیں
کی علاوہ اولادِ حضرت اسماعیل کے۔

امام اجل مجدد مأتہ تاسعہ سیوطیؒ۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ امام سفیان کے اس جواب سے صاف
واضح ہُوا کہ حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے کسی نے بھی بُت پرستی مطلقاً نہیں کی۔ اور نیز فرماتے
ہیں کہ امام سفیان بن عیینہ کوئی معمولی شخصیت نہیں کہ جس کے ارشاد کو ترک کیا جاسکے کیونکہ
ائمہ مجتہدین کرام سے ایک ہیں اور ہمارے امام شافعیؓ کے مشائخ سے ہیں۔

حاصل حدیث:۔ ثابت و متیقن ہُوا کہ اولادِ اسماعیل علیہ السلام میں ظہور سر اللہ الاعظم
تک تمام موحد و مومن تھے۔ فاحفظون ایھا الاخوان ھٰذہ الدلائل ولا تنسوا

آیت نمبر ۲

واذ قال ابراھیم لابیہ وقومہٖ اننی براءٌ مما تعبدون
الا الذی فطرنی فانہٗ سیھدین وجعلھا کلمۃً باقیۃً فی عقبہٖ
اور جب حضرت ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ جن چیزوں کو تم پوجتے

زبان سے بیزار ہوں۔ ہاں جس نے مجھ کو پیدا کیا ہے۔ وہی مجھے سیدھا راستہ دکھائے گا۔ اور یہی بات اپنی اولاد میں پیچھے چھوڑ گئے۔ (پارہ ۲۵ س زخرف ع ۸)

تفسیر:- جان تو اے برادر دینی! کہ رب تعالیٰ حضرت ابراہیم خلیلؑ کے حال کے متعلق دوسری آیت مبارک میں یوں ارشاد فرماتا ہے الذی خلقنی فھو یھدین۔ یعنی وہ ذات جس نے مجھے پیدا فرمایا ہے وہی مجھے سیدھا راستہ دکھائے گا۔ اور اس مذکورہ بالا آیت مبارک میں سیھدین فرماتا ہے۔

تو جب ان دونوں آیات میں تطبیق کر دیا جائے تو یوں پڑھنا پڑیگا۔ فھو یھدین و سیھدین۔ تو اس تطبیق و اجتماع آیات کے بعد اب ان دونوں الفاظِ مطہرہ کے معنی استمرار ہدایت ہوں گے۔ حال و استقبال دونوں میں۔ یعنی وہ ذات واجب الوجود اپنے فضل و کرم سے مجھے اور میری اولاد کو تا قیام قیامت علی الدوام ہدایت و صراط المستقیم پر قائم رکھے گا۔ ایسا نہیں کہ کسی وقت میری ذریّت سے ہدایت اُٹھ جائے۔ اور مستقیم راستے کی بجائے کج راہی اختیار کر جائیں۔ کیونکہ لفظ وجعلھا سے یہی مفہوم صاف ظاہر ہے۔ کہ حضرت ابراہیم خلیل نے کلمۂ توحید کی طرف ان کلمات میں اشارہ فرمایا۔ اننی براءٌ مما تعبدون تو یہ کلمات مبارکات قائم مقام ہیں لا الٰہ کے۔ اور رب تعالیٰ کا یہ قول مبارک جو کہ ابراہیم خلیل کی جانب سے حکایت ہے۔ الا الذی فطرنی تو یہ کلمات مبارکات قائم مقام ہیں الا اللہ کے۔ اذا عرفت ہذا۔

منقول کہ رب تعالیٰ کے دربار اقدس میں حضرت ابراہیم خلیل نے اپنی مناجات کو پیش کیا اور رب تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ابراہیم خلیل کی مناجات کو قبول فرمایا۔ جعل ھٰذہٖ الکلمۃ باقیۃً فی عقبہٖ ای فی ذریتہٖ تو اس لئے رب تعالیٰ نے کلمہ توحید کو حضرت ابراہیم خلیل کی اولاد میں تا قیام قیامت قائم دائم رکھا۔ فلا یزال فیھم من یوحد اللہ ویدعوا الی توحیدہٖ تو لا محالہ ضرور بالضرور ہر زمانہ میں سیدنا حضرت ابراہیم خلیلؑ کی اولاد میں موحد اشخاص موجود ہوں گے۔ جو کہ خود کامل مومن ہونے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو دعوتِ ایمان دیتے رہیں گے۔

اس آیت مبارک کی تفسیر سے روزِ روشن کی طرح روشن ہؤا کہ قیام قیامت سیدنا حضرت ابراہیم خلیل کی دعا اُن کی اولاد کے حق میں ذات واجب الوجود نے قبول فرمائی ہے۔ اور ضرور بالضرور لا محالہ ابراہیم کی اولاد میں مومن و موحد لوگ ہوں گے۔ و مدعا من ایں است۔

نتیجہ:۔ ثابت و کائن ہؤا کہ سلسلۂ نسب سرالله الاعظم تمام موحد و مومن تھے کیونکہ جب باخدا اشخاص کا ہر زمانہ میں ہونا حضرت ابراہیم خلیل کی اولاد میں ضروری ہؤا تو وہ باخدا اشخاص سلسلۂ نسب سرالله الاعظم سے ہی ہو سکتے ہیں بوجہ طہارت نورٌ من الله۔ فافہم۔

فقیر غفرلہ القدیر نے جو تفسیر اس آیت مبارک کی ذکر کی ہے اس تفسیر کی توضیح میں بکثرت احادیث وارد ہیں۔ لیکن میں بوجہِ اختصار صرف چہار پر اکتفا کرتا ہوں۔ و بالله التوفیق۔

حدیث (۱) عبد ابن حمید نے اپنی تفسیر میں اس آیت مبارک کی تفسیر میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ وجعلها کلمة باقیةً فی عقبه قال لا اله الا الله باقیة فی عقب ابراهیم۔ یعنی حضرت ابن عباس ارشاد فرماتے ہیں کہ اس آیت مبارک سے مراد کلمہ توحید ہے جو کہ حضرت ابراہیم کی اولاد میں ہمیشہ کے لئے باقی تھا اور باقی رہیگا۔

حدیث نمبر ۲۔ نیز عبد ابن حمید ابن جریر ابن منذر نے حضرت مجاہد سے مذکورہ بالا روایت کے عین مطابق روایت فرمایا ہے۔ یعنی لا اله الا الله اولادِ ابراہیم میں ہمیشہ قائم تھا اور قائم رہیگا۔

اور نیز عبد ابن حمید نے اپنی تفسیر میں حضرت قتادہ سے اس آیت مبارک کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ شہادت کلمہ توحید لا یزال فی ذریته من یقولها بعده۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اولادِ ابراہیم خلیل میں اخیر تک رہیگا۔

حدیث نمبر ۳۔ نیز عبد ابن حمید نے حضرت زہری سے اس آیت مبارک کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ آیت مبارک میں لفظِ عقب سے حضرت ابراہیم خلیل کی کل اولاد مرد و زن سب مراد ہیں۔ یعنی توحید و شہادت اولادِ ابراہیم میں سب میں قائم رہیگا۔ ایسا نہیں کہ مرد مومن ہوں اور عورتیں غیر مومن۔ یعنی زنانہ بھی مومنات ہوں گی۔

تو بدیں تقریر عیاں ہؤا کہ امہات سرالله الاعظم بھی تمام مومنات تھیں۔ کما سیأتی

اور نیز حضرت عطاء سے بے کم و کاست ایسا ہی مروی ہے۔

حدیث نمبر ۴۔ عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں حضرت قتادہ سے اس آیت مبارک کی تفسیر میں روایت کیا ہے۔ قال۔ الاخلاص والتوحید لا یزال فی ذریتہ من یوحد اللہ ویعبدہ کہ آیت مقدسہ میں (فی عقبہ) سے کلمہ توحید و اخلاص مراد ہے۔ کیونکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اولاد ابراہیم خلیل میں ایسے لوگ موجود ہونگے جو کہ اللہ جلیل و جبار کی وحدانیت کے قائل اور اس کے احکام و شرائع کے پابند اور عبادت الٰہی پر گامزن ہوں گے۔

اور نیز ابن منذر نے اور ابن جریج نے اس آیت مبارک کی تفسیر میں گذشتہ مضمون کے عین مطابق روایت کیا ہے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم کی اولاد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے فطرت پر قائم رہے گی۔ اور اللہ جلیل و جبار کی عبادت میں مصروف ہوگی۔ احکام و شرائع کی پابندی کرے گی۔ حتی تقوم الساعۃ۔ یہاں تک کہ قیامت قائم ہوجائے گی۔ یعنی قیامت قائم ہونے تک اولادِ ابراہیم خلیل میں ضرور موحد و مومن ہوں گے۔ (مسالک الحنفا صـ۳۱)

حاصل احادیث۔ احادیث مذکورہ بالا سے مجلّٰی و مکشوف ہوا کہ آباء شریفہ کل کے کل مومن کامل تھے۔ اور کوئی قرن و زمانہ منقضی نہ ہوگا مگر اولاد ابراہیم خلیل میں قلیل یا کثیر ایسے لوگ ضرور موجود ہوں گے جو کہ دین حنیفہ مسلمہ پر الیٰ یوم القیامہ قائم ہوں گے۔

اور کتبِ سیر میں بالتفصیل موجود ہے کہ عرب میں بکثرت اشخاص ایسے موجود تھے کہ جنہوں نے مطلقاً شرک نہیں کیا۔ کما سبق۔

حدیث شریف میں ہے لا تسبوا مضراً فانہ کان علیٰ ملۃ ابراھیم۔

ھذا ما لاح لی من التحقیق۔ وباللہ التوفیق

آیت نمبر ۳

ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک۔ اے پروردگار ہم کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھنا اور ہماری اولاد میں سے ایک گروہ کو اپنا مطیع بنائے رکھنا۔ پارہ ۱ س بقرہ ع ۱۵

تفسیر۔ اس آیت مبارک میں (مسلمین لک) سے حصر مراد ہے یعنی ہم ہر حالت میں

آپ ہی کے منقاد و فرمانبردار رہیں گے۔ کسی غیر کے نہیں۔ اور ہماری تقدیروں میں جو کچھ بھی آپ کے حکم محکم سے صادر ہو جائے ہم اس حکم کے سامنے سرنگوں ہونگے۔ اور رضا انقیاد میں رہیں گے۔ کیونکہ کمال سعادتِ عبد اس بات میں ہے کہ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے احکام قضا و قدر کے سامنے منقاد و فرمانبردار رہے۔ اور اس کا قلب مطلقاً غیر اللہ کی طرف میلان تک نہ کرے۔ اور یہی مراد ہے حضرت ابراہیم خلیل کے اس قول مبارک سے جیسے رب تعالیٰ حکایت فرما رہا ہے۔ (فانّھم عدو لی الا رب العالمین) یعنی رب العالمین کے سوا تمام ابراہیم خلیل کے عدو ہیں۔ اذا ثبت ہذا۔

نقول۔ تو حضرت ابراہیم خلیل نے اپنے استسلام اور اولاد کے استسلام کے لئے دعا کی۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبول بھی فرمایا۔ آپ تو خود اولوا العزم رسول ہیں اور جمیع شرائع اسلام پر آپ کا قائم رہنا اشد ضروری تھا۔ لیکن اصل میں دعا اولاد کے لئے تھی کہ میرے بعد جمیع شرائع اسلام پر قائم رہیں۔

اور رب تعالیٰ نے آپ کی دعا کو بدرجہ اجابت مقرون فرمایا۔ اس لئے آپ کی اولاد مطہرہ میں ہر قرن و زمانہ میں ایسے لوگ ہوں گے جو کہ جمیع شرائع اسلام پر عمل کریں گے۔ کیونکہ ظاہراً آیت مبارک اس بات پر دال ہے کہ جب آپ نے رب تعالیٰ کے دربار اقدس میں استسلام ذرّیہ کے لئے دُعا کی تو رب تعالیٰ نے قبول فرمائی اور رد نہ کی۔ اور اگر رب تعالیٰ دعا کو رد فرماتا تو دُعا کے رد پر کلام پاک میں تصریح موجود ہوتی لیکن ردِ دُعا پر تصریح مطلقاً نہیں۔ ثابت ہُوا کہ دعا قبول فرمائی گئی ہے تو جب دعا قبول فرمائی گئی تو لا محالہ یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ اولادِ ابراہیم خلیل میں ہر زمانہ میں موحد و مومن لوگ ضرور رہوں گے فہو المدعا۔

اور فقیر کی تصریح کے مطابق علامہ قفال نے بھی تصریح فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اولادِ ابراہیم خلیل میں ہر زمانہ و قرن میں ایسے لوگ ہوں گے جو کہ دین اسلام پر قائم ہوں گے اور جمیع شرائع اسلام پر عمل کریں گے۔ جب تک سلسلۂ نبوت جاری تھا تو ارسالِ رسل بھی حضرت ابراہیم کی اولاد میں ہوتی رہی۔ اور ایک بہت بڑے طائفہ کے متعلق جو دین حقہ پر قائم تھا گذشتہ اوراق میں اُن کا ذکر آچکا ہے۔ فارجع الیہ۔

سوال :۔ دُعا میں بخل کرنا ہے۔ ابراہیم خلیلؑ نے صرف اپنی اولاد کے استسلام کے لئے

رب تعالیٰ کے دربار اقدس میں دعا کی غیروں کے لئے کیوں نہ کی۔

جواب :- اولاد شفقت و مصلحت کے لئے زیادہ احق ہے۔ قال اللہ تعالیٰ قوا انفسکم و اھلیکم نارا۔ اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو اعمال صالح کے ذریعہ سے عذاب جہنم سے بچاؤ۔ تو ابراہیم خلیلؑ نے بھی اس حکم کے ماتحت اپنی اولاد کے لئے دعاء طلب کی۔

دیگر بات یہ ہے کہ جب انبیاء عظام کی اولاد خود ہدایت کاملہ پر قائم ہو جائے اور صالح نیکوکار ہو جائے تو ان کی صحبت سے دوسرے لوگ بھی صالح و نیکوکار ہو جاتے ہیں۔ مثلاً متقدمین علماء کرام و اہل اللہ عظام تمام اہل سداد تھے تو ان کے اتباع میں متاخرین بھی اہل سداد ہو گئے۔ تو بدیں وجہ ابراہیم خلیلؑ نے اپنے اہل کو سداد بنانے کے لئے مناجات کی تاکہ دوسرے لوگ بھی ان کی اتباع کریں اور تمام اہل سداد ہو جائیں۔ فافہم۔

اور نیز ابن جریر ابن ابی حاتم نے حضرت سدیؒ سے اس آیت مبارک کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ اس آیت مبارک میں "ذریہ" سے وقت دعا حضرت ابراہیم خلیلؑ نے ذریہ عرب کو مد خیال مبارک رکھا یعنی اصل میں دعا آپ نے اولاد عرب کے لئے کی ہے۔ اور یہ ظاہر امر ہے کہ عرب حضرت اسماعیل کی اولاد سے ہیں اور حضرت ابراہیمؑ کی تمام اولاد عرب نہیں ہے تو یہ اثر حضرت سفیان کے قول مبارک کا مؤید ثابت ہوا۔ کما سبق۔ آمدم برسر مطلب

حاصل کلام۔ امام سیوطی فرماتے ہیں کہ جو کچھ بھی آیات و احادیث اور آثار سے بیان ہو چکا ہے۔ ان تمام سے عیاں ہوا کہ سر اللہ الاعظم کے آباء شریفہ میں حضرت ابراہیم خلیلؑ کے عہد سے لیکر تا زمانہ حضور علیہ السلام مطلقاً کوئی مشرک نہ تھا بلکہ تمام موحد و مومن تھے۔

اور شامی نے اپنی کتاب سیرت میں اس قول کی نہایت تائید کی ہے اور فقیر کا بھی یہی عقیدہ ہے ان تمام دلائل و براہین سے امام فخر الدین رازی کا قول نہایت واضح و مجلا ہوا اور صدق و راستی میں یکتا ہوا۔ کما لا یخفی علی المحقق المدقق۔

واللہ الہادی۔ اللہ ناصر کل عالم تقی۔ و باللہ التوفیق۔ و ہو نعم الرفیق۔

وجہ سوم از سیوطی رضی اللہ عنہ وعنی

عزیزان من! آپ نے ما تقدمہ مضمون کو پڑھ کر یاد رکھا ہوگا کہ امام اجل مجدد مائۃ تاسعہ سیوطی

نے امام فخرالدین رازیؒ کا قول مبارک جوکہ ایمان آباد شریفہ طیبہ طاہرہ کے متعلق ہے" یہ کہ آباء شریفہ کل تا عہد آدم علیہ السلام تمام مومن تھے ان میں مطلقاً کوئی مشرک نہ تھا۔" نقل فرماتے ہوئے فرمایا تھا کہ میرے اس قول کی تائید میں تین وجوہ ہیں۔ دو وجوہ معاً والدین شریفین کو شامل کئے ہوئے ہیں۔ اور وجہ ثالثہ صرف والدہ طیبہ طاہرہ کے لئے خاص ہے۔ دو وجوہ کی تحقیق مع تبیین گزر گیا اور وجہ ثالث کی تحقیق یوں سمجھ لینا کہ ابونعیم نے اپنی کتاب (دلائل النبوۃ) میں روایت کیا ہے بطریق زہری ام سماعۃ بنت ابی رہم سے اور اس نے اپنی والدہ سے روایت کیا ہے فرماتی ہیں کہ مرض موت کہ جس میں سرکار کونینؐ کی والدہ ماجدہ بیمار تھی اور اسی مرض میں وفات پاگئی۔ اس کی علالت و بیماری کی حالت میں مَیں ان کے پاس عیادت کے لئے حاضر ہوئی۔ اور عالم غنوی میں سر اللہ الاعظم ابھی خوردسالگی میں تھے اور سرکار کی عمر اسوقت پانچ سال کی تھی مَیں نے دیکھا کہ سرکار اپنی والدہ ماجدہ کے سرہانے تشریف فرما ہیں تو سرکار کی والدہ ماجدہ نے شفقت و محبت کی بھری ہوئی نگاہ سرکار کی جبینِ مطہرہ پر ڈالکر دیر تک آپکی جبینِ مبین کو دیکھتی رہی۔ ازاں بعد آپ نے یہ اشعار پڑھے

بارك الله فيك من غلام ۔ يا ابن الذی من حرسه الحمام

نجا بعون الملك المنعام ۔ فوادی غداة الضرب بالسهام

بمائة من ابل سوام ۔ ان صح ما ابصرت فی المنام

فانت مبعوث الی الانام ۔ من عنده ذوالجلال والاكرام

تبعث فی الحل وفی الحرام ۔ تبعث بالتحقيق والاسلام

و دين ابيك ابراهام ۔ فالله انهاك عن الاصنام

ان لا تواليها مع الاقوام

ان اشعار شریفہ کے پڑھنے کے بعد پھر آپ نے ارشاد فرمایا۔ کل حی میت۔ وکل جدید بال۔ وکل کبیر یفنیٰ۔ وانا میتۃ وذکری باقٍ وقد ترکت خیراً وولدت طہراً ثم ماتت۔ یعنی تمام زندہ و جاندار اشیاء ضرور فنا ہونگے اور ہر جدید شے ضرور کہنہ ہوگا اور ہر عمر رسیدہ ضرور فنا ہوگا۔ اور مَیں خود مرنے والی ہوں لیکن میرا ذکر تمام جہان میں باقی رہیگا۔ کیونکہ رب تعالےٰ نے مجھے ایک پاک برگزیدہ فرزند جوکہ ہمہ خیر و برکت ہے۔ عطا فرمایا ہے۔ اور اس کامل خیر کی برکت

کی وجہ سے کل جہان میں میرا ذکرِ خیر جاری رہیگا - اور اس خیر و برکت کو میں دنیا والوں کے لئے چھوڑ کر جارہی ہوں۔

راویہ مذکورہ فرماتی ہیں کہ ان کلمات مبارکات کے بعد سرکار کونینؐ کی والدہ ماجدہ دامت عزتہا عند اللہ دارِ فانی سے تشریف لے گئیں - اور میں نے اسی وقت جنّات کے رونے کی آواز سُنی کہ سرکار کی والدہ ماجدہ کے فراق میں نوحہ کرتے تھے - اور بعض جنّات بطور مرثیہ اشعار پڑھتے تھے۔ جو کہ بعض ان ابیات میں سے میں نے حفظ کیا اور یاد رکھا - وھو ہٰذا - اشعار

نبکی الفتات البرۃ الامینۃ	ذات الجمال والعفۃ الرزینۃ
زوجۃ عبد اللہ والقرینۃ	امّ النّبی اللہ ذی السکینۃ
وصاحب المنبر بالمدینۃ	صارت لدی حفرتہا رھینۃ

انتھی الاثر

امام مسلمین و مفتی دین مبین شیخ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ دیکھا آپ نے یہ کلام سرکارِ کونین کی والدہ ماجدہ کے ایمان و دین حنیفہ حقّہ ابراہیمیہ پر صریح دلالت کرتا ہے کیونکہ اس کلام میں صریح بتوں کی پرستش سے نہی موجود ہے - اور نیز دین ابراہیم خلیل کے اتّباع کا اعتراف ہے اور رب تعالیٰ کی جانب سے سرکارِ کونین کو تمام مخلوقات کے لئے نورِ ہدایت و نورِ اسلام کے ساتھ مبعوث فرمانے کی گواہی دے رہی ہے - اور ایسے الفاظ کا صدور شرک سے منافی ہے بلکہ ایسے الفاظ کے صدور کے بعد شرک کا ظن قطعاً گناہ ہے تو جب شرک کا ظن گناہ ثابت ہوا تو لا محالہ ایمان کا یقین کرنا باعثِ ثواب ہوا - فافہم -

ثم انّی استقرأت امّھات الانبیاء علیھم السّلام نوجدتھن مومنات

اس اثر کی تفصیل و تحقیق کے بعد امام آگے چل کر فرماتے ہیں کہ میں نے جستجو کی اور انبیاء عظام کی امہات کو بنصوصِ قاطعہ مومن پایا -

فقیر کان اللہ لہٗ کہتا ہے کہ امام اور دیگر علماء اعلام نے بالتفصیل امہاتِ انبیاء عظام کے اسلام کا ذکر اپنی تصانیف میں کیا ہے - لیکن میں بوجہ اختصار صرف اشارات پر اکتفا کرتا ہوں -

وان کنت طالباً التفصیل فالیرجع الیھم -

تحقیقِ ایمان اُمہات انبیاءِ عظام علیہم السّلام

حضرت اسحاقؑ ۔ موسیٰؑ ۔ ہارونؑ اور عیسیٰؑ ان تمام انبیاءِ عظام کی اُمہات کا ذکر قرآن مقدس میں موجود ہے ۔ اور حضرت حوّا شیث علیہ السّلام کی والدہ کا ذکر بھی قرآن پاک میں موجود ہے اور ان آیاتِ مبارکات سے صاف عیاں ہے کہ یہ کل امہاتِ انبیاء مذکورہ مومن تھیں بلکہ بعض علماءِ کرام نے ان سب کے متعلق یہ جزم کیا ہے کہ یہ سب نبیہ تھیں (قبل بنبوتہن) لیکن محققین علماءِ کرام کا قول یہ ہے کہ یہ تمام مومنات تھیں اور نیز ہو سکتا ہے کہ یہ تمام اولیاء کرام ہوں ۔ اور فقیر کی تحقیق میں ایسا ہی ہے کیونکہ جب عمیق نگاہ سے غور کیا جائے تو ہر ایک سے بکثرت کرامات صادر ہوتی ہیں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی والدہ کا حضرت موسیٰ کو جلتے ہوئے تنور میں ڈالنا اور پھر صحیح و سالم نکال لینا ۔ اگرچہ اس مسئلہ میں روایات بکثرت ہیں لیکن ولایت کا اثبات بھی ہے ۔ اور حضرت عیسےٰ کی والدہ مریم کی نشست کی وجہ سے خشک کھجور کا تر و تازہ ہو جانا وغیرہ ۔ اور حضرت اسحاق کی والدہ کو فرشتوں کا بشارت دینا ۔ وغیرہ وغیرہ کرامات کہ جس کی تفصیل کی گنجائش نہیں ۔ تو ان حالات و کرامات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام امہات انبیاءِ عظام ، اولیاءِ عظام سے تھیں ۔ ھٰذا ما عندی واللّٰہ اعلم و علمہٗ اتم و احکم ۔ اور حضرت اسماعیل و یعقوب علیہما السّلام کی اُمّہات تو ان دونوں کے متعلق احادیث صریح موجود ہیں کہ ہر دونوں مسلمان تھیں ۔ اور ان کی اولاد کی امہات بھی مسلمان تھیں اور حضرت داؤد و سلیمان ۔ زکریا ۔ یحییٰ ۔ شمویل ۔ شمعون ۔ ذی الکفل علیہم السّلام کی امہات کے متعلق بھی احادیث موجود ہیں کہ سب مسلمان تھیں ۔

اور بعض مفسرین نے حضرت نوح و ابراہیم علیہما السّلام کی امہات کے متعلق جزم فرمایا ہے کہ یہ ہر دونوں مسلمان تھیں ۔ اور ابن حبان نے اپنی تفسیر البحر میں اس قول کو ترجیح دی ہے اور حضرت ابراہیم خلیل کی والدہ جس کا نام نوما تھا اور ارفخشد بن سام بن نوح کی اولاد سے تھیں علماء میں سے جم غفیر نے جزم فرمایا ہے کہ یقیناً مؤمنہ تھیں ۔ (حکاھا ابن سعد فی الطبقات)

اور نیز قبل گذر چکا ہے کہ حضرت نوح و آدم کے درمیان مرد و زن تمام مسلمان تھے ۔ کوئی اس زمانہ میں مشرک نہ تھا ۔ اسی لئے حضرت نوحؑ نے بوقتِ دُعا فرمایا رب اغفرلی ولوالدیّ

ولمن دخل بیتی مؤمناً۔ تو اس دعا سے صاف معلوم ہوا کہ آپ کے والدین مومن تھے۔ اور حضرت ابراہیم نے بوقتِ دعا یوں دعا کی۔ اے پروردگارِ عالم ربِ اغفر لی ولوالدی و للمؤمنین یوم یقوم الحساب۔ قیامت کے روز مجھے اور میرے والدین اور مؤمنین کو معاف فرما۔ تو اس دعا سے معلوم ہوا کہ آپ کے والدین مؤمن تھے۔

اور نیز حاکم نے اپنی کتاب (المستدرک) میں حضرت ابن عباس سے بسند صحیح روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ انبیاء بنی اسرائیل میں سے حضرت نوح۔ ہود۔ صالح۔ لوط۔ شعیب وغیرہ تمام انبیاء علیہم السلام کی امہات کل مومنین تھیں۔ کیونکہ تا بعثت سیدنا عیسیٰ روح اللہ تمام بنی اسرائیل دین و ایمان و اسلام پر قائم تھے۔ یہاں تک کہ جب عیسیٰ روح اللہ مبعوث ہوئے تو قوم بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ روح اللہ کی تکذیب کی اور اس تکذیب کی وجہ سے کافر ہو گئی۔

صاف واضح ہوا کہ امہات انبیاء عظام جو کہ قوم بنی اسرائیل سے قبل از بعثت عیسیٰ روح اللہ تھیں وہ تمام مؤمنات تھیں۔ کیونکہ وہ امہات انبیاء خود انبیاء عظام کی اولاد سے اور یا انبیاء عظام کی اولاد کی اولاد سے تھیں۔ لہٰذا حتماً و یقیناً وہ کل مؤمنات تھیں۔ اور ان کے علاوہ ابراہیم۔ اسماعیل۔ اسحاق۔ یعقوب وغیرہ انبیاء عظام کی امہات کا احادیث سے ثبوت موجود ہے کہ تمام مومنات تھیں۔

الحاصل۔ دلیل و نقل علماء کرام سے نے اثبات فرمایا ہے کہ تمام امہات انبیاء عظام مؤمنات تھیں۔ اور ظاہر امر اسی بات کا مقتضی ہے۔ اور پاک طینتوں پر یہی ظن غالب ہے۔ کیونکہ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ ھن لباس لکم و انتم لباس لھن۔ تو صورتِ زوجیت میں انبیاء عظام کی بیویاں انبیاء کے لئے بطور لباس اور انبیاء عظام ان کے لئے بطور لباس۔ اور پاک انسان ہمیشہ پاک و ستھرے لباس کو پسند کرتا ہے۔ گندہ لباس پسند نہیں کرتا۔ تو بنا بریں وجہ انبیاء عظام ظاہراً و باطناً کل آلائشوں سے پاک ہوتے ہیں۔ تو ان کے رفقاء حیات کے لئے بھی ظاہراً و باطناً کل آلائشوں سے پاک و صاف ہونا ضروری ہے۔ قال اللہ تعالیٰ الطیبات للطیبین والطیبون للطیبات۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے

پاک و نیک بیبیوں کو پاک و نیک مردوں کے لئے پیدا فرمایا ہے اور ایسا ہی بالعکس۔ اور کل
قسم کی پاکی و نیکی وغیرہ کل خوبیاں انبیاء عظام پر ختم ہیں۔ تو بدیں معنی وہ کل کمالات علاوہ
نبوت کے ان کی بیویوں میں ہونا اشد ضروری ہے۔ تاکہ پاک پاک کے ساتھ صورت لباس
میں ملاتی ہو۔ اور انبیاء عظام کی بیویوں میں کل کمالات کے لئے وہ نظیر بطور تمثیل کافی ہے
جو کہ سرکار کونین نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان اطہر میں ارشاد فرمایا
خذوا ثلثا دینکم عن هذه الحميراء کہ اے میری امت کے لوگو اپنے دین
کے اہم مسائل کا تیسرا حصہ علم اپنی والدہ ماجدہ حضرت عائشہ صدیقہ سے اخذ کرو۔ یعنی منازل
ولایت و علم میں آپ بام عروج تک واصل ہیں۔ جس قسم کا مسئلہ دینی قوانین میں درکار ہو اسی
مسئلہ کے سمجھنے کے لئے فتویٰ صحیحہ مطابق منشاء الٰہی حضرت عائشہ صدیقہ سے معلوم کرو۔

سر اللہ الاعظم کے ان کلمات مبارکات سے صاف واضح ہوا کہ انبیاء عظام کی بیویاں عالم و
فاضل ہوتی ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء کہ درحقیقت
جیسے حق عبودیت ہے علم کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ یعنی علم کے بغیر رب تعالیٰ کی کامل معرفت حاصل
نہیں ہوتی۔ اور یہ قاعدہ مسلمہ ہے لکل مجلس تاثیر کہ ہر مجلس کی تاثیر ضرور ہوتی ہے مثلاً

۱ - عورتوں کی مجلس میں نشست کی وجہ سے شہوت زیادہ ہو جاتی ہے۔
۲ - بدعقیدوں کی مجلس میں نشست کی وجہ سے عقیدہ فاسد ہو جاتا ہے۔
۳ - اسی طرح عالم کی مجلس میں نشست کی وجہ سے علم بڑھتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

قال اللہ تعالیٰ ان اللہ یحب التوابین و یحب المتطھرین۔ کہ
فی الحقیقت اللہ جل شانہٗ کے محبوب بندے وہ ہیں جو کہ ہر وقت توبہ و استغفار پڑھتے جائیں
سراً و علانیۃً۔ اور ہر وقت ظاہراً و باطناً کل منکرات سے پاک و صاف زندگی بسر کرتے
جائیں۔ آمدم بر سر مطلب۔

نتیجہ:۔ گزشتہ تقریر سے اظہر من الشمس ہوا کہ انبیاء عظام کی بیویاں ہر وقت
صحبت انبیاء عظام میں رہتی ہیں اور ان کے لئے تمام قسم کی خدمات بجالاتی ہیں۔ ان کو وہ صحبت
نصیب ہوتی ہے کہ امت کے افراد میں کسی غیر کو وہ صحبت نصیب نہیں ہوتی۔ تو وہ کمالات نبوت

رنگین ہو جاتی ہیں۔ وہ رنگ اتنا مضبوط ہوتا ہے کہ کسی ترکیب سے مفارقت قبول نہیں کرتا۔
اس تمثیل میں شیخ سعدی شیرازی نے کیا خوب فرمایا ہے:۔

گلے خوشبوئے در حمام روزے ٭ رسید از دست محبوبے بدستم
بگفتم با کہ مُشکی یا عبیرے ٭ کہ از بوئے دلاویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم ٭ ولیکن مدتے با گل نشستم
جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد ٭ دگر نہ من ہماں خاکم کہ ہستم

اور نیز وہ عالم فاضل ہو جاتی ہیں اور علم کے ذریعہ سے ایک لمحہ تک رب تعالیٰ کے احکام و قوانین سے خلاف ورزی نہیں کرتیں۔ ایک جانب سے شرفِ زوجیت نصیب اور دوسری جانب سے شرفِ مادریتِ انبیاء نصیب۔ کمال پہ کمال، ضیا پہ ضیا لامع۔ تو پھر کیسے ممکن ہے کہ امہات انبیاء عظام مؤمنات نہ ہوں۔ ہاں ہاں۔ یقین کرا ے لاالہ الااللہ پڑھنے والے کہ امہاتِ انبیاء عظام یقیناً مؤمنات ہوتی ہیں بلکہ اولیا ہوتی ہیں۔ تعجب کہ انبیاء عظام کی امہات کا یہ حال ہوا۔ کما ترا۔ تو پھر کیسے شک ہو سکتا ہے شانِ والدہ ماجدہ طیبہ طاہرہ سراللہ الاعظم میں کہ مؤمنہ نہ تھیں۔ نعوذ باللہ۔
ہاں ہاں۔ حتماً تسلیم کرنا پڑے گا کہ ام سراللہ الاعظم مسلمان تھیں بلکہ اولیاء تھیں۔ کیونکہ رؤیائے صادقہ جو کہ نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزء ہے تمام امہات انبیاءِ عظام رؤیائے صادقہ دیکھتی رہیں۔ جیسے خواب دیکھتا صبح کو عیاناً خواب کا واقعہ بلا حجاب سامنے نظر آ جاتا۔ اور سراللہ الاعظم کی والدہ ماجدہ کو جو رؤیاء صادقہ عالمِ قدس میں حالتِ حمل نورِ مبین کے نظر آتے رہے وہ بکثرت ہیں۔ مطولات میں دیکھو خصوصاً کتاب المعجزات امام سیوطی۔
اور میں نے والدہ ماجدہ سراللہ الاعظم کو اولیاء کیوں کہا۔ اس لئے کہ یہ قانون ہے کہ ظلِ شجر در اصل شجر نہیں ہوتا لیکن شجر سے جدا بھی نہیں ہوتا۔ تو شجر نبوت کا عکس ظلّ۔ وہ ظل ہی ولایت ہوا بس۔ مختصر الفاظ میں یوں سمجھ لینا کہ ظلِ نبوت نورِ ولایت ہوتا ہے۔
فقیر کے واردات میں حقیقت امر یہ ہے کہ در اصل ظلّ نبوت سراللہ الاعظم نے عہد

آدم سے لیکر تا زمانہ ظہور خود۔ ہزاروں کو انبیاء و اولیاء بنایا۔ یعنی اس ظلِ نورِ نبوت میں یہ تابانی تھی کہ جس تابانی سے جہاں روشن ہے۔ قال بُوصیری۔

فانّہٗ شمس فضلٍ ھم کواکبھا یظھرنا انوارھا للناس فی الظلم

اگر نورِ سرِّ نبوّت محمّد صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالمِ عنصر میں نمودار ہو جائے تو اس عالم کا حال دگرگوں ہو جائے۔ اس تفصیل سے قلم کو روکتا ہوں۔ اس زمانہ کے افرادِ انسانی میں اس کے سمجھنے کا مادہ نہیں۔

ہاں آپ نے کلامِ مقدسہ سے سُنا ہوگا۔ رب تعالیٰ شان کلیم میں ارشاد فرماتا ہے۔ ربّ ارنی اُنظر الیک۔ اے ذاتِ عطیّات مرادات چاہتا ہوں کہ آپ کے جمال مطہرہ کو بلا حجاب دیکھ لوں۔ جواب ملتا ہے۔ لن ترانی۔ اے کلیم دارِ دنیا میں اس نگاہِ ظاہرہ کے ساتھ میرا جمال دیکھنا ممنوع ہے۔ تُو نہیں دیکھ سکتا۔ ہاں۔ اے کلیم! تو نے سوال کیا۔ اور میرا قانون یہ ہے کہ سائل کے سوال کو رد نہیں کرتا۔ ولٰکن انظر الی الجبل فان استقرّ مکانہٗ فسوف ترانی۔ لیکن اے کلیم میں اپنے جمال کے کروڑوں پرتووں میں سے ایک ذرّہ طور کے سامنے کرتا ہوں۔ اگر طور اس جھلک کی تاب لا سکا اور اس کے سامنے ٹھہر سکا تو پھر اے کلیم تو بھی دیکھ لیگا۔ فلمّا تجلّی ربہ للجبل جعلہٗ دکاً وخرّ موسیٰ صعقاً۔ پھر ذاتِ مطلق نے اپنی تجلّیات میں سے ایک ذرہ طور کے سامنے کیا طور کا وہ حصہ دہشت کی وجہ سے ریزہ ریزہ ہوگیا۔ اور کلیم مدہوش زمین پر گر پڑا۔ فلما افاق قال سبحانک تبت الیک وانا اوّل المؤمنین کافی دیر کے بعد جب کلیم ہوش میں آیا۔ عرض کی اے پروردگارِ عالم پاکی ہے تیری ذات کے لئے۔ میں اپنے ایسے سوالوں سے رجوع و توبہ کرتا ہوں۔ اور دارِ آخرت میں عینِ سر . . . . کے ساتھ تیرا جمال مطہرہ دیکھنے پر سب سے قبل ایمان لانے والا میں ہوں۔ یعنے دارِ دنیا میں ظاہری آنکھوں کے ساتھ تیرا جمال دیکھنا محال ہے۔ اور اگر دیکھنے کی تمنا بھی کی جائے تو ہلاکت و فنا کا یقین کامل ہے۔ مثلاً سورج کے ساتھ براہِ راست ملنا ہلاکت کا سبب ہے۔ اسی طرح ذاتِ الٰہی کا دیدار دارِ دنیا میں بلا حجاب باعثِ ہلاکت ہے۔

رجوع کردم بمطلب خود

احباب من ما تقدمہ سطور میں میں تحریر کر آیا ہوں کہ تمام جہان کی یہ تابانی جو آپ کو نظر آتی
ہے یہ تمام ضیاء ظلِ نورِ نبوت سر اللہ الاعظم کی ہے۔ اور نورِ سرِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تابانی
یوم آخرت میں ظہور پذیر ہوگی کیونکہ حضور فرماتے ہیں انا من نور اللہ وکل شیئ من نوری
کہ میں اللہ تعالیٰ کے ذاتی نور سے پیدا شدہ ہوں اور کل اشیاء عرشِ معلیٰ سے تحت الثریٰ
تک تمام میرے نور سے پیدا شدہ ہیں۔

اس حدیث پاک پر غور کرنے سے صاف واضح ہوتا ہے کہ سرکارِ کونین کا نورِ مطہرہ دو
قسم پر ہے۔ (۱) ظلِ نورِ نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ (۲) سرِ نورِ نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔
قسمِ اوّل (قبل از فناءِ کائنات) تمام کائنات کے مجلّیٰ و روشن کرنے کے لئے ہے۔
یعنی سورج۔ چاند۔ سیارگاں۔ انبیاءِ عظام و اولیاءِ کرام ان تمام کی ضیاء ظلِ نورِ نبوت کی
ضیاء سے ہے۔ اس شق پر غور کرنے سے دوسرا شق آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ
جب ظلِ نورِ نبوت محمدی کی ضیا کا یہ عالم ہے کہ جہاں عقل سمجھنے سے دھنگ رہ جاتی
ہے۔ تو سرِ نورِ نبوت محمدی کا علم پھر سوائے ذات واجب الوجود کے کوئی نہیں جان سکتا۔
اس لئے حضور نے صدیق اکبرؓ سے ارشاد فرمایا کہ میرے رب کے سوا سرِ محمدؐ کو کوئی نہیں جانتا۔
تو اگر سرِ نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور اس عالم ظاہرہ میں ہو جائے تو جیسے کلیم اللہ ایک
معمولی جھلک سے بے ہوش ہو گئے اسی طرح تمام کائنات مدہوشِ عشقِ محمد صلی اللہ علیہ
وسلم ہو جائے۔ اور پیشِ آبروئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سربسجود ہو جائے۔ یا یہ کثیف عالم
دہشت کی وجہ سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔ اس لئے اس دارِ کثیف میں بردہ میں ظہور پذیر
ہوا۔ مثلاً سورج کا رُخ آسمان کی طرف ہے اور پشت زمین کی طرف۔ تو سورج کی پُشت
کی ضیا سے دنیا آباد ہے اور اہل دنیا کی منفعت اسی میں ہے۔ لیکن اگر سورج کا رُخ دنیا
کی طرف ہو جائے تو تمام دنیا ایک لمحہ میں جل کر راکھ ہو جائے۔ جیسے قیامت کے روز
دوسری زمین کی طرف جب سورج کا رُخ کر دیا جائے گا تو زمین انگارے کی طرح لال سُرخ
ہو جائیگی اور اس روز عاصیوں اور بدکاروں کے لئے ہلاکت پئے ہلاکت ہوگی اسی طرح

ظلّ نور نبوت سرکار اہل دنیا کی منفعت کے لئے ہے۔ اور لباس ہم جلسیت کی وجہ سے
مومنین پر رؤف و رحیم ہے لیکن اگر سرّ نورِ محمدؐ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم عالم دنیا میں ظہور پذیر ہو جائے
تو یہ عالمِ دنیا ہلاک ہو جائے۔ اس لئے جو جلوہ جس عالم کے لئے مقرر ہے اسی میں دیکھا
جائیگا۔

تنبیہہ

اب حضور سرّ اللہ الاعظم کے وجودِ مطہرہ پر نگاہ ڈالکر دیکھنا ہے کہ وجود مطہرہ کا عند اللہ
کیا شان ہے۔ وارداتِ الٰہی یوں ہے کہ حضورؐ کے جسد مطہرہ سے چہار تجلّیات نمودار ہوتی
ہیں۔ ۱۔ محمدؐ ابن عبد اللہ ابن عبد المطلب ابن ہاشم۔
۲۔ محمدؐ الرسول اللہ، حبیب اللہ ۳۔ محمدؐ نورٌ من نور اللہ
۴۔ محمدؐ سرٌ من اسرار اللہ۔

مثلاً ایک وسیع و عریض مکان ہے اور اس مکان کا ایک ظاہر اور دوسرا باطن۔ ظاہر مکان سے کامل
ترکیب کے ساتھ مکان کا کل حال بالتفصیل معلوم نہیں ہوتا۔ تاوقتیکہ مکان کا باطن بالتفصیل دیکھا
جائے اور اندرونِ مکان کے تین حالات ہیں۔ مثلاً دخول مکان کے بعد ایک دالان آتا ہے یہ
پہلا مرتبہ تفصیل کا ہے اسکے بعد برآمدہ آتا ہے۔ یہ دوسرا مرتبہ تفصیل کا ہوا۔ اس کے بعد مکان کا کمرہ
آتا ہے یہ تیسرا مرتبہ تفصیل کا ہوا۔ تو جب تمام مکان کا مشاہدہ اندرون بالتفصیل کیا جائے تو
اب ذرا غور کرنے سے مکان کی خوبصورتی و بہتری صاف مجلا و روشن ہو جاتی ہے۔ اب کسی اور
انسان سے اس مکان کی خوبصورتی کے متعلق پوچھنے کی مطلقاً ضرورت نہیں رہتی کیونکہ دیکھنے والے
نے خود دیکھ لیا ہے لیکن اگر اندرون مکان میں دخول کے بعد دالان کو دیکھ کر واپس مڑ کر نکل آئے
تو وہ انسان اتنا ہی مکان کا علم حاصل کر سکا اس سے زیادہ نہیں۔ اور اتنے ہی علم سے وہ
انسان نہ تو مکان کی خوبصورتی خود سمجھ سکتا ہے اور نہ بالتفصیل دوسروں کو سمجھا سکتا ہے۔
تو جتنا اس مکان کے علم سے وہ انسان خود جہل میں رہا۔ اتنا ہی بوقت سمجھانے کے دوسرے
لوگوں کو جہل میں گرفتار کر دیگا تو جو حکم متبوع کا وہی تابع کا۔ اسی طرح باقی رتبات کو خود ترتیب
دے کر سمجھ لیجئے۔

حاصل تنبیہ

اسی طرح یا اخی المسلم خوب یاد رکھ لینا کہ حضور کے جسد مطہرہ کے تقسیم اول میں دو مراتب ہیں
۱۔ مرتبہ ظاہر یعنی بظاہر بہ لباس بشری تشریف لائے۔ جیسے رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔
قل انما انا بشر مثلکم (الآیہ) اے حبیب فرما دیجئے کہ میں تمہارے جیسا
بشر ہوں۔

مرتبہ ظاہر پہ غور کرنے والوں اور عدم تفکر والوں کے دو گروہ ہو گئے۔

(گروہ اول)

کہ جیسے رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ مالھذا الرسول یاکل الطعام ویمشی
فی الاسواق۔ کہ یہ کیسا رسول ہے جو کہ ہماری طرح کھانا کھاتا اور بازاروں میں گھومتا ہے
تو گروہ اول جن کا زعم و گمان شانِ حبیب الرحمٰن میں یہ ہے کہ "محمد ابن عبداللہ۔ ابن عبدالمطلب
بن ہاشم۔ ہماری طرح بشر ہے۔ جیسے ہم بشر ہیں رسول نہیں ایسا ہی محمدؐ بھی بشر ہے رسول
نہیں کیونکہ یہ کھاتا پیتا ہے۔ بازاروں میں گھومتا ہے۔" تو جن لوگوں نے حضورؐ کی شان میں یہ
گمان کیا تمام قطعاً حتماً کافر ہو گئے۔ مثلاً ابوجہل۔ ابولہب وغیرہ وغیرہ ایسی زعم کرنے
والے تمام قطعاً حتماً کافر ہو گئے۔ یعنی تجلی اول پہ جازم ہو کر کافر ہو گئے۔

گروہ دوم:۔ ان کا زعم آیت مذکورہ بالا کے آخری جملہ پہ عمل کرنے سے یعنی "یوحیٰ
الی" پہ عمل کرنے سے گروہ اول سے علیحدہ ہو گیا۔ یعنی تجلی اول پہ جازم ہے کہ سرکار کونین ہیں
تو محمد ابن عبداللہ ہی۔ لیکن وحی ان پر ضرور اللہ جلیل و جبار کی طرف سے نازل ہوتی
ہے۔ تو جو وحی رب تعالیٰ کی جانب سے نازل شدہ ہے لامحالہ اس کو ہم تسلیم کرتے ہیں۔
لیکن اس کے علاوہ آپ کا اور کوئی منصب قابل قبول فی زمانہ نہیں اور نیز وحی میں بھی
قیل و قال کرتے ہیں۔ اور جواہر حدیث کا تو مطلقاً انکار کرتے ہیں۔ تو یہ لوگ جزم بالکفر
کی وجہ سے کفر میں رنگے گئے۔ کیونکہ جب تک سرکار کونینؐ کی تمام تجلیات کو تسلیم نہ کیا جائے
تو وہ انسان مطلقاً مومن نہیں ہو سکتا۔ تو جب مومن نہیں ہو سکتا تو نشق مخالف کو خود سمجھ لینا
مثلاً رافضیہ۔ مخذولیہ۔ چکڑالویہ۔ وغیرہ وغیرہ۔ ایسے زعم شانِ حبیب اللہ میں کرنے والے

تمام کفر کے لباس میں ملبوس ہیں۔ یعنی کافر ہیں۔

نتیجہ۔ جیسے مکان کی ظاہری بناوٹ پر نگاہ ڈالنے سے انسان اندرونِ مکان کی خوبیوں سے لاعلم ہے اور اس لاعلمی کی وجہ سے کل کمالات و خوبیوں سے جاہل ہے اسی طرح سرکار کونین کے ظاہر پر نگاہ ڈال کر بشر یقین کرنے سے کمالاتِ نبوّت سے جاہل ہے۔ نظیر کی صورت میں گمراہ۔ اصل کی صورت میں کافر تسلیم کرنا پڑے گا۔ فافہم۔

نمبر ۲ مرتبہ باطن

کما قال اللہ تعالیٰ قد جاءکم من اللہ نورٌ الایہ

تحقیق آیا تمہارے پاس ہماری جانب سے نور یعنی حضور علیہ السّلام جو نور ہیں اور کتاب روشن دیکھا آپ نے رب تعالیٰ سر اللہ الاعظم کے باطن کو نور سے خطاب فرما رہا ہے۔ ثابت ہوا کہ آپ کا باطن مطہرہ ہمہ نور تھا۔ ظاہراً پردہ رکھنے کے لئے بشریّت کا لباس پہنایا گیا۔ مرتبہ باطن غور و فکر کرنے والوں کے چار گروہ ہو گئے۔

گروہِ اوّل:۔ تجلی دوم کے پہلے جملہ پر جازم۔ یعنی محمدؐ رسول اللہ ہیں اور رسول کا کام ہے یا ایھا الرسول بلّغ ما انزل الیک کہ اے رسول آپ کا کام وحی پہنچانا ہے یعنی جو حکم میری جانب سے آپ پر بذریعہ وحی نازل ہوتا ہے اس کو مخلوق تک بے کم و کاست پہنچاؤ۔ اور اس کی تفسیر سے ان کو خوب آگاہ کرو۔

تو اس گروہ کی عقیدت میں رسالت کے علاوہ کوئی اور منصب جلیلہ آپ کا نہیں۔ یہاں تک کہ "یا رسول اللہ" وغیرہ التجاء سرکارِ کونینؐ کے دربارِ اقدس میں کرنا اس گروہ کی عقیدت میں شرک ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور بعض بعض بزرگانِ دین کے اشعار قطع و برید کر کے اپنے مسلک کی تائید میں ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً:۔

یاری از من مجو نہ از خیل و سپاہ — راز با من گو نہ با میر و نہ شاہ
ہرکرا یاری کنم برتر شود — ہرکرا دور افگنم ابتر شود

عوام الناس جو علم و عرفان سے دور ہوتے ہیں ان کی دجلیت میں گرفتار ہو جاتے ہیں

تو اس گروہ کا قانون فطری یہ ہے کہ آیاتِ بیّنات کا قطع و برید۔ احادیث مبارکہ کا قطع و برید

زوالِ بزرگانِ دین کا قطع و برید کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً ان اشعار کا کہ جن کا میں نے ذکر کیا ہے اصل میں یہ دراز قصیدہ ہے سیدنا خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کا کہ آپ نے بطورِ تمثیل حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں پڑھا ہے۔ ودخل معہ السجن فتیان یعنی جب حضرت یوسف جیل خانہ مصر میں تھے تو آپ کے پاس دو آدمی خواب کی تعبیر معلوم کرنے کے لئے آئے۔" تمام قصہ تفاسیر میں دیکھو" اخیر کا جملہ مبارک یہ ہے اذکرنی عند ربک یعنی جوان دونوں میں سے آپ کے علم میں ناجی تھا آپ نے اس سے ارشاد فرمایا کہ جب تم جیل خانہ سے رہائی پاؤ اور اپنے منصب پر دوبارہ مقرر ہو جاؤ تو میرا حال اپنے مالک بادشاہ کے پاس ضرور ذکر کرنا۔ اتنی سی بات تھی جو کہ پیغمبرِ خدا کی زبان مبارک سے صادر ہوئی۔ کما ورد حسنات الابرار سیئات المقربین۔ یہ قانون ہے کہ ابرار کی نیکیاں مقربین کے ہاں بدیاں ہیں چونکہ یوسف علیہ السلام مقرب من اللہ تھے۔ اس لئے آپ کا اتنا کہنا گناہ شمار کیا گیا۔ جس کے عوض میں بارہ سال آپ کو جیل خانہ میں گذارنے پڑے۔

ایک دن حضرت جبرائیل امین تشریف لائے اور رب تعالیٰ کا سلام پہنچایا اور کہا رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ کو شرم نہیں آئی کہ آپ نے بندہ کو اپنی خلاصی کے لئے کہا۔ تو صاحب خوب سمجھ لینا کہ خواجہ نے ایسے لوگوں کے لئے کہا جو کہ مقرب عند اللہ ہوں نہ کہ عوام الناس کے لئے۔ اور واقعہ یوسف میں حضرت یوسف ہی کو آپ نے مدنظر رکھ کر یہ اشعار پڑھے جو کہ اُولوالعزم رسول ہیں۔ تو حاصل کلام یہ ہوا کہ انبیاء عظام کے لئے رب تعالیٰ سے طلب اور عوام کے لئے انبیاءِ عظام و اولیاءِ کرام کا وسیلہ ضروری ہے۔ یا یوں سمجھ لینا کہ عوام کے لئے امداد اہلِ دل اور خواص کے لئے امداد از ذاتِ اللہ۔ فافہم۔

مثنوی: مگرگس ز امداد اہل دل تو مسید — کہ خوب مردم آگاہ عین بیداریست

نتیجہ یعنی گروہ اول جو کہ تجلی دوم کے پہلے جملہ پر جازم ہے یعنی محمد رسول اللہ ہے۔ فقط۔ تو ایسے لوگ تمثیل کی صورت ہیں گویا کہ مکان میں داخل ہو کر صحن سے واپس لوٹ آئے اور اندرون مکان کا مطلقاً علم نہ ہوا۔ تو ایسی عقیدت رکھنے والے تمام لوگ غیر مقلد کہلاتے ہیں تو چونکہ یہ لوگ سرکار کونین کے تزئینات کلی سے منکر ہیں تو ان لوگوں کے ایمان ناقص ہیں۔ اور نقص ایمان اگرچہ کفر

نہیں لیکن منجر الی الکفر ہے فافہم۔

گروہ دوم جو کہ تجلیٔ دوم کے ہر دونوں جملوں پر عامل ہیں یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ بھی ہیں اور حبیب اللہ بھی ہیں۔ لیکن تجلیٔ سوم سے انکار۔ یعنی نورٌ من اللہ سے انکار تو ایسی عقیدت رکھنے والے تمام لوگ اہل دیوبند کہلاتے ہیں۔ اور ان کے مانند اور اہل ظواہر۔

تمثیل کی صورت میں یوں سمجھ لینا گویا کہ یہ لوگ مکان میں داخل ہو کر برآمدہ تک تمام مکان کو خوب دیکھ چکے ہیں۔ لیکن کمرہ کے اندر رہ گئے اور اصل کمرہ کی خوب صورتی دیکھنے سے محروم رہ گئے تو چونکہ ایسے لوگ سرکارِ کونین کو نور کہنا کفر قرار دیتے ہیں۔ اور صریح آیت مبارک کے لفظ نور کی تاویلات کرتے ہیں۔ تو ان لوگوں کا ایمان مذبذبین بین ذالک ہے نہ یہ لوگ غیر مقلدین سے وابستہ اور نہ اہل سنت والجماعت سے وابستہ۔ یہ لوگ جس گروہ سے میلان کریں گے انکا وہی حکم ہوگا۔ مثلاً اگر غیر مقلدین کی طرف میلان کریں گے تو ان کا حال گذر گیا اور اگر اہل سنت والجماعت سے میلان کریں گے تو کامل مومن شمار ہوں گے۔

گروہ سوم تجلی سوم پر عمل پیرا ہیں اور وہ اہل سنت والجماعت ہیں کہ سراللہ الاعظم سے تمام رتبات کو تسلیم کرتے ہیں مثلاً علمِ غیب کلی۔ حاضر و ناظر۔ نورٌ من نور اللہ وغیرہ کل کمالات و رتبات کو دل و جان سے قبول کرتے ہیں۔

تمثیل کی صورت میں تمام مکان بمعہ کمرہ کل حالات کو خوب دیکھ کر ذرہ بھر شک و شبہ ان کے قلوب میں نہیں رہا۔ تو ایسی عقیدت رکھنے والے تمام لوگ کامل مومن ہیں۔

گروہ چہارم۔ انہی اہل سنت والجماعت میں سے تجلی سوم نورٌ من اللہ پر عامل اور عمل میں یہاں تک ترقی کر جاتے ہیں کہ نور کہتے کہتے نور میں غوطہ لگا دیتے ہیں اور نور میں فنا ہو جاتے ہیں۔ فناء کے بعد باقی بالنور ہو جاتے ہیں۔ تو تجلی چہارم سرٌ من اسرار اللہ تک واصل ہو جاتے ہیں اور پھر ان کے لئے سراللہ الاعظم کی شان میں ذرہ بھر خیرگی نہیں آتی کشف حجاب ہو جاتا ہے۔ لیکن شریعت کے کامل اتباع کی وجہ سے اس سر سے پردہ نہیں ہٹاتے کیونکہ سرِ مکرم سراللہ الاعظم سے اگر دارِ دنیا میں پردہ برطرف کر دیا جائے تو بجائے اس کے

مریدوں کو ہدایت ہو جانے تمام عالم گیر کی وجہ سے کافر و مرتد ہو جائیں گے۔ ایسے فسکتوا عنا
مسکتت عنہ الشرع ۔ تو ایسے کمال رکھنے والے لوگ ولی اللہ ہوتے ہیں اور ایسے
ولیوں کی شان میں خود سرکارِ کونینؐ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز جب تمام مخلوقات کا
گذر پل صراط پر سے ہوگا اور عجب گھبراہٹ اور وحشت کل مخلوقات پر طاری ہوگی۔ عین
اس حالت میں جب اللہ تعالیٰ کے ان مقدس بندوں کا گزر پل صراط پر ہوگا اور اپنی عشق و
محبت کی نار سے بھری ہوئی نگاہ جہنم پر دائیں بائیں ڈالیں گے تو طبقاتِ جہنم سے ندا آئیگی کہ
اے ولی اللہ! آپ تیزی سے تشریف لے جانا اور اپنے عشق کی نار کو ہماری جانب
متوجہ مت کرنا۔ ع۔ عشق آتشست کہ آتش دوزخ غلامِ اوست

فان نورك يطفی لهبی کیونکہ آپ کا نورِ بصر جو نورٌ من نور اللہ میں فنا ہونے کے
بعد حاصل ہوا ہے وہ نور ہمارے شعلوں کو يخ کر رہا ہے اور اگر یہی حالت رہی تو جہنمیوں
کو جہنم میں سزا کی بجائے راحت ملنے لگ جائے گی۔

کجا بود اشہب کجا تاختم

آمدم بر سرِ مراد۔ دیکھا آپ نے نور کی نورانی تجلیات میں فنا کے بعد جو درجہ نصیب
ہوتا ہے وہ محتاج مزید بیان نہیں کیونکہ بیان فرمانے والا خود ذات واجب الوجود اور محبوب
ذات واجب الوجود ہر دونوں ہیں۔

ع۔ آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

تو پھر اے مدعی ایمان بھائی غور و فکر کر کہ منبع نور و مرکز نور نورٌ من نور اللہ جن کے انوار لامع
کا کچھ حال بیان ہوا ورنہ بالکمال بیان انسان کے مقدور سے بالاتر ہے۔ کما قال سعدی

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر ÷ ما ہمچناں در اوّل وصفِ تو ماندہ ایم

کہ جس پشت میں وہ مدّت دراز سے ودیعت تھا اور پھر انتقال فرمانے کے بعد وقتِ
معہودہ تک جس بطن میں ودیعت تھا اور عالمِ ظہور میں جلوہ فرمانے کے بعد جس گود میں
بطورِ ودیعت پرورش پاتا رہا۔ حالانکہ جس گود مطہرہ میں بھی آپ نے پرورش پائی وہی
مرضعہ آپ کی جبین مبین کو دیکھ کر فوراً مسلمان ہو جاتی تھی مثلاً حلیمہ[1] سعدیہ۔ ثوبیہ[2] ام ایمن[3]۔ ان

نین مرضعات نے آپ کی جبین نازنین پر جب نگاہ ڈالکر دیکھا تو نور کی لائیں دونوں ابروؤں کے
عین وسط سے لامع ہوگئیں۔ اور تمام عالم اس نور میں ان کے لئے کشف و عیان ہوا تو وہ
تصدیق قلب سے مسلمان ہوگئیں۔ یعنی لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ پڑھ کر مشرف باسلام
ہوگئیں۔ تو پھر کیسے ممکن ہے کہ حضرت آمنہ بنت وہب ام النبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمان
نہ ہوتی ہونگی۔ بلکہ وہ یقیناً مسلمان تھیں۔ نور کے جلوے مادر و پدر ہر دونوں سے لامع تھے۔

کشفِ حال

یہاں پر ایک بات کے ذکر کرنے کی وجہ سے احباب کے لئے ایک مزید معلومات کا سلسلہ ہوگا۔ مثلاً صبح کو جب سورج نکلتا ہے اور سورج کی ضیاء دنیا پر پڑتی ہے تو تمام اشیا کا سایہ جانب مغرب ممتد ہوتا ہے۔ جیسے جیسے سورج بلند ہوتا جاتا ہے تو وہ ممتد سایہ سمٹتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ عین ظہیرہ میں سایہ اپنے اصل کے ساتھ بالکل ملاقی ہو جاتا ہے اور کسی جانب بھی مائل معلوم نہیں ہوتا۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس شئے کا سایہ مطلقاً نہیں ہے۔ بعینہٖ اسی طرح جب آفتابِ نور نبوت عہد آدم سے کائنات کے تجلی و روشن کرنے کے لئے طلوع ہوا۔ جیسے سرکار خود فرماتے ہیں انی عند اللہ لخاتم النبیین وان آدم لمنجدل فی طینتہٖ (احمد۔ طبرانی۔ حاکم۔ بیہقی) اور بلند ہوتے ہوتے یہاں تک کہ خیر ابوین کے ہاں طلوع و اجلال فرمایا۔ تو عین ظہور و اجلال کے وقت میں اس نور کا ظل مطلقاً نہ تھا کیونکہ وہ ظل طلوعِ آفتابِ نور کے بعد سمٹتا گیا اور ہر آباء علیہم کے اجزا تا عہد آدم اس نور کے ظل سے بنتے گئے۔ یہاں تک کہ آخیر میں ابوین کریمین باقی رہے تو جو باقی ماندہ ظل تھا اس سے ابوین کریمین بنائے گئے۔ فافہم۔

یقول الفقیر

نہ تھا معدوم سایہ سرّ اعظم ۔۔۔ تھے جلوے نور کے ابوین اکرم
ازل سے کر دیا تقسیم رب نے ۔۔۔ کہ ہوں ابوین جلوے نور اعظم
آدھے جلوے سے مادر کو بنایا ۔۔۔ آدھے جلوے سے شاہ اب اعظم

سرّ اللہ الاعظم کے سایہ مبارک کے انعدام کے متعلق حضرت امام اہل سنت والجماعت

شاہ احمد رضا شاہ صاحب بریلوی الرّحمت علیہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ فی الحقیقت سرکارِ کونین کا سایہ مبارک معدوم نہ تھا بلکہ قسّام ازل نے اس ظل مبارک کے دو حصّے کئے اور نے نفل بے چونی سے نصف حصہ سے امام حسن کو شرف عطا فرمایا۔ اور باقی ماندہ نصف حصّہ سے امام حسین کو زینت بخشی۔ یعنی اصل میں اس نور کے جلوے حسنین رضی اللہ عنہما تھے۔ کما قال۔

معدوم نہ تھا سایۂ شاہ الثقلین — اس نور کے جلوہ گاہ تھے ذاتِ حسنین

قسّام نے اس نور کے دو حصّے کئے — آدھے سے حسن بنے اور آدھے سے حسین

آگاہ ہوا ے برادرِ دینی کہ یہ تشریح جو کہ امام اہلِ سنّت نے فرمائی ہے۔ یہ تو امام کے واردات الٰہی تھے جو کہ آپ کے قلب مبارک پر ازلدن وارد ہوئی۔ مگر فقیر لاحہ اللہ القدیر کے واردات الٰہی جو کہ فقیر کے قلب پر ازلدن وارد ہوئے وہ ما تقدمہ سطور میں درج کر دئیے گئے اور نیز فقیر اس بات کا معترف ہے کہ واردات الٰہی کا انتہا نہیں اور سلف نے خلف کے لئے کافی معلومات کا ذخیرہ چھوڑ دیا ہے۔ اس میں غور و خوض کرنے کے بعد مزید معلومات ونکات از عالم الفناء اللہ فی الروع منکشوف ہو جاتے ہیں۔ واللہ یختص برحمتہ من یشاء۔ کما قال حافظ

فیض روح القدس ار باز مدد فرمائد — دیگران ہم بکنند آنچہ مسیحا مے کرد

حاصل وجہ سوم از سیوطی

برادرانِ اسلام! ما تقدمہ دلائل و براہین سے آسمان بلا غیم کی طرح صاف و روشن ہوا کہ امہات انبیاء عظام تمام مؤمنات تھیں اور ام نبی علیہ السلام بھی یقیناً مومنہ تھیں۔ بلکہ اپنے زمانہ میں ولیہ کاملہ تھیں۔ تاہم۔

ھذا التحقیق ما لاح لی واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ اللّھم ارنا الحق حقاً والباطل باطلاً۔

واللہ الھادی — وباللہ التوفیق — وھو نعم الرفیق — اللہ ناصر کل صابر شاکر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طریق سوم از فریق اوّل

طریق سوم یہ ہے کہ حق سبحانہ' و تعالیٰ نے سرکار کونین کے والدین ماجدین کو سرالتقالاعظم کی خاطر زندہ فرمایا اور دار دنیا میں عود کر کے واپس تشریف لائے۔ اور انہوں نے تصدیق قلب سے کلمۂ توحید پڑھا اور زمرۂ اہل ایمان میں داخل ہو گئے۔ اور اس کے بعد پھر دار فنا سے رحلت فرما گئے۔ یہ واقع احیاء حجۃ الوداع کے ایام میں واقع ہوا۔

اور جزم فرمایا ہے اس طریق سوم پر حفاظ محدثین میں سے ایک طائفہ کبیر نے اور دیگر ائمہ میں سے بھی ایک جم غفیر نے اس مسلک کو ترجیح دی ہے مثلاً ابوالحفص عمر بن شاہین بغدادی واعظ متوفی ۳۸۵ھ۔ حافظ ابوبکر خطیب بغدادی۔ سہیلی۔ قرطبی۔ محب الطبری۔ علامہ ناصرالدین ابن منیر وغیرہم۔

توضیح کلام

قال اللہ تعالیٰ لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم (پارہ ۱۱ سورہ توبہ ع ۵)۔

اے لوگو! تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں۔ تمہاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے۔ اور تمہاری بھلائی کے بہت خواہش مند ہیں یعنی چاہتے ہیں کہ امت روز افزوں ہر حالت میں کامیاب ہوتی رہے۔ اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے اور مہربان ہیں۔

اس آیت مبارکہ سے صاف عیاں ہوا کہ ذاتِ مطلق نے اپنے حبیب تاجدارِ عرب و عجم و کل ملکوت اللہ کو وہ شرف منزلت اپنے قرب خاص میں عطا فرمایا ہے کہ جہاں تک انسان کی عقل و وہم ادراک نہیں پہنچ سکتا۔ اور اس ذات واجب الوجود نے اپنے فضل لامتناہی سے آپ کا قدر مبارک بلند فرمایا۔ آپ کے براہین کو روشن فرمایا۔ پاک و طیب حسب و نسب میں آپ کا سلسلہ جاری فرمایا۔ اور بہترین ابوین سے یہاں آپ کا ظہور و اجلال فرمایا۔ آپ ہی کی خاطر رب تعالیٰ نے کونین کو پیدا فرمایا۔ تمام مومنین کے لئے آپ کو رؤف الرحیم بنایا اور ذات واجب الوجود نے آپ کو نبی الانبیاء کا رتبہ عطا فرمایا اور اس وقت آدم علیہ السلام ابھی

پیدا ہی نہ ہوئے تھے اور ذاتِ مطلق نے آپ کا اسم مبارک عرشِ اعظم پر اپنے اسمِ اعظم کے قرین تحریر فرمایا
تاکہ تمام کائنات پر آپ کا رتبہ و عظمت و فضیلت عیاں ہو جائے۔ جب آدم علیہ السلام نے
آپ کے وسیلہ کے بغیر چارہ نہ پایا اور جب آدم نے ذاتِ مطلق کے دربارِ اقدس میں آپ کا وسیلہ پیش کیا تو
رب تعالیٰ نے آپ کے وسیلہ سے آدم کی لغزش کو معاف فرمایا اور آدم کو عیاں کیا گیا کہ اے آدم
اگر وہ ذات پاک کو جس کا وسیلہ تو پیش کر رہا ہے اگر اس ذاتِ پاک کو میں ازل سے اپنا محبوب
مقرر نہ فرماتا تو تجھے بھی پیدا نہ فرماتا۔ یہاں تک کہ اپنے خدائی کو ظہور میں نہ لاتا۔ کما قال سعدی

ترا عزّ لولاک تمکین بس است ؛ ثنائے تو طٰہٰ و یاسین بس است

وکما قال شیخ عطار

از ثمے حق آمدی آدم توئی ؛ اصل کرمنا بنی آدم توئی
قبلۂ کل آفرینش آمدی ؛ پائے تا سر عین بینش آمدی

اور نیز رب تعالیٰ نے اپنے فضل کاملہ کے ساتھ آپ کو جنت کا مالک و مختار فرمایا۔ اور آپ کے
منشا و اختیار میں ذاتِ مطلق نے اس بات کو بھی داخل فرمایا کہ جنت میں سے آپ جسے چاہیں
راندہ کر دیں اور جسے چاہیں جنت کے مرغزار کا مالک و حصہ دار بنائیں۔ اور عہد آدم سے
لیکر تا زمانہ ظہور خود تمام سلسلہ نسب کو رب تعالیٰ نے پاک و مطہر بنایا۔ کسی قسم کا شرک
رشین مطلقاً ان سے صادر نہیں ہوا۔ (تعظیماً لشانک) اور آپ کے سلسلہ کو ہر زمانہ کے
اندر تمام اصول و فروع اپنے اپنے زمانہ میں خیر اہل زمانہ بنایا۔ جیسے گذشتہ ادلہ میں بیان ہو
چکا ہے کہ سرکارِ کونینؐ کے آباء شریفہ اپنے اپنے قرن میں بہتر بن اہل قرن خود تھے۔ کما قال
ابی الفضل ابن حجر۔

نبی الھدیٰ المختار من اٰل ھاشمٍ ؛ فعن فخرھم فلیقصر المتطاول
تنقل فی اصلاب قومٍ تشرفوا ؛ بمثل ما للبدر تلک المنازل

اور نیز ذاتِ مطلق نے تمام انبیاء عظام سے عہد لیا کہ اگر میرا حبیب سر اللہ الاعظم تمہارے
زمانہ میں ظہور پذیر ہو جائے تو البتہ تم کو ضرور ایمان لانا ہوگا اور ان کی نصرت کرنی ہوگی۔ اور اگر
انبیاء عظام سرکارِ کونین کے زمانہ کو پاتے تو البتہ ظاہراً باطناً ان کو سرکارِ کونین کی اتباع کرنا پڑتی

اس اتباع کے علاوہ ان کے لئے کوئی چارہ نہ ہوتا۔ اور نیز رب تعالیٰ نے آپ کو تمام مخلوقات کی طرف رسول بنا کر مبعوث فرمایا مثلاً انس۔ جن۔ ملائکہ۔ حیوانات۔ جمادات۔ شجر و حجر وغیرہ۔ کما قال اللہ تعالیٰ انی رسول اللہ الیکم جمیعاً۔ آپ ارشاد فرمائیں تمام مخلوقات کو کہ میں تمہارے تمام کی طرف اللہ جلیل و جبار کی جانب سے پیغمبر مبعوث ہوا ہوں۔ (پارہ ۹ سورۃ اعراف ع ۱۰) لیکون للعالمین نذیراً (پارہ ۱۸ سورہ فرقان ع ۱) ذات مطلق بڑی عظمت والی ذات ہے کہ جس نے یہ کتاب فرقان حمید اپنے بندہ جناب محمد الرسول اللہ پر نازل فرمایا۔ تاکہ تمام جہان والوں کے لئے وہ بندہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ڈرانے والا ہو۔ عالمین جمع عالم کی۔ عالم ماسوا اللہ تعالیٰ کے تمام عالم کہلاتا ہے اور تمام کی طرف سرکار مبعوث ہیں اور نیز رب تعالیٰ نے سرکار کونین کو ماتقدمہ تمام امتوں کے لئے بھی رسول بنا کر مبعوث فرمایا (وغیرہ کل الخلق)

ثابت ہوا کہ جمیع انبیاء عظام اور ان کی امتیں حضور کے امتی ہیں۔ اور سرکار کونین کی نبوت و رسالت کل کائنات کیلئے عام ہے۔ اسی لئے حضرت عیسےٰ قرب قیامت میں حضور کی شریعت کے مطابق نازل ہونگے۔ تو تمام شریعتیں جو کہ انبیاء عظام ماتقدمہ لے کر آئے ہیں۔ وہ تمام دراصل آپ ہی کی شریعتیں تھیں۔ اور جو احکام وغیرہ کل قوانین انبیاء عظام اپنی اپنی امتوں کو بیان کر چکے تھے وہ تمام آپ ہی کے احکام وغیرہ تھے۔ تو اس معنے و توضیح کے مطابق آپ نبی الانبیاء ہیں۔ ھکذا قررہ ذلک الامام البحر الذی لا تکاد تسمع الاعصار له بنظیر (المقامۃ السندسیہ ص ۱۲۳)

اور نیز سر اللہ الاعظم کے دست مبارک سے معجزات ہزاروں کی تعداد میں ظاہر ہو چکے ہیں جن کا ذکر اس مختصر سی کتاب میں ممکن نہیں۔۔ نیز آپ کو وہ خصائص عطا فرمائے گئے جو کسی اور نبی کو مطلقاً عطا نہیں ہوئے۔ کما قال بوصیری

وکلھم من رسول اللہ ملتمس   غرفاً من البحر او رشفاً من الدیم

اور نیز آپ کے معجزات و خصائص سے یہ بھی ہے کہ رب تعالیٰ نے آپ کی خاطر آپ کے والدین کو زندہ فرمایا۔ اور تمام آپ پر ایمان لے آئے۔ جیسے ذیل میں حضرت عائشہ صدیقہ

سے ہم بیان کرنے والے ہیں۔ اگرچہ یہ حدیث فی حد ذاتہٖ ضعیف ہے لیکن اہل علم اس خبر کو فضائل میں روایت کرتے چلے آئے ہیں۔ اور تمام انسانوں میں اس حدیث کو نشر کر چکے ہیں۔ اور اس حدیث کو آج تک کسی اہل علم نے پوشیدہ نہیں رکھا۔ بلکہ اس حدیث کو اہل علم سر اللہ الاعظم کی خصوصیات سے شمار کرتے ہیں۔ اور مناقب و کرامات میں اس حدیث کو سند یقین کرتے ہیں اور نیز اس حدیث کی سند تو بعض طرائق سے قوی بھی ہے مگر اہل علم مناقب و کرامات میں اس سے بھی اضعف حدیث کو قابل عمل و معتبر یقین کرتے ہیں۔ اس لئے یہ حدیث مبارک مندرجہ ذیل بھی یقیناً معتبر ہے (وہو ہٰذا)

تحقیق المقام

علماء کرام و محدثین عظام نے اس مسلک کی تائید و تحقیق میں اس حدیث پاک پر احتجاج کیا ہے جو کہ واقعہ حجۃ الوداع میں ہماری والدہ ماجدہ حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے۔

اس حدیث پاک کو ابن شاہین نے اپنی کتاب "ناسخ و منسوخ" میں اور امام قرطبی نے اپنی کتاب تذکرہ میں بدیں الفاظ روایت فرمایا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ حجۃ الوداع کے دوران سرکار کونینؐ نے ہمارے ساتھ حج وداع ادا فرمایا تو جب ہمارا گزر عقبۃ الحجون پر ہوا اور گزرنے کی حالت میں جب مَیں نے سرکارؐ کے چہرہ مطہرہ پر نگاہ ڈال کر دیکھا تو سرکار بہت زیادہ غمزدہ تھے اور حزن و غم کی وجہ سے آپ کے چشمان مبارک سے اشک باری ہو رہی تھی۔ تو جب سرکار کونین کو مَیں نے اس غم و حزن کی حالت میں دیکھا تو مَیں سرکار کے اندوہ و غم کو برداشت نہ کر سکی اور حضورؐ کے غم میں مَیں بھی رونے لگی۔ چند لمحات گزر جانے کے بعد سرکار کونینؐ ایک مقام پر سواری سے نیچے اتر گئے اور مجھے بھی نیچے اتار دیا۔ اور مجھے اونٹ کی مہار ہاتھ میں دیکر فرمایا (یا حمیرا استمسکی) کہ اے حمیرا اس مہار کو تھام رکھو۔ مَیں نے حضورؐ کے ارشاد عالیہ کے مطابق اونٹ کی لگام کو تھام رکھا۔ اور اونٹ کے ساتھ تکیہ لگا کر کھڑی ہو گئی اور سرکار کچھ دور فاصلہ پر تشریف لے گئے۔ (فمکث عنی طویلاً) اور کافی دیر کے بعد تشریف لائے۔ تو جب سرکار میرے قریب آپہنچے تو مَیں نے سرکار کو بہت زیادہ خوشنود و خرم پایا اور آپؐ مسکرا رہے تھے۔ مَیں نے

عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کہ جب آپ مجھ سے تشریف لے جانے لگے تھے تو بہت زیادہ غمناک و حزین تھے۔ اور آپ کے آنسو مبارک جاری تھے۔ تو جب میں نے حضورؐ کا یہ حال دیکھا تو میں بھی آپ کے غم کی وجہ سے رونے لگی۔ اور اب آپ واپس تشریف لائے تو آپ بہت زیادہ خوشنود و شاداں ہیں اور آپ مسکرا رہے ہیں۔ تو یا رسول اللہ! اس خوشی و شادانی کی وجہ کیا ہے۔ سرکارِ کونینؐ نے جواباً ارشاد فرمایا۔ ذهبت لقبر آمنة امى فسألت الله ربى ان يحييها فاحياها فآمنت وردها الله۔ اے عائشہ صدیقہ میں اپنی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کی قبر پر گیا اور اپنے رب سے سوال کیا کہ یا اللہ میری والدہ ماجدہ کو میری خاطر زندہ فرما۔ رب تعالیٰ نے میری دعا کو قبول فرمایا اور میری والدہ کو زندہ کیا۔ یہاں تک کہ وہ کلمہ توحید پڑھ کر مسلمان ہوگئی اور رب تعالیٰ نے کامل ایمان کے ساتھ دوبارہ عالم برزخ میں واپس لوٹا دیا۔

اور علامہ سہیلی نے اپنی کتاب (الروض الآنف) میں روایت کیا ہے کہ حضورؐ نے اپنے ہر دو والدین کے لئے رب تعالیٰ کے دربارِ اقدس میں دعا فرمائی تھی اور رب تعالیٰ نے ہر دونوں کو زندہ فرمایا تھا اور دونوں ایمان لانے کے بعد عالم برزخ میں واپس لوٹا دئے گئے تھے۔ اور بعض روایات میں حضرت ابو طالب اور عبد المطلب کے زندہ ہونے کے متعلق موجود ہے لیکن حضرت عبد المطلب کا حال تو تفصیل کے ساتھ گزر گیا ہے وہاں ملاحظہ ہو۔

اور نیز ایک روایت میں یوں وارد ہے کہ ایک دن سرکارِ کونینؐ اپنے والدین ماجدین کی قبروں پر بہت زیادہ شدت کے ساتھ روئے اور پھر آپ نے ایک خشک درخت کی خشک شاخ توڑ کر اس کے ٹکڑے والدین کی قبروں میں گاڑ دئے۔ اور اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ اگر یہ خشک شاخیں تر و تازہ ہوگئیں تو یقیناً یہ والدین کریمین کے ایمان و اسلام کی کامل نشانی ہے۔ فاخضرت ثم خرجا من قبرهما ببركت دعاء النبى صلى الله عليه وسلم واسلما ثم ادخلا تو اس ارشاد عالیہ کے بعد فوراً وہ خشک شاخیں سرسبز ہوگئیں اور والدین شریفین سرکارِ کونینؐ کی دعاء مبارک

...ے بزرگوں میں زندہ ہو گئے۔ اور عالمِ دنیا میں پھر تشریف لے آئے اور تصدیقِ قلب سے کلمہ توحید
...ڑھ کر مشرف بایمان ہو گئے اور پھر واپس عالم برزخ میں تشریف لے گئے۔
نیز حضرت شیخ شہیر بہ افنادہ آفندی ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ جاہلیت کے زمانہ میں یہ
...انون تھا کہ اپنے اصنام کے نام کے مطابق عبدۃ الاوصان اپنی اولاد کا نام رکھ لیا کرتے
تھے اور سر اللہ الاعظم کے والد ماجد کا نام مبارک عبداللہ اور والدہ ماجدہ کا نام آمنہ تھا۔
اور اسم "اللہ" مختص ہے صرف ذات باری تعالیٰ کے ساتھ اور جاہلیت کے زمانہ میں
بھی کسی مشرک نے اپنے بت کا نام "اللہ" نہیں رکھا۔ بلکہ بعض بتوں کا نام "لات" بعض
کا نام "عزیٰ" وغیرہ رکھا کرتے تھے۔ اور جب ان سے دریافت کیا جاتا تھا کہ زمین و آسمان
وما فیہا جو کچھ بھی اشیاء تمہاری منفعت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں یہ کس نے پیدا کئے ہیں تو
وہ لوگ جواب دیتے کہ یہ سب کچھ اللہ نے اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ پیدا فرمائے ہیں۔
پھر جب ان سے دریافت کیا جاتا کہ پھر تم ان بتوں کی پرستش کیوں کرتے ہو اسی کی عبادت
کرو کہ جس نے زمین و آسمان وغیرہ کل کائنات پیدا فرمائی ہے۔ تو جواب دیتے کہ ہم ان کی
عبادت اس لئے کرتے ہیں لیقربنا الی اللہ زلفیٰ تاکہ یہ اللہ جلیل و جبار کے دربار
اقدس میں ہماری سفارش کریں اور وہ اپنے نفس قدسیہ سے ہمارے اوپر رحم فرمائے
یہ تھا عقیدہ عام اہل جاہلیت کا۔ اور والدین ماجدین طیبین طاہرین اُن کا تو عقیدہ ہی دین
ابراہیمیہ حقہ پر قائم تھا بلکہ تمام سلسلۂ نسب جناب آدم علیہ السّلام تک۔ اس لئے تو سرکارِ کونین
کے والدین کریمین کے نام مبارک طریقہ ایمان پر رکھے گئے تھے۔ جیسے کہ لفظ اللہ سے صاف
ظاہر ہے کہ آپ عبد اللہ تعالیٰ تھے۔ یعنی آپ اللہ تعالیٰ کے فرمان بردار و عبادت گزار بندے
تھے اور والدہ کی شان میں بھی جیسے لفظ آمنہ سے صاف عیاں ہے۔ یعنی آمنہ آمن سے ہے۔
اور آمن کے معنی ہیں ہر قسم عصیان و عبادتِ اوصان سے پاک ہونا۔ یعنی آپ ہر قسم عصیان
سے پاک و بے عیب تھیں۔ انتہیٰ۔
فقیر غفرلہٗ ولوالدیہ ولجمیع احبابہ کہتا ہے کہ والدین شریفین پاک و بے عیب کیوں نہ ہوں
اس لئے کہ وہ نور کہ جس کی خاطر ذات واجب الوجود نے اپنی خدائی کا ظہور فرمایا۔ اسی نے اپنے

فضل بے چونی سے اپنے محبوب کے نورِ مبین کے انتقال کے لئے نسلاً بعد نسل تمام اصلاب و ارحام کو طاہر و مطہر بنایا۔ نظیر۔

یوں سمجھ لینا کہ جیسے فی زمانہ کئی واقعات آپ کے سامنے گذرتے ہیں اور وقتاً فوقتاً آپ ان واقعات کا معائنہ کرتے رہتے ہیں کہ جیسے ایک اُولوالعزم حکمران دوسرے اُولوالعزم حکمران کو اپنی مملکت کی سیر و سیاحت کے لئے مدعو کرتا ہے تو تاریخ معینہ سے قبل جن جن راستوں اور شاہراہوں سے اس مہمان عزیز کو گذارنا ہوتا ہے ان راستوں کو اُن کے آنے سے پہلے خوب صاف و ستھرا کر دیتے ہیں بلکہ شحنہ (پولیس) کا وہاں کامل پہرہ لگا دیتے ہیں تاکہ کہیں کوئی بد رَو ان راستوں کو خراب نہ کر دے۔ جب مہمان عزیز تاریخ مقررہ پر وہاں آوارد ہو تو ان تمام شاہراہوں پر جگہ جگہ پولیس متعین کر دی جاتی ہے اور کسی مشتبہ انسان کا ان راستوں سے گذرنا ممکن نہیں ہوتا۔ اور اس اولوالعزم مہمان کے (بوقتِ گزشتنِ راہ) آگے پیچھے ایک مضبوط باڈی گارڈ حفاظت کے لئے مقرر کر دیا جاتا ہے۔ تاکہ مہمانِ مکرّم کو بوقتِ سیاحت و گزر مطلقاً گزند کا خطرہ تک نہ رہے۔ ان عظیم انتظامات کے ساتھ وہ مہمانِ عزیز سیاحت کرتا کرتا آخری منزل تک جا پہنچتا ہے۔

حاصل نظیر۔ اسی طرح سرّاللہ الاعظم کا رُوح مطہرہ عالمِ ارواح کے اندر مدت دراز تک حکمرانی کرتا رہا۔ رب تعالیٰ نے چاہا کہ عالم عنصر میں بلباس عنصری بھی آپ حکمرانی فرمائیں تو رب تعالیٰ نے عالمِ ارواح سے عالم عنصر میں جن جن شاہراہوں سے آپ کے نورِ مبین کو گزارنا تھا۔ تمام کو خوب صاف و مجلاّ فرمایا اور انہی گذرگاہوں پر فرشتوں کا کامل پہرہ متعین کر دیا گیا اور ان گزرگاہوں پر خدا کا وہ عظیم بندوبست فرمایا گیا کہ جس کا اندازہ عقلِ انسانی سے وریٰ ہے۔ کیونکہ وہ گزرگاہ دراصل اصلاب آدم۔ نوح۔ ابراہیم وغیرہ تھے۔

کہ جب اللہ جلیل و جبار نے حضرت آدم کو پیدا فرمایا تو نورِ سرّاللہ الاعظم کو صلب آدم میں ودیعت رکھا اور سرّاللہ الاعظم کا نور سورج کی مانند آدم کی جبینِ مبارک میں لامع تھا اسی لئے تو فرشتوں نے آدم کے سامنے سجدہ کیا۔ وہ سجدہ کیونکر تھا۔ کیسے تھا۔ اس کی توضیح کا یہ مقام نہیں۔ بشرطِ فرصت پھر کسی وقت اس کی توضیح کے لئے قلم اٹھاؤں گا۔

اور حضرت حوا، کے ہاں ایک بطن میں دو بچے (لڑکا لڑکی) معاً پیدا ہوتے تھے۔ جب رب تعالیٰ نے چاہا کہ وہ نورِ مودوعہ صلبِ پاکیزہ آدم سے صلبِ پاکیزہ حضرت شیث علیہ السلام میں ودیعت رکھا جائے تو اس نورِ مودوعہ کی کرامت کی خاطر حضرت شیثؑ کو تنہا پیدا فرمایا۔ اور یکے بعد دیگرے وہ پاک نور پاک اصلاب وارحام کی شاہراہوں سے گزرتا ہوا خیر الابوین کے ہاں ظہور پذیر ہوا۔

تو اس توضیح کے مطابق نور سر اللہ الاعظم تمام کائنات کے وجود کے لئے علت غائیہ ہے تو سرکار کونین کا وجود شریفہ اور عنصر لطیفہ تمام موجوداتِ کونیہ میں سے افضل اور آپ کا روح مطہرہ تمام ارواحِ مطہرہ قدسیہ سے افضل اور آپ کا قبیلہ تمام قبائل سے افضل اور آپ کی زبان مبارک تمام زبانوں سے افضل اور آپ کی کتاب قرآن مقدسہ تمام کتابوں سے افضل اور آپ کے والدین ماجدین تمام آباء و اجداد سے افضل اور آپ کی آل اور اصحاب تمام آل و اصحاب سے افضل اور آپ کا زمانۂ ولادت تمام زمانوں سے افضل اور وہ مکان کہ جس میں آپ نے طلوع و اجلال فرمایا تمام مکانوں سے افضل۔ اور روضۂ منورہ جس مکان پر قائم ہے وہ مطلقاً تمام اماکن سے افضل اور وہ خاک جو کہ جسدِ مطہرہ کے ساتھ ملحق ہے تمام اماکن کی خاک سے افضل۔ کما قال بوصیری۔

لا طیب یعدل تربًا ضم اعظمہ ❊ طوبی لمنتشق منہ وملتثم

(ترجمہ) کوئی خوشبو اس خاک کی برابری نہیں کر سکتی۔ جو کہ حضورؐ کے جسدِ اطہر سے شامل ہے۔ خوش رہے وہ شخص جو اس خاک کو سونگھے اور بوسہ دے۔

مطلب:۔ سر اللہ الاعظم میں ایک وصفِ ذاتی یہ بھی تھا کہ ابتدائے ولادت سے خوشبو لگائے بغیر آپ کے وجودِ مبارک سے ایسی خوشبو آتی تھی کہ دنیا کی کوئی خوشبو اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کستوری یا عنبر کو بوئے رسول اللہ سے خوشتر نہ پایا۔ اور نیز فرماتے ہیں کہ جب سرکارِ کونینؐ مدینہ منورہ کے کسی کوچہ میں سے گزرتے تو بعد میں آنے جانے والوں کو اس کوچہ سے خوشبو آتی اور وہ سمجھ جاتے کہ اس کوچہ میں سے حضور کا گزر ہوا ہے۔ یہی بوئے خوش آپ کے روضۂ اطہر میں

بھی سرایت کر گئی ہے۔

روضہ مبارک ہی تو منبع خوشبو مدفون ہے۔ روضہ پر کیا منحصر ہے بلکہ مدینہ منورہ کے درودیوار سے خوشبوئیں آرہی ہیں جنہیں عاشقانِ جمالِ جناب محمد الرسول اللہ اپنے شامۂ محبت سے محسوس کرتے ہیں۔

حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ خاکِ مدینہ میں ایک عجیب مہک ہے جو کسی خوشبو میں نہیں اور یاقوت کا قول ہے کہ مدینہ منورہ میں لاتحصیٰ خصائص ہیں منجملہ ان خصائص کے اس کی ہوا کا خوشبودار ہونا ہے اور وہاں کی بارش میں بھی بوئے خوش ہوتی ہے جو کسی اور جگہ کی بارش میں نہیں ہوتی۔ کما قال شیخ عطارؒ۔

بطیب رسول اللہ طاب نسیمھا　　فما المسک ما الکافور وما المندل الرطب

(ترجمہ) رسول اللہ کی خوشبوؤں سے نسیم مدینہ خوشبودار ہوگئی۔ سو کیا ہے کستوری کیا ہے کافور کیا ہے عود و مندل تر و تازہ)۔ اور وہ پانی جو کہ آپ کے انامل کے درمیان سے جاری ہوا تھا مطلقاً تمام پانی سے افضل اور اس کے بعد آبِ زم زم افضل۔ کیونکہ شبِ اسریٰ آبِ زمزم سے قلب و سینۂ مطہرہ سر اللہ الاعظم کو دھویا گیا تھا۔ اگر زمزم سے افضل کوئی اور پانی ہوتا تو سرکار کے سینہ و قلبِ مبارک کے لئے اُسی پانی کو استعمال کیا جاتا۔ معلوم ہوا کہ زمزم کا پانی باقی تمام پانیوں سے افضل ہے۔ غرض سر اللہ الاعظم کے ہر ہر عضو مبارک کی افضلیت کا بیان ایک بحر ناپیدا کنار ہے اور عقلِ انسانی اس کے درک سے حیران ہے۔ فقط اے مؤمن مسلمان اتنا یاد رکھنا کہ وجود سر اللہ الاعظم ذات واجب الوجود کی جانب سے ایک عظیم ہدیہ اور تحفہ جسیمہ ہے۔ اور اس تحفہ و ہدیہ عظیمہ سے اعراض نہ کریگا مگر کافر و منافق۔ کما قال شیخ عطارؒ۔

خویشتن را خواجۂ عرصات گفت　　انما انا رحمۃ مہداۃ گفت

اللھم احفظ ایماننا بجاہ حبیبک الامی والحقنا باھل الحلم والکرم و یزکینا من سوء الاخلاق والشیم و منک العصمۃ و التوفیق الی سواء الطریق۔ وباللہ التوفیق

احباب ملت! سر اللہ الاعظم کے ہر ہر عضوِ مبارک کی افضلیت کا بیان لکھتے وقت طبیعت میں ایک عظیم ولولہ پیدا ہو جاتا ہے کہ ہر ایک مسئلہ کی توضیح کے لئے کثیر دلائل دراہین سلک تحریر میں منسلک کروں لیکن کتاب کی طوالت پیش نہیں جانے دیتی اس لئے قلیل بلکہ اقل قلیل پر اکتفا کرتا ہوں۔

میں ابھی ابھی حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت سے حدیث پاک احیاء والدین ماجدین سرورِ کونین کی شان میں ذکر کر کے آیا ہوں۔ اور اس حدیث پاک کو بعض علماء کرام نے موضوع کہا ہے مثلاً ابا الفرج ابن الجوزی وغیرہ۔ لیکن امام اجل مجدد مأتہ تاسعہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں تسامح ابن الجوزی فی کتابہ الموضوعات معروف نص علیہ ائمۃ الحدیث۔ ابن جوزی نے اپنی کتاب موضوعات میں مسامحہ کیا ہے اور یہ مسامحہ اس کا مشہور و معروف ہے۔ اور اس چشم پوشی پر ائمہ حدیث نے کافی مقامات میں گرفت کی ہے مثلاً علامہ ابن صلاح۔ امام نووی۔ قاضی القضات بدر الدین ابن جماعۃ وغیرہم رضی اللہ عنا و عنہم آمین۔

تفصیل نصوص ائمہ حدیث

علامہ ابن صلاح نے جابجا اپنی کتاب "علوم مشیرہ الیہ" میں ذکر فرمایا ہے کہ ابن جوزی نے اپنی کتاب "موضوعات" میں ایسی ایسی احادیث بیان کی ہیں جو کہ یقیناً بعض حسن، بعض ضعیف اور بعض صحیح ہیں۔ ان احادیث کو زمرۂ موضوعات میں درج کر چکا ہے اور انکو موضوع کہہ چکا ہے لیکن خود ابن جوزی کے پاس ان کے موضوع ہونے کی کوئی دلیل قاطع نہیں۔ یہی ہے ابن جوزی کی تسامح۔

اور امام نووی نے اپنی کتاب (تقریب) میں بھی ایسا ہی تحریر فرمایا ہے۔ اور حافظ زین الدین عراقی اپنے قصیدہ لامیہ میں فرماتے ہیں

واکثر الجامع فیہ اذ اخرج ؞ لمطلق الضعیف اعنی ابا الفرج

یعنی ابا الفرج ابن جوزی نے اپنی کتاب موضوعات میں جو کہ تقریباً دو جلدوں میں ہے۔ بعض احادیث کا اخراج موضوعات میں کیا ہے حالانکہ وہ احادیث موضوع نہیں بلکہ ضعیف وغیرہ ہیں۔ اور قاضی القضاۃ امام بدر الدین محمد بن ابراہیم سعد اللہ بن جماعۃ الکسانی شافعی متوفی

۲۲۷ھ نے اپنی کتاب (المنہل الروی، فی الحدیث النبوی) میں ارشاد فرمایا ہے کہ شیخ ابا الفرج ابن جوزی نے اپنی کتاب میں بعض احادیث کو ضعیف لکھا ہے لیکن فی الحقیقت وہ احادیث ضعیف نہیں بلکہ حسن و صحیح ہیں۔ اور شیخ الاسلام عمر بن ارسلان سراج الدین بلقینی شافعی متوفی ۸۰۵ھ نے اپنی کتاب "محاسن الاصطلاح فی تحسین ابن صلاح" میں بعینہ مذکورہ بالا مضمون کو ذکر فرمایا ہے۔ اور حافظ صلاح الدین علائی ارشاد فرماتے ہیں کہ متاخرین علماء کرام کے لئے یہ امر نہایت دشوار ہے کہ کسی حدیث کے متعلق وضعہ کا حکم نافذ کرے کیونکہ کسی حدیث کو موضوع مطلقاً نہیں کہا جا سکتا تاوقتیکہ اس حدیث کے تمام طرق کو جمع نہ کیا جائے اور اس کے متعلق کامل تفتیش نہ کی جائے۔

حدیث احیاء ابوین کریمین جس متن کے ساتھ کتب احادیث مبارک میں مذکور ہے اور پھر اس حدیث پاک کے راویوں کا حال کہ متہم بالکذب ہے یا نہیں یہ تفتیش کثیر قرائن کے بعد ایک حافظ متبحر کے لئے ممکن ہے اور جب کثیر قرائن بھی موجود نہ ہوں اور حکم نافذ کرنے والا حافظ متبحر بھی نہ ہو تو پھر تفتیش کیسے ممکن۔ اور چونکہ ابا الفرج ابن جوزی اس رتبہ کے علماء اعلام سے نہیں اس لئے اس سے کثیر احادیث میں مسامحہ ہوا ہے کہ اس نے بعض احادیث کو موضوع کہا اور حالانکہ وہ احادیث مطلقاً موضوع نہیں بلکہ علم حدیث میں ان احادیث کو برائے حکم ذکر کرنا اشد ضروری ہے۔ اور ابن جوزی صحیح و حسن احادیث کو موضوع لکھ رہا ہے۔ ھذا من الضرر العظیم مالا یخفی۔

اور متقدمین علماء اعلام جن کو رب تعالیٰ نے علم حدیث وغیرہ علوم میں متبحر فرمایا تھا اور دست علمی میں کمال تک پہنچے ہوئے تھے انہوں نے علم حدیث کی تحقیق میں نہایت جانفشانی سے کام لیا اور تدقیق و تحقیق کے بعد انہوں نے احادیث میں جیسا جیسا حکم نافذ فرمایا وہ قابل تحسین و آفرین ہے لیکن اتنے دراز واردات الٰہی کے بعد بھی بعض احادیث کے متعلق انہوں نے ارشاد فرمایا ہے لا اصل لہ کہ اس حدیث کا اصل نہیں۔ حالانکہ تتبع کے بعد ان کے ارشاد کے خلاف ثابت ہوا۔ کما قال اللہ تعالیٰ وفوق کل ذی علم علیم ط یعنی اللہ جلیل و جبار نے ہر ایک بلند و اعلیٰ عالم سے بلند درجہ اور اعلیٰ علماء کرام پیدا فرمائے ہیں۔

اور یہ سلسلہ اعلمیت کا بلند ہوتا ہوتا جناب سر اللہ الاعظم پر منتہی ہوتا ہے۔ کیونکہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" اور سرکارِ کونین کی ذات پاک کے بعد ذات واجب الوجود
کی شان ہے۔ اور اس کی شان وہ خود ہی جانتا ہے۔ کسی ممکن میں جاننے کی مجال نہیں جیسے
خود ارشاد فرماتا ہے ان اللّٰہ علےٰ کل شیئٍ محیط۔ وھو بکلّ شیئٍ علیم۔ اور
جیسے حضور والاظہور فرماتے ہیں لا احصی ثناءً علیک انت کما اثنیت علی نفسک
تو اگر وہ ذات واجب الوجود اپنے فضل وکرم سے کسی عالم ربانی کو مسائلِ غفیہ پر مطلع
فرمادے تو اس کے رحم وکرم سے کوئی بعید نہیں بلکہ نہایت قریب ہے۔
توحدیثِ احیاءِ ابوین کریمین کا علم گویا کہ متقدمین علماء کرام سے مخفی تھا اور کشف
فرمایا رب تعالیٰ نے متاخرین علماء کرام پر۔ ذالک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء اور
نیز علامہ زرکشی فرماتے ہیں کہ متقدمین علماء کرام نے بعض احادیث کے متعلق فرمایا ہے۔
کہ ان احادیث کا اصل نہیں لیکن تحقیق کے بعد امر ان کے قول کے خلاف ثابت ہوا۔
وفوق کل ذی علمٍ علیم۔
اور نیز حافظ صلاح الدین علائی قول مذکورہ بالا کو نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حافظ کا اعتراض
ابن جوزی پر مطلقاً صحیح ہے۔ کیونکہ موضوعات ابن جوزی میں ایسی احادیث ہیں کہ جن پر ترغیب وترہیب میں
استدلال جائز ہے۔ اور بعض احادیث تو مطلقاً صحیح ہیں اور بعض ائمہ کرام نے جزماً صحیح فرمایا
ہے جیسے کہ حدیث صلوٰۃ التسبیح ہے۔ علامہ محب الطبری فرماتے ہیں کہ حدیث صلوٰۃ
التسبیح کی حدیث کو ابن جوزی کا موضوعات میں ذکر کرنا عظیم خطا و نادانی ہے۔ اور
ابن جوزی کو یہ حق حاصل نہ تھا کہ صحیح حدیث کو موضوعات میں شمار کرتا۔ کیونکہ حفاظ و
محدثین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اپنی اپنی تصانیف میں اس حدیث کو صحیح سند
سے روایت فرمایا ہے۔ اور جیسے حدیث قرأت آیۃ الکرسی بعد از نماز کہ جس کو ابن جوزی
نے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔ حالانکہ اس حدیث پاک کو امام نسائی نے صحیح سند سے
روایت فرمایا ہے۔ اور حافظ شیخ ابن حجر کی کئی تالیفات ایسی ہیں کہ جن میں ابا الفرج
ابن الجوزی کی کتاب "موضوعات" پر کئی مقامات میں اخراج احادیث کے بارہ میں

سخت گرفت کی ہے۔ جن میں سے ایک کتاب القول المسدد فی الذب عن مسند احمد ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ ابن جوزی نے ایک عجیب و غریب وطیرہ اختیار کیا ہے کہ بعض احادیث مبارک کو موضوع کہہ دیتا ہے۔ حالانکہ وہ احادیث صحیحین میں موجود ہوتی ہیں اور یہ ابن جوزی کی سخت غفلت ہے جو کہ وہ کر چکا ہے۔ اور نیز شامی نے اپنی سیرت میں ذکر فرمایا ہے کہ ابن جوزی کی کتاب موضوعات کا میں نے کافی تتبع کیا تو اس کتاب میں میں نے بکثرت احادیث ایسی پائیں جو کہ فی الواقع موضوع نہیں بلکہ وہ احادیث سنن اربعہ صحیح مستدرک وغیرہ کتب معتبرہ میں بسند صحیح موجود ہیں۔ ان احادیث میں سے بعض ضعیف ہیں اور بعض حسن اور بعض صحیح اور حدیث احیاء والدین شریفین میں کثیر ائمہ کرام نے ابن جوزی سے مخالفت فرمائی ہے کما سبق۔

اور فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مبارک فی حد ذاتہ ضعیف ضرور ہے لیکن ضعیف حدیث کی روایت فضائل و اعمال و مناقب میں مطلقاً جائز ہے اور یہ ہے قول مفتی بہ اور اس قول پر جزم کرنے والے ائمہ کرام میں سے ایک جم غفیر ہے۔ منجملہ ان میں سے مندرجہ ذیل حضرات ہیں حافظ ابوبکر خطیب بغدادی۔ حافظ ابوالقاسم بن عساکر دمشقی۔ حافظ ابوالحفص بن شاہین۔ حافظ ابوالقاسم سہیلی صاحب الروض الانف۔ امام قرطبی۔ حافظ محب الدین طبری۔ علامہ منیر۔ حافظ فتح الدین ابن سید الناس وغیرہم رضوان اللہ تعالیٰ علینا و علیہم اجمعین۔

اور بعض علماء اعلام میں سے ایک عالم نے اسی حدیث مبارک کی طرف اپنی نظم میں اشارہ فرمایا ہے۔ اس خبر کے ذکر کرنے کے بعد کہ جب حضرت حلیمہ سرکار کونین ؐ کی خدمت اقدس میں تشریف لائی تھی اور جو کچھ سرکار کونین ؐ نے اپنی رضاعی والدہ کی قدر و منزلت فرمائی تھی۔ وقال

هذا جزاء الام عن ارضاعه ؛ لكن جزاء الله عنه عظيم
وكذالك ارجوان يكون لامه ؛ عن ذاك آمنة بدر نعيم
ويكون احياها الاله وآمنت ؛ بمحمد فحديثها معلوم
فلربما سعدت به ايضاً كما ؛ سعدت به بعد الشقاء حليم

یعنی سر اللہ الاعظم نے اپنی والدہ رضاعی کا جو حق خدمت ادا فرمایا اور نہایت عظمت و توقیر کے ساتھ اسکو اپنے پاس عالی مقام عطا فرمایا۔ یہ تو سرکارِ کونین ؐ نے اس خدمت کا بدلہ مائی حلیمہ کو عطا فرمایا جو کہ خورد سالگی میں اس نے سر اللہ الاعظم کی خدمت اپنی جان سے بھی زیادہ کی تھی۔ اور مشرف بایمان ہونے کے بعد قیامت کے روز سرکارِ کونین کی خاطر رب تعالیٰ مائی حلیمہ کو جو بدلہ و جزا عطا فرمائیگا وہ جزا تو شانِ خداوندی کے مطابق ہوگا۔

اور اسی طرح میں اللہ جلیل و جبار سے امید کرتا ہوں کہ سر اللہ الاعظم کی والدہ حقیقی حضرت آمنہ بنت وہب کو بھی بخاطر سرکارِ کونین ؐ رب تعالیٰ قیامت کے روز ایک عظیم اجر و منزلت عطا فرمائیگا جو کہ حضرت حلیمہ کی جزا سے بہت زیادہ ہوگا۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے سر اللہ الاعظم کی والدہ حقیقی کو حضور کی خاطر زندہ فرمایا اور وہ تصدیقِ قلب سے کلمۂ توحید پڑھ کر مشرف بایمان ہوگئیں اور یہ حدیث احیاء مشہور و معلوم حدیث ہے۔ تو سرکارِ کونین ؐ کی خاطر حضرت آمنہ نیک بخت ہوگئیں اور جنت کے مرغزار کی حقدار ہوگئیں کہ جیسے حلیمہ شقاوت کے بعد سعیدہ ہوگئی اور رب تعالیٰ کے احسانات کی حقدار ہوگئی۔

اور حافظ شمس الدین محمد بن ناصر الدین دمشقی متوفی ۸۴۲ھ اپنی کتاب "مورد الصادی فی مولد الہادی" میں حدیث احیاء کے ایراد کے بعد اپنے اشعار میں ذکر فرماتے ہیں۔ قال

حبا اللّٰہ النبی مزید فضل ❊ علیٰ فضلٍ وکان بہٖ رؤفاً
فاحیا امہٗ وکذا اباہ ❊ لایمان بہٖ فضلاً لطیفاً
فسلم فالقدیم بہ قدیر ❊ وان کان الحدیث بہ ضعیفاً

یعنی ذات واجب الوجود کی محبت سر اللہ الاعظم کی ذاتِ پاک کے ساتھ اس اندازہ پر ہے کہ ہر آن و ہر زمان میں فضل و رحم و کرم کی موسلا دھار بارش اپنے حبیب کی ذات پاک پر نازل فرماتا رہتا ہے اور اپنے محبوب پر از حد زیادہ رؤف و رحیم ہے۔ اس رحم و فضل کی وجہ سے ذاتِ مطلق نے آپ کی خاطر آپ کے والدین ماجدین کو زندہ فرمایا اور زندہ ہو کر ہر دونوں مشرف بایمان ہوگئے اور پھر واپس عالمِ برزخ میں لوٹا دیئے گئے۔
اے مومن مسلمان اس قول احیاء کو حتماً تسلیم کر۔ کیونکہ رب تعالیٰ احیاء موتیٰ پر قادر

ہے۔ اگرچہ اس احیاء کے بارہ میں حدیث ضعیف مروی ہے۔

برادرانِ اسلام مذکورہ بالا تقریر سے عیاں ہوا کہ ضعیف حدیث پر عمل مطلقاً جائز ہے جیسے کہ ائمہ اعلام نے تصریح فرمائی ہے کما سبق۔ اور اس حدیثِ پاک پر عمل سرکارِ کونین کی خصوصیات سے ہے۔ کیونکہ کل انبیاء عظام کو رب تعالیٰ نے جتنے معجزات عطا فرمائے ہیں وہ تمام معجزات سرکارِ کونین کے معجزات میں سے مستفاد ہیں۔ وہ کل معجزات آپ کے وجودِ مطہرہ میں موجود ہیں۔ بلکہ اس سے لاکھوں زیادہ۔ کما قیل۔

آنچہ بنازند بہ آں دلبراں ✿ جملہ ترا ہست زیادت بر آں

امام سہیلی و قرطبی فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ سے مطلقاً دور نہیں کہ رب تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے سر اللہ الاعظم کے والدین ماجدین کو زندہ فرمایا ہو کیونکہ ذاتِ مطلق ہر ایک چیز پر قادر ہے اور احیاء و ایمان والدین شریفین شرعاً و عقلاً ممنوع نہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں صریح موجود ہے کہ عہد موسٰے علیہ السلام میں جب ایک آدمی قوم بنی اسرائیل سے قتل کیا گیا تھا اور پھر قاتل کا علم مطلقاً نہ تھا تو رب تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مقتول کو زندہ فرمایا اور نیز حضرت عیسٰی روح اللہ کے دستِ مسیحی پر رب تعالیٰ نے ایک جماعت مُردوں کو زندہ فرمایا تھا۔

اور نیز ان لوگوں کا احیاء جو کہ موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے باہر نکل گئے تھے۔ قال اللہ تعالیٰ فقال لھم اللہ موتوا ثم احیاھم۔ الآیۃ۔

اور نیز حضرت عزیرؑ کے احیاء کا واقعہ قال اللہ تعالیٰ او کالذی مرّ علے قریۃ (الآیۃ)

ان واقعات سے ثابت ہوا کہ احیاء موتیٰ شرعاً و عقلاً جائز ہیں۔ فقیر نے ان واقعات کی طرف صرف اشارہ پر اکتفا کیا۔ تمام قصص تفاسیر میں دیکھیے۔ اسی طرح سر اللہ الاعظم کے دستِ شفا پر رب تعالیٰ نے ایک جماعتِ کبیرہ اموات کو زندہ فرمایا تھا۔ اور واقعہ احیاء ابوین شریفین بھی ان میں سے ایک نظیر ہے واذا اثبت ہذا اور جب احیاء موتیٰ کا مسئلہ ثابت ہوا تو بعد از احیاء والدین کریمین پر ایمان لانا کونسا

مشکل امر ہے بلکہ نہایت سہل و آسان ہے۔ اور یہ اُن کی کرامت و فضیلت کی کامل نشانی ہے۔
اور احیاء موتی سرکار کونین کی خصوصیات سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضور کو اس بات کا
اہل پیدا فرمایا ہے کہ جس کو چاہیں زندہ فرمائیں اور یا جیسے چاہیں ویسے اللہ تعالیٰ کی
رضی کے مطابق عمل فرمائیں۔ اور احیاء موتی تو ایک معمولی سی چیز ہے۔ رب تعالیٰ نے
سرکار کونین کو وہ فضیلت و کرامت عطا فرمائی ہے کہ جہاں تک انسانی عقل کام نہیں
کرسکتی۔ یقول الفقیر

مرا بکوچۂ جاناں رسید نست فقط ؛ کہ اندرونِ محل نیست عقل کار ندہ

اور نیز امام سہیلی نے اپنی کتاب روضہ کے ابتدا میں نقل فرمایا ہے کہ ایک دن سرکارِ کونین نے
حضرت فاطمۃ الزہرا سے ارشاد فرمایا لو کنت بلغت معھم الکدی ما رایت
الجنت حتیٰ یراھا جد ابیك حضور نے جد ابیک فرمایا۔ جدّک نہ فرمایا
اس حدیث سے صاف ثابت ہوا کہ والدین ماجدین یقیناً جنتی ہیں۔ اور اس حدیث
کو ابن جوزی نے موضوعات میں ذکر نہیں کیا اور نہ ہی اس کی جانب تعرض کیا ہے۔
اور اس حدیث مبارک نے ماتقدّم حدیث کو کامل تقویت بخشی۔ فافہم۔

اور علامہ ناصر الدین ابن منیر مالکی نے اپنی کتاب (المقتفیٰ فی شرف المصطفیٰ) میں
ذکر فرمایا ہے کہ سر اللہ الاعظم نے ایک کثیر جماعت موتی کو زندہ فرمایا تھا جیسے کہ حضرت عیسٰے
علیہ السلام مُردوں کو زندہ فرمایا کرتے تھے۔ اور حبیب اللہ تعالیٰ نے سرکارِ کونین کو کفار کے لئے
استغفار پڑھنے سے منع فرمایا تو سرکارِ کونین نے دعا کی اور رب تعالیٰ نے آپ کے والدین
شریفین کو زندہ فرمایا اور تصدیقِ قلب سے ایمان لائے۔ اور پھر مومنین کاملین واپس برزخ
لوٹا دیے گئے۔

اور امام قرطبی فرماتے ہیں کہ سر اللہ الاعظم کے فضائل و مناقب روز افزوں ترقی کی طرف
بڑھتے جا رہے ہیں اور ہر آن و ہر ساعت میں جو درجہ سرکار کونین کو رب تعالیٰ کی جانب
سے عطا فرمایا جاتا ہے وہ درجہ قبل کے درجہ سے ہزاروں درجے اعلیٰ و افضل ہوتا ہے
احیاء والدین شریفین بھی ان احسانات و اکرامات سے ہیں۔ جو کہ ہر ساعت میں رب

تعالیٰ آپ کو عطا فرماتا جا رہا ہے۔ اور یہ عطا کسی حد پر جا کر رُکے گی نہیں لاالیٰ النہایت بڑھتی جائے گی۔

اور نیز فرماتے ہیں کہ جس حدیث میں استغفار سے نہی وارد ہے یہ کہ ایک دن سرکار نے اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کی تو خود بھی سرکار پر رقت طاری ہو گئی اور ماحول والے بھی رونے لگے۔ اور سرکار کونین ؐ نے ارشاد فرمایا۔ استاذنت فی ان استغفر لھا فلم یؤذن لی واستاذنت ان ازور قبرھا فاذن لی فزوروا القبور فانھا تذکر کم الموت کہ میں نے رب تعالیٰ سے سوال کیا کہ میری والدہ کی معافی کے لئے استغفار پڑھنے کی مجھے اجازت فرما تو رب تعالیٰ نے مجھے اجازت نہ دی تو پھر میں نے زیارت کرنے کی اجازت طلب کی تو رب تعالےٰ نے مجھے زیارت کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔

تو اے میری امت کے لوگو! قبروں کی زیارت ضرور کیا کرو کیونکہ زیارتِ قبور سے موت یاد آتی ہے اور غفلت دور ہو جاتی ہے۔

اس حدیث مبارکہ میں جو کہ استغفار سے منع وارد ہے تو یہ حدیثِ مبارکہ احیاء سے قبل کی حدیث ہے کیونکہ یہ واقع عام الفتح میں واقع ہُوا۔ جیسے حدیث حضرت بریدہ میں ہے۔ اور احیاء والدین شریفین کا واقع حجۃ الوداع میں واقع ہُوا حدیث عائشہ صدیقہ کی دلیل سے۔ اس لئے علامہ ابن شاہین نے اس حدیث احیاء کو تمام اخبار ما تقدمہ کے لئے ناسخ مقرر فرمایا۔ یعنی اس حدیث مبارکہ کی وجہ سے تمام ما تقدمہ اخبار منسوخ ہو گئی ہیں اور اسی کا حکم قائم و نافذ رہا۔ (وذالک حسن جلی)

اور احیاء والدین شریفین کا واقع رب تعالیٰ نے اتنا مؤخر کیوں کیا اس لئے کہ حجۃ الوداع کے دوران الیوم اکملت لکم دینکم الایۃ نازل ہُوا کہ اے حبیب آج سے ہم نے دین کے کل قوانین واحکام پورے پورے آپ تک پہنچا دیئے اور آپ کے لئے دین کو کامل فرما دیا۔

تو چونکہ احیاء والدین شریفین کے لئے بھی کامل دین کا ہونا ضروری تھا۔ اس لئے رب تعالیٰ

نے اس واقعہ احیاء کو حجۃ الوداع تک مؤخر فرمادیا۔ اور جب دین کامل ہوا تو فوراً رب تعالیٰ
نے اپنے فضل وکرم سے ان کو زندہ فرمایا۔ اور سرکارِ کونینؐ نے ان کو کامل دین کی تلقین دے کر
کلمہ توحید پڑھایا۔ اور تمام لوازمات دین مؤمنین کے عالم بننے کے بعد واپس برزخ میں
مؤمنین کاملین لوٹا دیئے گئے۔ اور نیز ابن شاہین نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما
سے روایت فرمایا ہے کہ ملیکہ کے صاحبزادے سرکارِ کونینؐ کی خدمتِ اقدس میں آکر
عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! ہماری والدہ بڑی نیک تھی۔ جاہلیت کے زمانہ میں مہمان نوازی
غریب پروری کرتی تھی۔ وہ جاہلیت کے زمانہ میں وفات پاگئی تھی تو اس کا عند اللہ
کیا حال ہوگا۔

سرکارِ کونینؐ نے جواباً فرمایا کہ تمہاری والدہ جہنم میں ہے۔ یہ بات اُن پر شاق گزری
اور اٹھ کر جانے لگے۔ سرکارِ کونینؐ نے واپس بلایا اور ان کی تشفی کے لئے فرمایا کہ میری
والدہ بھی تمہاری والدہ کے ساتھ ہے۔ منافقین بیٹھے ہوئے تھے۔ آپس میں کہنے لگے۔
کہ یہ جو اپنے آپ کو حبیب رب العالمین کہتا ہے اس نے اتنا منفعت اپنی والدہ کو
پہنچایا جتنا منفعت ملیکہ کے صاحبزادے اپنی والدہ کو پہنچا سکے۔ یعنی مقصود منافقین
کا یہ تھا کہ جب سرکارِ کونینؐ اپنی والدہ کو تکلیف سے نہیں بچا سکتا تو اور لوگوں کو کیا
بچائے گا۔ اس بات کو انصار میں سے ایک جوان نے سُنا۔ سرکارِ کونینؐ کی خدمتِ اقدس
میں عرض کی۔ یا رسول اللہ۔ کیا آپ کی والدہ یقیناً جہنم میں ہے جیسے کہ منافقین کہہ
رہے ہیں۔ جناب سر اللہ الاعظمؐ نے جواباً فرمایا ما سألتھما ربی نیعطینی نیھما
وانی لقائم المقام المحمود۔ اور نیز اس حدیث مبارک کو حاکم نے اپنی کتاب
(المستدرک) میں بھی روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث مبارک صحیح الاسناد
ہے۔ فقیر کہتا ہے کہ اس حدیث مبارک میں غور کرنے سے تین فوائد برملا معلوم ہوتے ہیں۔

فائدہ اوّل

یہ ہے کہ حضورؐ نے ملیکہ کے لڑکوں سے فرمایا کہ میری والدہ بھی تمہاری والدہ کے
ساتھ ہے اور تتبع سے ثابت ہو چکا ہے کہ یہ حدیث احیاء والدین شریفین سے قبل

کی حدیث ہے۔ اس لئے احیاء والدین شریفین کا حدیث مبارک اس حدیث کے لئے
ناسخ مقرر ہوا۔ اور یہ حدیث مبارک، حدیث احیاء سے منسوخ ہوا۔

فائدہ دوم

نیز انصاری جوان کے جواب میں سرکارِ کونین نے فرمایا کہ اگر میں اپنے والدین ماجدین
کو اللہ تعالیٰ جلیل و جبار سے مانگ لوں یعنی اللہ تعالیٰ سے ان کے جنت میں داخل
ہونے کے لئے فیصلہ کروالوں تو البتہ اللہ تعالیٰ ضرور میری خاطر ان کو جنتی بنا دے گا۔
ثابت ہوا کہ سرالله الاعظم جانتے تھے کہ وقت معینہ پر اللہ تعالیٰ میری خاطر میرے
والدین کریمین کو ضرور زندہ فرمائے گا۔ اور وہ ضرور مشرف باایمان ہو کر جنت میں
میرے ساتھ داخل ہوں گے۔ (کما وقعہ ہکذا)

فائدہ سوم

یہ ہے کہ اصحابہ رضوان اللہ تعالیٰ عنا وعنہم کا یہ عقیدہ تھا کہ سرالله الاعظم کو رب تعالیٰ
نے اپنے قرب خاص میں ایک عظیم قدر و منزلت عطا فرمائی ہے اور رب تعالیٰ نے
آپ کو وہ خصوصیات عطا فرمائی ہیں کہ جن کا اندازہ بشر سے ممکن نہیں۔ اس لئے
اصحابہ کے عقیدہ میں یہ جائز امر تھا کہ سرکارِ کونین کسی وقت ضرور والدین کریمین کو اللہ
تعالیٰ سے بخشوالیں گے۔ اگر دنیا میں نہ ہوا تو قیامت کے روز مقام محمود میں کھڑے
ہو کر ضرور اللہ تعالیٰ سے والدین شریفین کو معاف کروا کر جنتی بنا دیں گے۔ تو جب
انصاری جوان نے سوال کیا تو سرکارِ کونین نے جواباً فرمایا کہ منافقین کو جلنے دو مقام
محمود تو میرے لئے خاص ہے۔ مقام محمود میں کھڑے ہو کر جس کو چاہوں گا اللہ تعالیٰ
سے معاف کروالوں گا۔ اور جس کو نہ چاہوں گا ان کو رہنے دوں گا۔ انتہیٰ۔
نقیر کان اللہ لہ کہتا ہے کہ اے دعوے کنندۂ ایمان! سرکارِ کونین کے عشق و محبت
میں ظاہراً و باطناً فنا ہو جا۔ اور باقی بعشق سرکارِ کونین ہو جا تاکہ سرکارِ کونین مقام محمود پر
تیرے چاہنے والے ہو جائیں۔ (فہو المراد) اور سرکارِ کونین کے نہ چاہنے والوں سے ہر وقت
پناہ مانگتا جا۔ کیونکہ جس کو سرکارِ کونین نے اپنے در سے راندہ کیا اس کے لئے نجات کا کوئی در

در نہیں۔ (نعوذ باللہ من غضب حبیبہؐ)

حاصل مطلب حدیث

یعنی سرکار کونین کا فی حد نفسہٖ یہ کامل ارادہ ہے کہ جس نے بھی سرکار کونینؐ سے رابطہ وقرابت داری قائم کی یقیناً تمام کو اللہ تعالیٰ سے ضرور معاف کروائیں گے۔ تو جب تمام عاشقین صادقین کے لئے یہ ارادہ ہے تو والدین کریمین کے لئے بطریق اَولیٰ ہوگا اور یہ ہے عقیدہ حقہ۔

اور نیز ابن سعد نے اپنی کتاب (الطبقات) میں حضرت عباس سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت عباس نے سرکار کونینؐ سے سوال کیا کہ حضور حضرت ابی طالب کی شان میں اللہ تعالیٰ کے در سے کیا امید رکھنا چاہیئے۔ جناب سراللہ الاعظم نے جواباً ارشاد فرمایا کل الخیر ارجو من ربی۔ کہ میں حضرت ابی طالب کے حق میں اپنے رب سے کامل امید رکھتا ہوں یعنی مجھے اپنے رب سے کامل امید ہے کہ میرا رب یقیناً حضرت ابی طالب کو میری خاطر معاف فرما دے گا۔

عزیزانِ اسلام! غور کا مقام ہے کہ حضرت ابی طالب نے بعثت کا زمانہ پایا تھا۔ اور حضور نے اسلام حضرت ابی طالب پر پیش بھی کیا تھا۔ لیکن اس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا تھا۔ اور حضور اس کی شان میں فرماتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ سے اس کی معافی کی امید کامل رکھتا ہوں (فالابویہ اولیٰ) فافھم۔ کما قیل

کسے را کہ سعی قدم بیشتر　　بدرگاہ حق منزلش بیشتر

اور نیز ایک روایت میں حضرت عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ ایک دن حضرت عباس نے سرکار کونین کی خدمت اقدس میں عرض کی کہ حضور حضرت ابی طالب نے آپ کی بہت زیادہ جانی مالی وغیرہ ہر قسم کی خدمت بجا لائی ہے تو کیا یہ خدمت جو ابی طالب نے آپ کی کی ہے۔ یہ خدمت برزخ و آخرت میں اس کو کچھ نفع پہنچا سکتی ہے یا کہ نہیں۔ جناب سراللہ الاعظم نے جواباً ارشاد فرمایا کیوں نہیں بلکہ یقیناً جس نے بھی میری خدمت جانی و مالی وغیرہ کی ہے۔ سبھی کو اس خدمت کی وجہ سے نفع پہنچے گا۔ اور

حضرت ابی طالب کا نفع یہ ہے ھو فی ضحضاح من النار ولولا انا لکان
فی الدرک الاسفل من النار کہ وہ جہنم کے ایک ادنیٰ طبقہ میں معمولی آگ میں
پا رہا ہے اور یہ نرمیٔ عذاب رب تعالیٰ نے میری خاطر فرمائی اور اگر میں نہ ہوتا تو ابو طالب
بدترین طبقہ جہنم میں سزا پاتا۔

اور طبرانی کی روایت میں حضرت ام سلمہ سے یوں وارد ہے کہ حارث بن ہشام یعنی
ابوجہل کا بھائی۔ حجۃ الوداع کے دوران سرکار کونین کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا عرض
کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہر وقت صلہ رحمی۔ غریب پروری۔ پڑوس نوازی۔
اور یتیم۔ مسکین۔ مہمان کے حقوق کی تاکید فرماتے ہیں اور یہ تمام خوبیاں ہشام میں موجود
تھیں تو یارسول اللہ آپ کا ہشام کے حق میں کیا فرمان مبارک ہے۔ آیا یہ خوبیاں اس
کے کام آئیں گی یا نہیں۔ جناب سر اللہ الاعظم نے جواباً ارشاد فرمایا کل قبر لا یشھد
صاحبہ لا الہ الا اللہ فھو جذوۃ من النار وقد وجدت عمی
اباطالب فی طمطام من النار فاخرج اللہ لمکانہ منی واحسانہ
الی فجعلہ فی ضحضاح من النار۔ کہ اے حارث ہر وہ قبر کہ جس کے صاحب نے
لا الٰہ الا اللہ کا اقرار تصدیقِ قلب سے نہ کیا ہو وہ قبر آگ کا ایندھن ہوتی ہے۔
اور نیز میں نے اپنے چچا ابی طالب کو جہنم کے سخت طبقہ آگ میں پایا۔ لیکن رب تعالیٰ نے
اس کو میری قرابت و احسانات کی وجہ سے جو کہ اس نے دارِ دنیا میں مجھ سے کئے تھے اس سخت
طبقہ جہنم سے نکال کر ایک معمولی مقام میں کہ جس میں بمقدار ڈھلنے قدموں کے آگ ہے منتقل
فرمایا۔ اور نیز ایک روایت میں یوں وارد ہے۔ ان الکافر یخفف عنہ العذاب
بالشفاعۃ کہ شفاعت کی وجہ سے کافر پر عذاب خفیف و نرم ضرور ہو جاتا ہے
اور نیز ایک روایت میں موجود ہے کہ فرمایا سرکار کونین نے اذا کان یوم القیامۃ
شفعت لابی و امی وعمی ابی طالب واخ لی کان فی الجاھلیۃ کہ قیامت
کے روز میں اپنے والدین اور چچا ابی طالب اور اپنے رضاعی بھائی کی شفاعت ضرور کروں گا
توضیح مقام:۔ اے طالب صادق جان تو کہ یہ مسئلہ تحقیق تک پہنچ چکا ہے کہ

مائی حلیمہ اور اس کی اولاد تمام مسلمان ہو گئے تھے۔ اور ابوین شریفین کو رب تعالیٰ نے زندہ فرما کر مشرف بایمان فرمایا۔ اور نیز حضرت ابی طالب یا تو عند الموت ایمان لا چکے تھے جیسے کہ روایت ابن اسحاق میں موجود ہے اور یا اس کو بھی سرکار کی خاطر رب تعالیٰ نے زندہ فرمایا تھا اور ایمان لا کر مشرف بایمان ہو گیا تھا تو یہ احادیث مبارک کہ جنکا اوپر ذکر ہوا یہ تمام قبل از احیاء کی ہیں۔ اور والدین کریمین اور عمّ اکرم کا زندہ ہو کر ایمان لانا یہ سرکار کونین ؐ کی خصوصیات سے ہیں تو قول اللہ تعالیٰ۔ فما تنفعهم شفاعة الشافعين پر منقض نہیں ہوتا۔ کیونکہ خصوصیات حکم سے رتبہ میں بالا و بلند ہوتی ہیں۔

ثابت ہوا کہ ابوین کریمین اور حضرت ابی طالب تمام زندہ ہو کر ایمان لائے اور کامل ایمان کے ساتھ دوبارہ عالم برزخ میں لوٹا دیئے گئے (خذ ہذا)

قبل کی سطور میں جیسے کہ میں تحریر کر آیا ہوں کہ حضور فرماتے ہیں کہ جس نے بھی میری خدمت کی ہے اس کو اس کی خدمت ضرور نفع دے گی قلیل یا کثیر۔ اس کے ثبوت کے لئے ایک نظیر پہ اکتفا کرتا ہوں۔ مثلاً :۔

ابولہب جس کا کفر نص قرآنیہ سے ثابت ہے لیکن سر اللہ الاعظم کی خاطر اس کو قعر جہنم میں سرد پانی کا پیالہ ملتا ہے۔ واقعہ یوں ہوا کہ ثویبہ جو کہ ابولہب کی لونڈی تھی جس رات سرکار کونین ؐ نے برج آمنہ رضی اللہ عنہا سے طلوع و اجلال فرمایا تو ثویبہ ابولہب کے پاس دوڑ کر آئی اور کہا کہ میں آپ کو بشارت دیتی ہوں کہ حضرت آمنہ تمہارے بھائی عبداللہ کے لئے غلام لائی ہے۔ ابولہب نے جب ثویبہ سے بشارت سنی تو فوراً کہا جاؤ اس بشارت کی خوشخبری میں تو آزاد ہے۔ اور یہ ثویبہ وہ باندی ہے کہ سب دایوں سے قبل اس نے حضور کو دودھ پلایا تھا۔ اور سرکار کونین ؐ کی ولادت مبارک بیل پیر کو واقع ہوئی تو ہر اس رات کو رب تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ابولہب پر عذاب خفیف فرما دیتا ہے اور ایک پیالہ پانی یخ کا بھی اس کو عنایت فرماتا ہے۔ اور مواہب میں ہے کہ جب ابولہب وفات پا گیا تو کسی نے عالم خواب میں دیکھا اور اس سے دریافت کیا کہ رب تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا۔ ابولہب نے جواباً کہا کہ آگ جہنم میں سخت تکلیف

میں گنہگار ہوں لیکن ہر پیر کی رات کو ایک پیالہ سرد پانی کا رب تعالیٰ کی جانب سے عنایت ہوتا ہے
اور یہ اس لئے کہ جس رات سرکارِ کونین کا ظہور مبارک ہوا تھا تو ثویبہ نے مجھے بھتیجے کی خوشخبری
سنائی اور میں نے اُس کو اس خوشخبری کے عوض میں آزاد کیا تھا۔ اس لئے حضور کی خاطر رب
تعالیٰ ہر پیر کی رات کو سرد پانی کا پیالہ عنایت فرماتا ہے۔

دیکھا آپ نے یہ ایک کافر کو اس کی خدمت کا بدلہ و عوض عنایت ہو رہا ہے تو جو مومن
مسلمان عشق و محبت سرکارِ کونین میں سرشار ہو اور جانی مالی تمام قسم کے ایثاروں سے گریز نہ
کرتا ہو تو اگر رب تعالیٰ اس کو جنت کے باغات و محلات کا مالک و بادشاہ بنا دے تو اس
رب قدوس کے رحم و کرم سے بعید نہیں بلکہ نہایت قریب ہے۔ یہ خدمت ہی کا بدلہ ہے
جو کہ ابو لہب کو ملا اور جنہوں نے خدمت نہیں کی وہ کُل محروم ہیں جیسے کہ ہشام کا حال گزر
گیا وغیرہ کیونکہ جنہوں نے بعثت کا زمانہ پایا اور ایمان نہ لائے وہ تمام ہلاک ہوئے۔

حکایت

عبداللہ بن جدعان حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا چچازاد بھائی تھا اور جوانی
کی حالت میں نہایت شریر و نامراد تھا اور جنایات کرتا رہتا تھا تو جنایات کا عوض اسکے والد
اور قبیلہ والوں کو ادا کرنا پڑتا یا کرتا تھا۔ حتیٰ کہ اس کی ان حرکات سے تمام تنگ آگئے
اور سب نے اس کو مبغوض جانا اور سبھی نے اس کو بُرا کہنا شروع کیا۔ تو جب اُس
نے اپنی زندگی کو برباد دیکھا اور اپنی زندگی کو باعث بے عزتی سمجھا تو ایک دن شعاب
مکہ مکرمہ میں نکل کر اپنی موت کے اسباب ڈھونڈ رہا تھا۔ چاہتا تھا کہ پہاڑ کی چوٹی پر جا کر
اپنے آپ کو نیچے گرا دے۔ اور اس ترکیب سے اپنی زندگی کو ختم کر دے۔ چنانچہ جب یہ پہاڑ
کے درہ سے ہوتا ہوا اوپر کو چڑھ رہا تھا تو دور سے ایک غار نظر آئی اور اس غار کے دروازہ پر
یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا کہ ایک اژدہا بیٹھا ہوا ہے۔ اور اس کی دونوں آنکھیں روشن سراج
کی مانند نظر آتی تھیں۔ عبداللہ بن جدعان نے جب اس اژدہا کو دیکھا تو فوراً پیچھے کو پلٹا۔ دور
جا کر پھر دیکھتا رہا۔ لیکن وہ اژدہا اپنے مقام سے حرکت نہیں کرتا تھا۔ غرض بار بار نزدیک سے
سے آکر دیکھتا جائے اور گمان کرے کہ یہ واقعی اژدہا ہے تو خوف کی وجہ سے پھر واپس لوٹ

رہی کہ عبداللہ بن جدعان کے گمان میں یہ بات بیٹھ گئی کہ یہ اژدہا نہیں ہے بلکہ یہ مصنوعی اژدہا
ہے تو فوراً قریب چلا گیا اور اپنے ہاتھ سے اسکو پکڑ لیا۔ (فاذا ہو من ذہب) تو دیکھتا کیا
ہے کہ وہ اژدہا جو دور سے اژدہا نظر آ رہا تھا وہ سونے سے بنایا ہوا اژدہا کی شکل کا ہے۔ اور دونوں
آنکھیں روشن سراج کی مانند جو نظر آتی تھیں وہ دو یاقوت بیش بہا قیمت والے تھے تو عبداللہ بن
جدعان نے اسکو توڑ دیا۔ اور محل کے اندر داخل ہوا کہ جیسے دروازہ پر یہ ثعبان موجود تھا۔
اس محل میں بہت سے رجال بادشاہوں سے مردہ اپنے اپنے تختوں پر پڑے ہوئے پائے اور بجواس
کے اس کو بہت زیادہ دولت ملا۔ یاقوت۔ زبرجد سونا چاندی۔ موتی وغیرہ اموال قیمتیہ سے۔ تو جو
مال اس وقت اپنے ساتھ اٹھا کر لا سکتا تھا لایا۔ اور پھر اس غار کا نشان اپنے ذہن میں قائم کیا۔ وقتاً فوقتاً
جاتا اور وہاں سے مال اسباب اٹھا کر گھر لاتا۔ یہانتک کہ تمام خزانہ وہاں سے اپنے گھر میں منتقل کر لیا۔
اور نیز اس نے وہاں پر ایک تختہ رخام کا بنا ہوا دیکھا کہ جس پر یہ کلمات مرقوم تھے۔
"میں بادشاہ نفیلہ بن جرہم بن قحطان بن ہود نبی اللہ کا لڑکا ہوں اور دار دنیا میں پانچسو
سال تک زندگی بسر کی اور طبقات زمین کو ظاہراً و باطناً مال و دولت۔ جاہ و عزت و سلطنت
ملکت کے لئے قطع کیا۔ فلم یکن ذالک منجینا من الموت۔

جہاں اے بشر ملک جاوید نیست ، ز دنیا وفاداری امید نیست
نہ برباد رفتی سحرگاہ شام ، سریر سلیمان علیہ السلام
باخر بدیدی کہ برباد رفت ، خنک آنکہ با دانش و داد رفت

تو اس عظیم الشان خزانہ کے مل جانے سے عبداللہ بن جدعان نے وہ مال جو کہ اس کے والد ماجد
اور عشیرہ والوں نے اس کے جنایات میں ادا کیا تھا تمام کو دگنا واپس کر دیا۔ اور آئندہ کے لئے یہ
طریقہ اختیار کیا کہ فقیر۔ مسکین۔ محتاج وغیرہ کو اس خزانہ سے نفقہ ادا کرتے رہنا بلکہ اکثر بیتامے
ارامل کے لئے وظائف مقرر کر دیئے۔ اور جاہلیت کے زمانہ میں امر بالمعروف کرنا اور ناشائستہ
افعال و اقوال سے لوگوں کو منع کرنا۔ اور کار خیر میں پیش پیش حصہ لینا اور مہمان نوازی مسافر نوازی
میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرنا۔ یہاں تک کہ اس کے پاس ایک جفنہ تھا کہ جس میں اونٹ
سوار اپنے اونٹ پر سواری کی حالت میں کھانا کھا سکتا تھا اور ایک مرتبہ ایک لڑکا اس جفنہ

میں گر گیا اور شوربا میں غوطے کھاتا ہوا مر گیا۔ یہ تھی عبداللہ بن جدعان کی سخا کی حالت کہ تمام اہل عرب امیر و غریب۔ شریف و وضیع تمام اس کے لئے دعا خواں تھے۔

احباب ملت یقیناً سخا کی وجہ سے رب تعالیٰ احسانات اکرامات الطافات از ورغیب خود نازل فرماتا ہے۔ بشرطیکہ ایمان باللہ و بالرسول اللہ لایا ہوں تو دارین میں وہ انسان رب تعالیٰ اسکے عظیم اکرامات کا مستحق ہو جاتا ہے قال اللہ تعالیٰ۔ وما انفقتم من شیئ فهو یخلفه۔ فی المثنوی۔

گفت پیغمبر کہ دائم بہر پند
دو فرشتہ خوش منادی مے کنند

کای خدایا منفقاں را سیر دار
ہر درم مشانرا عوض دہ صد ہزار

ای خدایا ممسکاں را در جہاں
تو مدہ الا زیان اندر زیاں

تو طالبِ صادق پر لازم ہے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نعائم کا شکر ادا کرتا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ مالک قادر، خالق۔ رازق سے امید رکھے اور دعا کرے کہ اے مالکِ حقیقی میرے قلب۔ زبان، ہاتھ، فکر۔ ذکر۔ اخلاص۔ تقویٰ ، انفاق وغیرہ کل لوازماتِ ایمان کو شیطان کے خلل سے بچا۔ اور اے مومن مسلمان اگر انفاقِ مال میں اور یادِ الٰہی و ذکرِ الٰہی میں تم کو کوئی مصیبت لاحق ہو جائے تو مصائبِ رب تعالیٰ پر صبر کر۔ کیونکہ جس کو صبر نصیب ہوا وہ شخص ثواب سے کبھی محروم نہ ہوگا۔ قال اللہ تعالیٰ انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب

قال مولانا جامی قدس سرہٗ و سرنا السامی۔

اگر ز سہم حوادث مصیبتے رسدت
درین نشیمن حرمان کہ موطن خطرست

مکن بدستِ جزع خرقۂ صبور چاک
کہ فوتِ اجرِ مصیبت مصیبت دگرست

آمدم بر سر مطلب۔

تو ایک دن ہماری والدہ ماجدہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے سر اللہ الاعظم ؐ سے عبداللہ بن جدعان کے متعلق سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن جدعان نے جاہلیت کے زمانہ میں جو انفاقِ مال کیا ہے فهل ینفعه ذالك یوم القیامة تو کیا قیامت کے روز یہ انفاق مال اس کے کام آئے گا۔ تو جناب سر اللہ الاعظم نے جواباً ارشاد فرمایا

لانہ لم یقل یوماً یا رب اغفرلی خطیئتی یوم الدین ۔ اے مومنین کی والدہ ۔ یہ انفاق مال عبداللہ بن جدعان کے لئے قیامت کے روز مطلقاً فائدہ مند نہیں ہو سکتا ۔ کیونکہ اس نے ایک دن بھی اپنی زبان سے یہ نہیں کہا کہ اے پروردگار عالم قیامت کے روز میری خطایات کو معاف فرما ۔ ای لم یکن مسلماً لانہ ممن ادراک البعثۃ و لم یؤمن ۔ سرکار کونین نے عبداللہ بن جدعان کے متعلق یہ حکم کیوں فرمایا ۔ اس لئے کہ عبداللہ بن جدعان ان لوگوں سے ہیں کہ جنہوں نے زمانہ بعثت کو پایا اور ایمان نہ لائے ۔

ثابت و کائن ہوا کہ جن لوگوں نے جاہلیت کے زمانہ میں خواہ کتنا ہی زیادہ انفاق مال و اعمال صالحہ کئے ہوں لیکن سر اللہ الاعظم کی بعثت مبارکہ تک حیات رہے ۔ اور سر اللہ الاعظم نے ان کو دعوت اسلام پیش کیا لیکن وہ تکذیب کر گئے ۔ اور حضور پر ایمان نہ لائے تو ایسے تمام لوگوں کے اعمال رب تعالیٰ نے بتکذیب جناب سر اللہ الاعظم حبط فرما دیئے ۔

حاصل کلام یہ ہے کہ فطرت کے زمانہ میں جن لوگوں نے نیک عمل کئے اور فطرت کے زمانہ میں وفات بھی پا گئے ۔ اور ان کو دعوت اسلام نہیں پہنچی تو ان کے نیک اعمال دربار قدسیہ میں بے کم و کاست موجود ہیں ان کو قیامت کے روز بدلہ عنایت ہوگا ۔ لیکن وہ اہل فطرت کہ جنہوں نے زمانہ رسالت سر اللہ الاعظم کو پایا اور حضور پر ایمان نہ لائے وہ تمام لوگ ہالک ہیں جیسے عبداللہ بن جدعان کا واقعہ آپ کے سامنے پیش کر دیا گیا ۔ اور بعثت مبارک سے قبل تمام نیک اعمال کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ جنت نصیب فرمائے گا ۔ اس بات کے ثبوت کے لئے کئی دلائل و نظائر گزر چکے ہیں ۔ وہاں ملاحظہ ہو ۔ اور مزید ایک اور نظیر پیش کرنے کے بعد اس مضمون کو ختم کرتا ہوں اور اپنے اصل مسئلہ کی طرف رجوع کرتا ہوں ۔

نظیر

روایت صحیحہ میں موجود ہے کہ جب قبیلہ طائی کے علاقہ پر سرکار کونین نے قبضہ فرمایا اور اس کے عوام و خواص گرفتار کر کے حضور کی خدمت اقدس میں پیش کر دیئے گئے تو ان اسیروں میں ایک کنیز اسیر ہو کر آئی تھی ۔ اس کنیز نے جناب سر اللہ الاعظم کی خدمت اقدس میں عرض کی ۔

یارسول اللہ اگر آپ مجھے رہا فرمائیں اور میری قوم کے سامنے میری فضیحت نہ فرمائیں اور قبائلِ عرب کو میری گرفتاری کے معاملہ میں خوش نہ فرمائیں تو یہ معاملہ آپ کے کریمانہ اخلاق سے بعید نہیں بلکہ نہایت قریب ہے۔ کیونکہ میں اس قوم کے سردار کی لڑکی ہوں اور میرا باپ غریبا۔ مسکین۔ محتاج۔ بے کس۔ مسافر۔ یتیم۔ مہمان وغیرہ تمام اہل حاجت کی اعانت اور امداد کرتا رہا۔ اور ہر ایک انسان کی تعظیم۔ تکریم و افشاءِ سلام برملا کرتا رہا۔ اور میرے والد نے کبھی بھی کسی صاحبِ حاجت کو محروم واپس نہیں کیا۔ (اِنّی بنت حاتم الطّی)

جناب سر اللہ الاعظم نے جواباً۔ ارشاد فرمایا۔ ھٰذہٖ صفت المؤمنین حقاً الحدیث کہ اے جاریہ یہ صفات حسنات جو تو نے بیان کی ہیں یہ صفات تمام مؤمنین کی صفات ہیں اور اگر تمہارا والد حیات ہوتا اور ایمان لے آتا تو ہم اس پر بہت زیادہ رحم و احسان کرتے اور اس ارشادِ عالیہ کے بعد سر اللہ الاعظم نے ارشاد فرمایا کہ اس جاریہ کو معاف کر دو یعنی اس کو رہا کر دو۔ کیونکہ اس کا والد مکارمِ اخلاق کو پسند کرتا تھا۔ اور مکارمِ اخلاق ذاتِ مطلق کے دربار میں نہایت پسندیدہ ہیں۔

اور بنز انیس الوحدت و جلیس الخلوت میں مرقوم ہے کہ جب شبِ اسریٰ جناب سر اللہ الاعظم مقامِ قرب میں تشریف لے گئے تو جہنم کے طبقات میں ایک آدمی کو دیکھا کہ آگ جہنم اس کے قریب مطلقاً نہیں آسکتی۔ گویا کہ اس طبقہ کو رب تعالیٰ نے اس آدمی کے لئے جنت کا ایک حصہ بنا دیا ہے۔ تو جناب سر اللہ الاعظم نے حضرت جبرائیل امینؑ سے دریافت فرمایا کہ یہ آدمی کون ہے کہ جہنم ہی اس کے لئے جنت بنا دیا گیا ہے۔ جبریل امینؑ نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ حاتم طائی ہے کہ رب تعالیٰ نے بسببِ سخا عذابِ جہنم کو اس سے دور فرما دیا ہے۔ اور یومِ قیامت اپنے فضل و کرم سے اسکو جنت میں داخل فرمائیگا

قال سعدیؒ ؎

کنون بر کفِ دست نہ ہر چہ ہست ❊ کہ فردا بدندان گزی پشتِ دست
مگردان غریب از درت بے نصیب ❊ مبادا کہ گردی بدرہا غریب
نہ خواہندۂ بر درِ دیگراں ❊ بشکرانِ خواہندہ از در مراں
پریشان کن امروز گنجینہ چست ❊ کہ فردا کلیدش نہ در دست تست

دیکھا آپ نے کہ فطرت میں وفات پانے والے انسان کا عمل نیک عند اللہ ضائع نہیں بلکہ اس نیک عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے رحم کے دریا میں غوطہ لگا رہا ہے۔

فقیر کہتا ہے کہ اے مومن مسلمان ہر وقت اللہ جلیل وجبار کی یاد کو مونس رکھو کیونکہ اسی سے انس سے انسِ رحمت حاصل ہوتا ہے۔ اور اسی کی یاد سے ہمہ فانی اشیاء کی یاد دل ودماغ سے دُور ہو جاتی ہے۔

حکایت

حضرت شبلی علیہ الرحمت نے ایک عورت کو دیکھا کہ زار وقطار رو رہی ہے اور یوں کہہ رہی ہے یا ویلاہ من فراق ولدی۔ حضرت شبلیؒ نے جب اس عورت کے ان کلمات کو سُنا تو آپ بھی زار وقطار رونے لگے۔ اور یوں فرمانے لگے۔ یا ویلاہ من فراق الاحد۔ اس عورت نے جب حضرت شبلیؒ کے کلمات کو سُنا تو رونا بند کر دیا۔ اور آپ سے مخاطب ہو کر کہنے لگی۔ آپ ایسے کلمات کیوں فرما رہے ہیں۔ حضرت شبلیؒ نے جواباً فرمایا کہ اے نادان تو فراقِ مخلوق میں واویلا کرتی ہے۔ حالانکہ مخلوق لامحالہ فانی ہونے کے لئے پیدا شدہ ہے اور یقیناً آج نہیں تو کل ضرور فناہ ہونگے۔ تو اے نادان عورت جب تو مخلوق کے فراق میں زار زار روتی ہے تو میں فراقِ خالق میں جو کہ ہر آئینہ باقی ہے کیوں گریہ نہ کروں۔ کیونکہ یہ نارِ بعد اور عذاب الیم ہے۔ کما قیل

فرزند باد چونکہ بمیرند عاقبت اے دوست دل مبند بجز حی لایموت

رب تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے مجھ فقیر مسکین کم استعداد کو اور تمام احبابِ مخلصین کو نارِ بُعد اور عذابِ الیم سے بچائے۔ اور شوق دائم اور نعیمِ مقیم نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ یارب العالمین۔

واللہ الہادی۔ وباللہ التوفیق۔ وہو خیر الرفیق۔ اللہ ناصر کل صابر۔

اب میں بامداد ایزد تعالیٰ اہل عرب کی اس حالت کو ذکر کرتا ہوں۔ جس حالت پر اہل عرب قبل از اسلام قائم تھے۔

حالتِ عرب قبل از اسلام

آگاہ ہو کہ علامہ شہرستانی اپنی کتاب (الملل والنحل) میں تحریر فرماتے ہیں کہ اسلام سے قبل اہل عرب دو قسم پر منقسم تھے۔

قسم اوّل - (معطلہ)
قسم دوم (محصلہ)

ابو الفتح امام محمد بن عبدالکریم شہرستانی متوفی ۵۴۸ھ رحمۃ اللہ علیہ کذا فی کشف الظنون۔

قسمِ اوّل (معطلہ)

ان کے تین اصناف تھے۔

صنفِ اوّل: - ان کا عقیدہ یہ تھا کہ انسان وغیرہ مخلوقات کا پیدا کرنے والا ذاتِ مطلق نہیں ہے بلکہ طبع ہر ایک چیز کے لئے خالق و محیی ہے۔ اور دہر ہر ایک شے کے لئے ہالک و مفنی ہے اور بعثت و اعادہ بعد از موت ممکن نہیں۔ جن کے متعلق رب تعالیٰ نے اپنے کلام مقدس میں یوں ارشاد فرمایا۔ وقالوا ما ھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیی وما یھلکنا الا الدھر یعنی رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ بعض ان لوگوں میں سے ایسے ہیں کہ جنکا یہ ایمان ہے کہ خالق - حشر، نشر وغیرہ کوئی شے نہیں جو کچھ بھی ہے - یہی حیاتِ دنیا ہے از خود ہی ہم زندہ مردہ ہوتے ہیں - اور ہماری ہلاکت واقع نہیں ہوتی مگر از سبب دہر - یعنی تغیراتِ دہریہ کی وجہ سے موت حیات واقع ہوتا ہے اور خدا کوئی نہیں۔

صنفِ دوم: - ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اس کائنات کا ناظم و خالق ضرور ہے اور ابتدا سے یہ تمام عالم پیدا کیا گیا ہے - اور یہ عالم حادث ہے قدیم نہیں یعنی اُن کی عقیدت میں یہ بات اٹل تھی کہ اللہ تعالیٰ بھی ہے - ابداع و ابتدا بھی ہے لیکن موت کے بعد بعثت و اعادہ ممکن نہیں۔ جن کا حال رب تعالیٰ اپنے مقدس کلام میں یوں بیان فرماتا ہے۔ قال من یحیی العظام وھی رمیم۔ - کہ جب انسان مرجائے اور مٹی کے ساتھ مٹی ہو جائے اور بالکل بوسیدہ و خاکستر ہو جائے تو پھر ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ فرمائے گا - یعنی اعادہ ممکن نہیں۔

صنفِ سوم: - ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اس کائنات کا خالق ضرور ہے اور یہ کائنات ابتدا

سے پیدا شدہ ہے اور موت کے بعد اعادہ بھی ممکن ہے لیکن رسولوں کو ان کا علم نہیں اور عبادتِ اصنام سے ہی اللہ تعالیٰ جو کہ کائنات کا خالق ہے کا قرب نصیب ہوتا ہے اور یہی اصنام عند اللہ ہمارے لئے شفاعت کریں گے۔ جن کا حال رب تعالیٰ اپنے پاک کلام میں یوں بیان فرماتا ہے۔ ما نعبدهم الا لیقربونا الی اللہ زلفٰی کہ ہم ان بتوں کی پرستش کیوں کرتے ہیں اس لئے کہ یہ بت عند اللہ ہماری سفارش کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کے دربارِ اقدس میں ہم کو قریب کریں گے اس لئے ہم ان بتوں کی عبادت کرتے ہیں۔

قسم دوم (مسلسل)

اور یہ تین قسم کے علوم میں بڑے ماہر تھے۔

علم اوّل:- علمِ انساب و تواریخ و ادیان۔ اس علم کو اہل عرب ایک اعلیٰ و افضل علم یقین کرتے تھے۔ خصوصاً اجداد سر اللہ الاعظم اس علم میں بڑے ماہر تھے۔ اور اس علم کے ذریعہ سے وہ نور پاک جو کہ پاک پشتوں سے پاک پشتوں میں اور پاک رحموں میں منتقل ہوتا رہا تا عہد آدم علیہ السلام اکمل ترکیب سے وہ جانتے تھے۔ اس لئے جو نسب نامہ سر اللہ الاعظم کا حضرت عبد المطلب سے منقول ہے۔ اس میں حضرت ابراہیم کا والد ماجد تارخ بتلایا گیا ہے۔ اور آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا بتلایا گیا ہے اور جو نسب نامہ حضرت ہاشم سے منقول ہے اس میں بھی ایسا ہی ہے۔ اور حضرت قصی وغیرہ سے جو منقول ہے اس میں بھی ایسا ہی ہے۔ ثابت ہوا کہ آذر حضرت ابراہیمؑ کا والد ماجد نہیں بلکہ چچا ہے۔ تو علمِ انساب و تواریخ و ادیان کے کمال کی وجہ سے ان کو تمام اجداد سر اللہ الاعظم اور ان کے تمام تفصیلی حالات مکمل یاد تھے۔ تو ان تفصیلات سے صاف واضح ہوتا ہے کہ سر اللہ الاعظم کے اجداد پاک میں کوئی مشرک نہ تھا۔ بلکہ تمام مومن و موحد تھے۔ اور نیز نور سر اللہ الاعظم کو بھی وہ جانتے تھے۔ کہ اس وقت وہ پاک نور کہ جس کی وجہ سے رب تعالیٰ نے تمام کائنات کو پیدا فرمایا ہے۔ فلاں شخص کی پیشانی میں لامع ہے اور جب اس سے اس نور نے رحم پاک مادر میں منتقل ہو جاتا تو پھر بھی صاحبان انساب کو معلوم ہو جاتا تھا کہ وہ پاک و طیب نور فلانہ کے رحم پاک میں جلوہ گر نظر آتا ہے۔ وقس علیٰ ھذا

اور جب وہ پاک نور حضرت عبد المطلب کی پیشانی میں جلوہ گر ہوا تو اس نور کی وجہ سے تمام اہل عرب نے آپ کی قدر و منزلت کی اور آپ کو اپنا سردار تسلیم کیا۔ کما سبق۔
اور اس نور کی برکت کی وجہ سے آپ اپنے وصایا میں فرمایا کرتے تھے۔ کہ ظالم جب ظلم کرتا ہے تو اس کے ظلم کا بدلہ اس کو دنیا میں ضرور ملیگا۔ اسی اثنا میں ایک ظالم آدمی وفات پاگیا اور اس کو دار دنیا میں کوئی تکلیف لاحق نہ ہوئی تو کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ فرماتے ہیں کہ ظالم کو ظلم کا بدلہ ضرور ملیگا۔ اور فلاں ظالم وفات پاگیا اور اس کو ظلم کا بدلہ نہیں ملا۔ ففکر ساعۃ) کچھ دیر سوچنے کے بعد آپ نے سائل کو جواب دیا۔ کہ اس دار دنیا کے علاوہ ایک اور دار بھی ہے کہ جس میں رب تعالیٰ محسن کو اس کے احسان کا بدلہ ضرور دیگا۔ اور ظالم و بدکار کو بھی اس کے ظلم و بدکاری کا بدلہ ضرور دے گا۔ اور جب وہ نور پاک حضرت عبد اللہ والد ماجد سر اللہ الاعظم کی پیشانی مبارک میں لامع ہوا تو اس نور کی برکت سے آپ ہمیشہ کے لئے یوں دعا فرمایا کرتے تھے۔

یارب انت الملك المحمود وانت ربی الملك المعبود۔ الخ

اور اس نور پاک کی وجہ سے تمام مکہ مکرمہ کی حسین سے حسین عورتوں نے تمناء وصال کیا۔ مگر حضرت عبد اللہ نہ مانے۔ کیونکہ اس نور کو ازل سے رب تعالیٰ نے برج آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے خاص فرمایا تھا۔ یعنی وہ نور ازل سے جس کا حصّہ تھا اس کو ملنا تھا۔ تو بہت سی عورتوں نے اسی غم میں اپنے آپ کو ہلاک کر دیا۔ جن میں سے فاطمہ بنت مُر کا واقعہ ذکر کرتا ہوں۔

حکایت

واقعہ یوں ہوا کہ فاطمہ بنت مُر نے پہلے حضرت عبد اللہ سے وصال کا سوال پیش کیا لیکن آپ نے انکار کیا۔ اس نے ہر چند کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئی۔ جب وہ نور پاک حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے رحم میں منتقل ہوا تو پھر ایک دن حضرت عبد اللہ نے فاطمہ بنت مر کو نکاح کا پیغام ارسال کیا تو اس نے نہایت ادب سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ اے عبد اللہ! میں جو تمنائے وصال چاہتی تھی وہ دراصل تمناء نور نبی

آخر الزماں کی تھی۔ جس کو میں نے اپنے علم سے معلوم کیا تھا کہ وہ نور آپ کی پیشانی میں لامع ہے۔ اب چونکہ وہ نور آپ کی پیشانی میں تاباں نہیں اس لئے مجھے آپ کے وصال سے سروکار نہیں۔ چنانچہ اس نور کے نہ ملنے کی وجہ سے اس نے اپنے آپ کو ہلاک کر لیا۔ نیز کثیر واقعات ایسے ہو چکے ہیں لیکن اختصار کی وجہ سے ترک کرتا ہوں۔ کما قیل۔

از حسنِ رُوئے یوسف دست بریدہ بہلست
دریائے دلبر ما شہرہا بریدہ باشند

اور جب سر اللہ الاعظم نے مکہ مکرمہ میں ظہور فرمایا تو تمام عالمِ رؤیا و قیافہ والوں نے جانا کہ یہ وہی آخر الزمان ہے جس کے آنے کا مژدہ عیسٰی علیہ السلام سُنا گئے تھے۔ اس لئے جب مکہ والوں کو کوئی تکلیف لاحق ہو جاتی تھی تو حضرت ابی طالب یا حضرت عبد المطلب سے عرض کرتے تھے کہ حضور کو باہر میدان میں لاؤ تاکہ ان کے چہرۂ انور کے ذریعہ سے ہم اللہ تعالیٰ سے رحم و کرم طلب کریں تو انھوں نے حضور کو جو کہ اس وقت صغر سنی میں تھے باہر میدان میں لے آنا رب تعالیٰ نے ببرکت حضور رحمت للعٰلمین رحمت کی بارش ان پر نازل فرما دیتا۔ کما قال ابوطالب ؎

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ ؛ ثمال الیتامیٰ عصمۃ للارامل

علمِ دوم :- علمِ رؤیا۔

علمِ سوم :- علم انوار یعنی علمِ کہانت و قیافہ۔ یعنی ان علوم میں بھی اہل عرب قبل از اسلام بہت ماہر تھے۔ اور کئی مرتبہ سر اللہ الاعظم کے اجداد میں جب کسی نے نور سر اللہ الاعظم کو کسی سِرّ دراز میں عالم قدس میں دیکھ لیتا تو اس علم کے جاننے والوں نے جو تعبیر بیان کرنا ویسا ہی ہو جاتا۔ مثلاً :-

ایک دن حضرت عبد المطلب حطیم میں آرام فرما رہے تھے تو آپ نے عالمِ خواب میں دیکھا کہ آپ کی پُشت مبارک سے چاندی سفید کا زنجیر نمودار ہوا اور نمودار ہونے کے فوراً بعد اس کے چار حصے ہو گئے۔ وہ زنجیر اتنا دراز ہوا کہ ایک سرا اس کا آسمان تک جا پہنچا اور دوسرا سرا بھی زمین پر پڑا ہے اور اسی طرح باقی حصص مشرق، مغرب جنوب شمال تک جا پہنچے

پھر دیکھا کہ ایک وہ زنجیر ایک عظیم الشان درخت کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ اور دیکھا کہ اس درخت کی اوپر کی شاخیں آسمان سے لگی ہوئی ہیں۔ اور نیچے کی شاخیں مشرق۔ مغرب جنوب شمال سے ملحق ہیں۔ اور درخت نہایت روشن نورانی ہے اور سورج سے زیادہ ضیاء اس میں ہے۔ اور عرب و عجم کے لوگ اس درخت کو سجدہ کرتے ہیں۔ اور ہر آن و ہر ساعت اس درخت کا نور عظمت و بلندی میں ترقی کرتا جاتا ہے۔ اور کچھ لوگ قریش کے اس درخت کی شاخوں کو پکڑ کر اس درخت سے لٹک رہے ہیں اور قریش کے کچھ لوگ اس درخت کو کاٹنے کی غرض سے آتے ہیں۔ مگر جب وہ درخت کے قریب آتے ہیں تو درخت کے پاس ایک نورانی جوان کھڑا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک حربہ ہے تو وہ جوان کسی کا سر توڑتا ہے اور کسی کی کمر۔ اور درخت کے قریب کسی کو نہیں آنے دیتا۔

حضرت عبدالمطلب نے اس خواب کو ایک کاہنہ عورت "جو کہ علم کہانت و قیافہ کو خوب جانتی تھی" سے بیان کیا تو جب اس کاہنہ عورت نے خواب کا ماجرا سُنا تو زرد ہوئی اور کہا کہ اے عبدالمطلب اگر آپ نے یقیناً ایسا خواب دیکھا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ آپ کی پشت سے ایک فرزند پیدا ہوگا جو کہ زمین سے لیکر آسمان تک اور مشرق۔ مغرب۔ جنوب۔ شمال تک اسی کی حکمرانی ہوگی۔ زمین و آسمان والے تمام اس پر ایمان لائیں گے اور تمام کائنات میں اس کی تعریف و مدح ہوگی۔

دیکھا آپ نے کہ اہل عرب اس علم رؤیا و کہانت و قیافہ میں کیسے خوب ماہر تھے۔ اور اس علم کے زور سے وہ سر اللہ الاعظم کے نشانات کو خوب جانتے۔ تھے اور بعثت سید الابرار کے بہت منتظر تھے۔

بعض کا ایمان ابتداء سے اللہ تعالیٰ اور روزِ قیامت پر قائم تھا اور دین و شریعت ابراہیمیہ کے پابند تھے اور نماز ادا کرتے تھے اور حرام کو حرام جانتے تھے۔ مثلاً ماں کے ساتھ نکاح۔ ہمشیرہ کے ساتھ نکاح۔ لڑکیوں کے ساتھ نکاح۔ غرض جو چیز بعد میں نص قطعیہ سے حرام ہو گئی وہ تمام ان کے دین و شریعت میں بھی حرام تھی۔ اور حج بیت اللہ ادا کرتے تھے اور تمام مناسک حج بجا لاتے تھے۔ مثلاً طواف کرنا۔ سعی کرنا۔ تلبیہ پڑھنا۔

...ہود اور اشہر حرم کی حرمت کو ملحوظ رکھتے تھے - اور غسل جنابت کرتے تھے - اپنے مُردوں کو غسل دیا کرتے تھے - کفن پہنا کر دفنایا کرتے تھے - اور باقی تمام سُنتیں جوکہ حضرت ابراہیم خلیل ان میں چھوڑ گئے تھے تمام کی پابندی کرتے تھے - وکان دین ابراهیم والتوحید شائعاً فی صدر العرب واول من غیرہ و دفع ... عبادۃ الاوثان عمرو بن لحی - انتھیٰ -

فقیر غفرلہ القدیر کہتا ہے جو کچھ علامہ شہرستانی کا کلام آپ کے سامنے تحریر میں لایا گیا - نہایت درست کلام ہے - اور تحقیق و تدقیق سے آپ نے بیان فرمایا ہے اور فقیر اسکو چند جواہر حدیث سے مؤکد کرنا چاہتا ہے - فاسمعوا واطیعوا

حدیث اوّل :- جان تو اے طالب صادق کہ بزاز اور حاکم نے اپنی اپنی کتاب (المستدرک) میں حضرت عائشہ صدیقہ عفیفہ سے بسند صحیح روایت کیا ہے - فرماتے ہیں کہ فرمایا حضرت عائشہ صدیقہ رض نے کہ مجھ سے جناب سر اللہ الاعظم نے ارشاد فرمایا - لا تسبوا ورقۃ بن نوفل فانی قد رایت لہٗ جنۃً او جنتین کہ ورقہ بن نوفل کو دشنام نہ دو - کیونکہ میں نے ورقہ بن نوفل کا درجہ عند اللہ دیکھا ہے - پروردگار رب تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس کے لئے ایک یا دو جنت پیدا فرمائی ہیں - ایک یا دو جنت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں اس کو اعلیٰ مقام ایک درجہ یا دو درجہ عطا فرمایا ہے -

حدیث دوم - نیز بزاز نے حضرت جابر رض سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ فرمایا حضرت جابر رض نے کہ ہم نے جناب سر اللہ الاعظم سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زید بن عمرو بن نفیل جاہلیت کے زمانہ میں بیت اللہ شریف کے اندر آکر بیت اللہ کی جانب چہرہ کر کے کھڑے ہو جایا کرتے تھے - اور بلند آواز سے یوں کہا کرتے تھے - دینی دین ابراهیم والٰھی اللہ ابراهیم - یعنی کہ میرا دین وہ دین ہے جوکہ ابراہیم خلیل کا دین تھا اور میرا رب و خالق و خدا وہ ہے جوکہ ابراہیم خلیل کا رب و خالق و خدا تھا - یہ کلمات کہہ کر فوراً سجدہ میں چلے جایا کرتے تھے - یارسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم ۔ اس کا ہمیشہ کے لئے یہی دستور رہا ۔ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا یحشر ذالک امۃً واحدۃً بینی وبین عیسٰی ابن مریم ۔ اے میرے صحابہ زید بن عمرو بن نفیل کا حشر نشر میرے اور حضرت عیسٰی کے درمیان امتِ واحدہ کی شکل میں ہوگا یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے مقدس انسانوں میں سے تھا ۔ اور دین حنیف ابراہیمیہ کا پابند تھا اور رضاء الٰہی پر گامزن تھا ۔ اس لئے امتِ واحدہ کی شکل میں اس کا حشر نشر ہوگا ۔

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ پھر ہم نے جناب سرّ اللہ الاعظم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ ورقہ بن نوفل کا بھی یہی دستور تھا کہ بیت اللہ شریف میں آکر بیت اللہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاتا اور یوں کہتا الٰہی الٰہ زید ودینی دین زید میرا رب وہ ہے جو کہ زید بن عمرو کا رب ہے اور دین بھی میرا وہی ہے جو کہ زید بن عمرو کا دین ہے ۔ حضرت جابر فرماتے ہیں ۔

حضور نے ہم سے جواباً ارشاد فرمایا رایتہ یمشی فی بطن الجنۃ علیہ حلۃ من سندس کہ میں نے ورقہ بن نوفل کو بطن جنت میں سیر کرتے ہوئے دیکھا اور سُندس کا جوڑہ زیب تن کیا ہوا تھا ۔

حدیثِ پاک کے ان کلمات سے عیاں ہوا کہ زید بن عمرو اپنے زمانہ کے ولی اکمل تھے اور مشائخ زمانہ سے تھے ۔ اس لئے ورقہ بن نوفل وغیرہ نے اس کے قول وفعل کی اتباع کی ۔ فافہم ۔

حدیثِ سوم ۔ ابو نعیم نے (دلائل النبوۃ) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے ۔ فرماتے ہیں کہ قس بن ساعدہ کا یہ دستور تھا کہ اپنی قوم کو بازار عکاظ میں جمع کر لیتا اور خطبہ فصیحہ بلیغہ فرماتا اور خطبہ کے دوران مکہ مکرمہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے یوں کہتا ۔ سیاتیکم حق من ھذا الوجہ یعنی مکہ مکرمہ کی جانب سے عنقریب حق بات تمہارے پاس آئے گی ۔ لوگوں نے ان سے دریافت کرنا کہ وہ حق بات کیا ہے ۔ جو کہ مکہ مکرمہ کی جانب سے ہماری طرف آنے والی ہے تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا

رجل من ولد لؤی بن غالب کہ وہ حق بات دراصل ایک معزز و مکرم انسان ہے۔ جو کہ لوئی بن غالب کی اولاد سے پیدا ہوگا اور وہ تم کو اخلاص۔ نورِ ایمان۔ عیشِ ابدِ نعیم آخرت وغیرہ وغیرہ مکارمِ اخلاق و اعمال و افعال و احوال کی طرف بلائے گا تو اگر وہ اللہ تعالیٰ کا مقدس رسول تمہارے زمانہ میں تمہارے پاس دعوتِ اسلام لیکر آجائے تاہیوہ تو تم تمام ایسے محتم کی اطاعت و فرمان برداری کرو۔ اور اے میری قوم کے لوگو! اگر مجھے کامل علم ہوتا کہ میں اس سرِاعظم کے زمانہ بعثت تک زندہ رہوں گا لکنت اول من یسبقھم الیہ۔ تو البتہ تمام انسانوں سے قبل اس رسولِ رب العالمین کی اطاعت و فرمان برداری کی طرف میں خود سبقت کرتا۔ یعنی سب سے پہلے میں اس پہ ایمان لاتا اور اس کی تصدیق کرتا۔

حدیث چہارم :- نیز امام طبرانی نے اپنی کتاب (الکبیر) میں بسندِ صحیحہ حضرت غالب بن ابجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ فرمایا حضرت غالب نے کہ جناب سر اللہ الاعظم کی مجلسِ اطہر میں حضرت قس بن ساعدہ کا ذکر اصحابہ نے چھیڑ دیا۔ یعنی اس کے حالات کے متعلق مذاکرہ فی مابین جاری کیا۔ تو جناب سر اللہ الاعظم نے جب اصحابہ کی گفتگو کو سنا تو اپنی زبان فیض ترجمان سے ارشاد فرمایا رحم اللہ قسا۔ کہ اللہ تعالیٰ رحم و فضل و کرم قس بن ساعدہ پر نازل فرمائے تو اصحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ قس کے لئے رحم و کرم کی دعا کیوں مانگ رہے ہیں۔ تو جناب سر اللہ الاعظم نے جواباً ارشاد فرمایا اسلئے کہ قس بن ساعدہ میرے جد امجد اسماعیل بن ابراہیم کے دین حقہ حنیفہ پر قائم تھا۔

فتح باب

شیخ ابوالحسن اشعری امام اہل سنت والجماعت سے کسی نے سیدنا صدیق اکبر کے متعلق کچھ دریافت کیا۔ تو امام اہل سنت نے شانِ صدیق میں ارشاد فرمایا (ابوبکر مازال علی عین الرضی معہ) یعنی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رب تعالیٰ کے رحم، فضل، کرم کی نگاہ التفات صدیق اکبر کے ساتھ شامل حال رہی ہے۔ امام اہل سنت کے ان کلمات مبارکات

کی توضیح میں علماء اہل سنت والجماعت کے کثیر اقوال ہیں۔ بلکہ کئی جزوں میں علماکرام نے ان کلمات مبارکات کی توضیح فرمائی ہے۔ وان کنت طالباً فلیرجع الیھم۔

نفیر لاشیء الله القدیر صرف تین قول پر از وجہ اختصار اکتفا کرتا ہے۔ وبالله التوفیق وہو نعم الرفیق۔

قولِ اوّل

یہ ہے کہ امام اہل سنت والجماعت کی مراد ان کلمات مبارکات سے یہ ہے کہ صدیقِ اکبر رضی الله تعالیٰ عنہ (کان مؤمناً قبل البعثۃ) بعثت مبارک سے قبل کامل مومن تھے۔ اور مطلقاً صدیق اکبر نے شرک نہیں کیا۔ بلکہ ابتدا سے توحید ورسالت کے قائل تھے۔ اور کلمۂ توحید تصدیقِ قلب سے پڑھا کرتے تھے اور تمام امورات شرعیہ کے پابند تھے۔

قولِ دوم

یہ ہے کہ امام اہل سنت والجماعت کی مراد ان کلمات مبارکات سے یہ ہے کہ صدیقِ اکبر ازل سے علم الله تعالیٰ میں خلاصۃ الابرار تھے اور پشت در پشت نسلاً بعد نسل۔ ذات واجب الوجود کی نگاہ لطف وکرم صدیقِ اکبر کے شامل حال تھی اور مطلقاً رب تعالیٰ کبھی بھی صدیق اکبر سے ناراض نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ رضا کی حالت میں ظہورِ صدیق اپنے حبیب کے زمانہ میں فرمایا۔ اور صدیق کو خود اس ذات واجب الوجود نے ثانی اثنین کا لقب عطا فرمایا۔

بقول الفقیر کہ ازل سے جب ذاتِ مطلق نے لطف وکرم کی نگاہ عالم کی طرف مبذول فرمائی تو نگاہِ نور نے نورِ محمد الرسول الله کو ہمہ تن نور بنایا۔ تو نورِ حقیقۃِ الٰہی کا پہلا پرتو نور سر الله الاعظم اور نور سر الله الاعظم کا پہلا پرتو امت میں صورت صدیق اکرم۔ تو تمام کائنات میں بعد از خدا بزرگ محمد صلی الله علیہ وسلم۔ اور امت میں بعد از نبی بزرگ ابوبکر رضی الله تعالیٰ عنہ فقط ہے تقصہ مختصر)

انہی وجوہات کے ماتحت صدیق اکبر جناب سر الله الاعظم کے ساتھ ازل سے تھے اور ابد تک ساتھ رہیں گے۔ مثلاً عالم ازل میں ساتھ۔ عالمِ الست میں ساتھ۔ عالم ارواح میں ساتھ۔ عالمِ اشباح میں ساتھ۔ عالم اجسام میں ساتھ۔ عالمِ صباء میں ساتھ۔ بعثت سے قبل ساتھ

بعثت کے بعد ساتھ۔ ہجرت میں ساتھ۔ غار میں ساتھ۔ قبر مبارک میں ساتھ۔ حشر نشر میں ساتھ۔ میزان میں ساتھ۔ جنت میں ساتھ اور یہ معیت جناب صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو کیوں نصیب ہوئی۔ اس لئے کہ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء رب تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے جس کو چاہتا ہے اس کو اپنے منصب قرب میں باوشاہت عنایت فرما دیتا ہے۔ اور وہ ذاتِ مطلق قادر ہے اس کی قدرت کا تقاضا جیسے ہوتا ہے۔ ویسا ہی کرتا ہے تسلیم کے سوا چارہ مطلقاً نہیں۔ کما قیل۔

ہر کہ را خوانی بخواں ہر کہ را رانی بران
حکم حکم تست کس را چارہ جز تسلیم نیست

تو ازل سے ذاتِ مطلق نے اپنے فضل لامتناہیہ کی وجہ سے اپنی ذات کے لئے محبوب بنانا چاہا۔ تو نگاہِ رب نے نورِ محمد الرسول اللہ کو اپنی محبوبیت کے لئے چن لیا اور مختار کرلیا۔ اور اپنے محبوب کے لئے محبوب صدیق اکبر کو منتخب کیا۔ اور یہ قانون ہے کہ محبوب کا محبوب بھی محبوب ہوتا ہے۔ ثابت ہوا کہ صدیقِ اکبر بدیں قاعدہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے۔ اور محبوب اعلیٰ کے بعد محبوبِ ادنیٰ کا درجہ ہوتا ہے تو جب رب تعالیٰ نے محبوبِ اعلیٰ کو دارِ دنیا سے اپنی جانب بلانا چاہا تو امت پر محبوبِ ادنیٰ کو خلیفہ بنا دیا۔

تو اس تقریر سے اس حدیثِ پاک کی تشریح ہو گئی کہ مرض الموت میں حبیب سر اللہ الاعظم نے فرمایا کہ قلم دوات لاؤ تاکہ میں تمہارے لئے نصیحت لکھ دوں تاکہ میرے بعد تم آپس میں اختلاف نہ کرو۔ تو سیدنا فاروقِ اعظم نے عرض کی۔ سرکار کو تکلیف ہے۔ لکھنے کی ضرورت نہیں ہمارے پاس سمجھانے کے لئے وحی جلی و خفی موجود ہے۔ یعنی فاروق اعظم اپنی روحانی طاقت سے جانتے تھے۔ اور آپ کو معلوم تھا کہ سرکارِ کونین خلافت کے متعلق لکھنا چاہتے ہیں۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ ہمارے پاس وحی جلی و خفی موجود ہے جو سرکارِ کونین کے دل مبارک کی مراد ہے۔ وہ رب تعالیٰ ضرور بضرور پورا فرمائیگا کیونکہ اسی قادر ذالجلال والاکرام نے ازل سے صدیقِ اکبر کو آپکے نور اکرم کی معیت میں رکھا اور آپ کے بعد دوسرا درجہ رب تعالیٰ نے صدیقِ اکبر کو عنایت فرمایا۔ اور اس میں کسی کو مجال سخن نہ تھی۔ اسی طرح آپ کے تشریف لیجانے

کے بعد خلافت بھی صدیق اکبر سے کر دلائے گا۔ اور کسی میں چھیننے کی طاقت نہ ہوگی جیسے کہ آپ کے زمانہ میں مخالفین نے آپ کو زیر کرنا چاہا۔ نہ کر سکے۔ کیونکہ تائید ایزدی آپ کے ساتھ تھی۔ اسی طرح خلافت کے معاملہ میں صدیق اکبر کو زیر کوئی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ تائید ایزدی ان کے ساتھ بھی ہوگی کہ جیسے آپ کے ساتھ تھی۔ اور قاعدہ مذکور کے مطابق خلافت کا ابھی ایک حصّہ ختم ہونے والا ہے اور دوسرا باقی ہے تو ہر ایک مقام و عالم میں صدیق اکبر نمبر دو پر ہے تو خلافت میں بھی دوسرے نمبر پر ضرور رہیں گے (چنانچہ ایسا ہی واقع ہوا) دل را بدل رہیست۔

فقیر کے عقیدہ میں سر اللہ الاعظم عالم الغیب ہے تو جناب سر اللہ الاعظم نے جب حضرت فاروق اعظم کے اس خیال کو معلوم فرمایا اور آپ کو از لدنہ عیاں ہؤا کہ رب تعالیٰ میرے منشاء کو اپنے فضل و کرم سے ضرور پورا فرمائے گا۔ تو آپ نے قلم مبارک کو اپنے دست مبارک سے رکھ دیا۔ ورنہ آفتابِ نبوت کے سامنے کسی کو مجال نہ تھی کہ آپ کو آپ کے منشا و مرضی سے رکھوا لیتے کہ جب اللہ تعالیٰ خود آپ کی مرضی چاہتا ہے۔ فلنولینّك قبلةً ترضٰها۔ ولسوف يعطيك ربّك فترضٰى۔ تو کائنات میں کون آپ کے منشا و مرضی کے خلاف کر سکتا ہے۔ کما قیل

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم خدا چاہتا ہے رضائے محمدؐ (رفاہم جلاؐ)

قولِ سوم

قول سوم شیخ تقی الدین سبکی کا ہے۔ فرماتے ہیں کہ امام اہل سنت نے ان کلمات مبارکات میں صدیق اکبر کے عدم کفر کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔ لم تثبت عنه حالة كفر بالله قبل البعثت۔ کیونکہ بعثت مبارک سے قبل کسی حالت میں بھی صدیق اکبرؓ سے کفر مطلقاً صادر نہیں ہؤا۔ اور نہ اس بات کا ثبوت ملنے کا امکان ہے۔ جیسے ایک طائفہ کبیرہ کے متعلق ثبوت گزر چکا ہے۔ وہاں ملاحظہ ہو۔

آمدم بر سر مطلب۔ عزیزانِ اسلام اس تحقیق انیق سے عیاں و روشن ہؤا کہ حالتِ عرب قبل از اسلام بعینہٖ ہمارے اس زمانہ کے مطابق تھی۔ مثلاً ہمارے اس زمانہ میں

ہزاروں کی تعداد میں مذاہب تمام دنیا میں موجود ہیں۔ اور سوائے مذہب اسلام کے، باقی کل مذاہب باطل ہیں۔ اور مذہب اسلام میں سینکڑوں فرقے بن چکے ہیں اور کل فرقے باطل ہیں سوائے فرقہ اہل سنت والجماعت کے۔ کہ یہی ایک فرقہ حق پر قائم ہے۔ اور وہ دین متین جس کو جناب سر اللہ الاعظم اپنے زمانہ میں اپنے اصحابہ کو پیش فرما گئے تھے بعینہٖ وہی اوامر و نواہی وغیرہ کل احکام تغیر و تبدل ان کے پاس موجود ہیں۔ اور اس پر حکم رب کے مطابق عمل کر رہے ہیں۔ اور بہ نسبت تمام دنیا کے مذاہب کے اہل حق قلیل ہیں۔ اسی طرح قبل از اسلام عرب بلکہ کل دنیا میں ہزاروں مذاہب موجود تھے۔ اور وہ تمام مذاہب باطل تھے۔ سوائے مذہب ابراہیم خلیل کے۔ اور وہ مذہب صرف عرب میں تھا۔ اور اس پر عمل کرنے والے دوسرے مذاہب کی نسبت بہت قلیل تھے۔ جیسے بعض بعض کا حال گذشتہ اوراق میں بیان ہو چکا ہے۔ وہاں ملاحظہ ہو۔ (حضرت عیسٰی و موسٰی علیہما السلام کا دین کہ ان کا کیا حال تھا بشرط فرصت اس کی تفصیل کسی اور جزء میں کروں گا۔ اس کی توضیح کے لئے ایک جزء علیحدہ درکار ہیں۔ اس مختصر سی جزء میں گنجائش نہیں۔) ان بعض میں سے ابوین شریفین و اجداد سر اللہ الاعظم بھی تھے کہ جنہوں نے مطلقاً شرک نہیں کیا تھا اور تمام موحد و مومن کامل تھے۔ بلکہ جیسے کہ حدیث شریف میں موجود ہے (لن تخلو الارض من اربعین رجلا مثل خلیل الرحمٰن علیہ الصلوٰۃ والسلام فبھم تسقون وبھم تنصرون مامات منھم احد الا ابدل اللّٰہ مکانہ آخر) (روح البیان ص۱۴۳ ج ا) یعنی حضرت خلیل کی مانند درجہ میں چالیس افراد ہر وقت زمین میں رہیں گے۔ اور زمین کبھی بھی ایسے لوگوں سے خالی نہ ہوگی۔ کیونکہ انہی کی بدولت زمین والوں پر رحم و کرم نازل ہوتا ہے اور نزول بارش بھی انہی کی وجہ سے ہے۔ اور زمین والوں کو نصرت بھی انہی کی وجہ سے ملتی ہے اور جب ان میں سے ایک وفات پا جائے تو رب تعالیٰ اس کی بجائے اس مقام پر دوسرے کو مقرر فرماتا ہے۔ انتہی۔

اس حدیث پاک کے مفہوم سے معلوم ہوا کہ ہر زمانہ میں چالیس کامل مکمل انسان ضرور ہونگے۔ جن کو صوفیائے کرام کے مسلک میں ابدال کہتے ہیں۔ تو زمانہ قبل از بعثت میں بھی چالیس کا ہونا ضروری تھا۔ اور نور سر اللہ الاعظم کو رب تعالیٰ نے پاک پشتوں میں منتقل فرمانا تھا۔ اس لئے اس نور کے انتقال کے لئے کامل مکمل انسانوں کا ہونا ضروری تھا۔ تو رب تعالیٰ نے نبوت بھی سرکار کونین

کے اجداد میں منفرد فرمائی۔ اور ولایت بھی۔ اس لئے اجدادِ سر اللہ الاعظم اُسی پلّے کے ...
اللہ گزرے ہیں۔ اور حدیثِ احیاء سے معلوم ہوتا ہے کہ سر اللہ الاعظم کی خاطر رب تعالیٰ نے ...
شریفین کو زندہ فرمایا۔ اور حضور پہ ایمان لے آئے۔ تو اس ایمان لانے کا مطلب صرف ...
قدر سمجھ لینا کہ ما تقدم زمانہ میں تمام انبیاء کرام کا درجہ اولیا دزمانہ محمد الرسول اللہ سے ...
کم تھا۔ اور یہ کمی بھی شانِ ابوین سے لائق نہ تھی۔ اس لئے سر اللہ الاعظم نے دُعا کی اور آپ
کی دُعا سے رب تعالیٰ نے ابوین کریمین کو زندہ فرمایا تاکہ امت میں شمار ہو جائیں۔ اور ...
اُمتِ محمدی کا شرف و منزلت حاصل کریں۔ کما قال حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ۔

الم تر ان اللّٰہ ارسل عبدہٗ ❊ ببرھانہٖ واللّٰہ اعلیٰ وامجد
وشق لہ من اسمہٖ لیجعلہٗ ❊ فذ العرش محمود وھذا محمد

ھذا ما عندی واللّٰہ اعلم وعلمہٗ اتم واحکم۔

توضیح مطلب حدیث

سوال۔ دوستانِ عزیز یہاں پر سوال وارد ہوتا ہے کہ والدین ماجدین سید کونین کو رب تعالیٰ نے اپنے حبیب تاجدارِ عرب و عجم کی خاطر زندہ فرمایا اور زندہ ہو کر کامل ایمان کے ساتھ سر اللہ الاعظم کی اُمت میں داخل ہو گئے۔ تو ایمان بعد از احیاء مثل ایمان یاس کے ہے۔ تو جیسے ایمان یاس سے کسی کو فائدہ نہیں پہنچ سکتا اسی طرح ایمان بعد از احیاء بھی فائدہ مند ثابت نہیں ہو سکتا۔ جیسے کہ حافظ ابو الخطاب بن دحیہ نے ذکر کیا ہے کہ ایمان یاس و ایمان بعد از احیا نافع نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قواعد قرآنِ مقدس سے ثابت ہے۔ قال اللہ تعالےٰ۔
ولا الذین یموتون وھم کفار۔ وقال۔ فیمت وھو کافر۔ وقال۔ فلم یکن ینفعھم ایمانھم۔ لما راؤا بأسنا۔ تو ان آیات بیّنات سے ثابت ہوا کہ رجوع بعد از موت ایمان کی طرف محال ہے۔

جواب:۔ اس سوال کا جواب امام قرطبی[1] نے اپنی کتاب "التذکرہ باحوال الموتیٰ وامور الآخرۃ" میں یوں دیا ہے کہ ان آیات بیّنات میں کہ جہاں ایمان یاس و بعد از احیاء کے عدم نفع کا

---

[1] امام قرطبی کا اصل نام امام شیخ محقق شمس الدین محمد بن احمد بن فرح الانصاری الاندلسی متوفی ۶۷۱ھ
اور کتاب کا اصل نام اوپر لکھا گیا ہے۔ اور یہ بہت مشہور کتاب ہے کہ جس میں موت۔ موتیٰ۔ حشر۔ نشر۔ جنت۔
...

باقی ہے۔ تو یہ حکم عامۃ الخلائق کا ہے۔ یعنی عادۃ اللہ و حکم اللہ یہی ہے کہ یاس و بعد از احیاء کا ایمان معلوم کا اس کے ہاں قبول نہیں اور ان کا رجوع ایمان کی جانب محال ہے عادۃً۔ ہاں البتہ خاص خاص مقام میں از وجہ خرقِ عادت کسی کسی کا بطور معجزہ و کرامت زندہ ہو جانا اور ایمان لے آنا اور اس پیغمبر کے دین میں داخل ہو جانا پایا جاتا ہے۔ تو یہ احیاء و ایمان بالیقین قواعد مذکورہ بالا سے مستثنیٰ ہے۔

اور نیز امام قرطبی ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ سوال سائل کا مردود ہے اس حدیث کے ساتھ کہ جس کو امام طحاوی نے بسند صحیح روایت فرمایا ہے۔ قال ان اللہ تعالیٰ ردّ الشمس علی نبیہٖ بعد مغیبھا حتّٰی صلّی علیؓ۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ جناب سر اللہ الاعظم بعد از ادائے نماز عصر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجوہنا و وجہہٗ کی ران مبارک پر سر مبارک رکھ کر[1] آرام فرمانے کے لئے لیٹ گئے۔ اور اسی اثنا میں جناب سر اللہ الاعظم کے چشمانِ مبارک عالم خواب میں استراحت پذیر ہو گئیں۔

اور میں نے چشمانِ مبارک کے استراحت کے متعلق کیوں کہا اس لئے کہ جناب سر اللہ الاعظم کے چشمانِ مبارک دارِ دنیا میں استراحت پذیر ہوتے تھے اور دل مبارک ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بیدار رہا کرتا تھا۔ اور اب چونکہ جناب فخر موجودات عالمِ آخرت میں تشریف فرما ہیں۔ اور دارِ آخرت میں مطلقاً بے آرامی نہیں ہوتی۔ بلکہ ہمہ حالات میں ہر مومن مسلمان کی طبیعت ہشاش بشاش خوش و خرم و شاداں رہا کرتی ہے۔ اور شانِ حبیب اللہ المنان کا تو یہ ہے کہ جیسے خود سرکار نے حضرت فاطمۃ الزہراؓ سے مرضِ موت میں ارشاد فرمایا اے میری صاحبزادی! لا کرب علی ابیکِ بعد الیوم۔ آج کے دن کے بعد کبھی بھی آپ کے والد ماجد پر تکلیف و تنگی و مصیبت نہ ہوگی۔ بلکہ ہمہ حالات میں خوشی و خرمی پر خوشی و خرمی رہے گی۔ ثابت ہوا کہ جناب

بر حاشیہ) اور نحو۔ فقہ۔ خیر۔ شر۔ وغیرہ مسائل ہیں۔ اور ہر مسئلہ کے لئے علیحدہ باب باندھا ہے اور ہر باب کے ضمن میں ایک فصل ہے جس میں مشکل مسائل کی توضیح اور عجیب و غریب واقعات کا بیان ہے نہایت عمدہ کتاب ہے۔ منہ غفرلہٗ۔ کذا فی کشف الظنون۔

[1] اور بعض روایات میں وحی کے متعلق مذکور ہے کہ حضور پر وحی نازل ہو رہی تھی اسلئے حضورؐ نے حضرت علیؓ کی ران مبارک پر سر [illegible]

سرّ اللہ الاعظم دارِ آخرت میں حیاتِ طیبہ سے حیات ہیں۔ اور اپنی چشمانِ ظاہرہ وباطنہ سے امت کا حال مشاہدہ فرما رہے ہیں۔ فافہم)

عزیز دوستو! یہ تو ایک جملہ آپ کی معلومات وفہم کے لئے فقیر نے درج کیا۔ اصل میں اصل واقعہ حضرت علی کا بیان کر رہا تھا۔ تو جب سرکارِ کونین نے حضرت علی کی ران مبارک پر سر مبارک رکھ کر آرام فرمانا شروع کیا اور تمام اصحابہ کو پاس ادب یہاں تک ملحوظ تھا کہ اپنی جانوں ہلاکت میں ڈال دیا کرتے تھے لیکن سرکارِ کونین کے آرام وراحت میں مطلق خلل پسند نہیں کرتے تھے جیسے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے غار میں کیا۔ کما ذکرہ المفسرون۔ تو اس واقعہ میں حضرت علی نے ادباً تعظیماً حضور کا بیدار کرنا مناسب نہ سمجھا۔ یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوا اور عصر کی نماز قضا ہوئی اور اسی اثنا میں جناب سرّ اللہ الاعظم کے عینانِ مبارک خوابِ استراحت سے بیدار ہو گئے۔ تو سرکارِ کونینؐ نے حضرت علیؓ سے دریافت فرمایا کہ تمہاری نماز عصر قضا ہو گئی۔ عرض کی جی ہاں میری نماز عصر قضا ہو گئی۔ تو جناب سرّ اللہ الاعظم نے بحکم رب تعالی سورج کو بعد از غروب واپس اصلی وقت عصر کی طرف لوٹ آنے کا حکم دیا۔ سورج بحکم سرّ اللہ الاعظم لوٹ کر آیا اور وقت متجدد ہوا اور حضرت علیؓ نے نماز عصر وقتِ اصلی میں ادا فرمائی۔ نہ قضاءً۔

اور امام طحاوی ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح وثابت ہے اور امام قرطبی اسی حدیث مبارک سے استدلال فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔ فلولم یکن رجوع الشمس نافعاً وانہ لا یتجدد الوقت لما ردھا علیہ۔ کہ اگر رجوع سورج وقت کے تجدید کے لئے نافع نہ ہوتا۔ اور وقت میں نماز کی ادائیگی کے لئے فائدہ مند نہ ہوتا تو جناب سرّ اللہ الاعظم کبھی بھی رب تعالی کے دربار مقدسہ میں سورج کے لوٹ آنے کے لئے دعا نہ فرماتے بلکہ خواہش تک ظاہر نہ فرماتے۔ ثابت ہوا کہ سورج کے لوٹ آنے سے وقت متجدد ہوا اور جدید وقت میں حضرت علیؓ نے نماز ادا کی۔ اور تجدیدِ وقت ان کے لئے نافع ہوا۔ وکذالك یکون احیاء ابوی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ تو اسی طرح ابوین شریفین کا احیا ایمان لانے کے لئے اور درجاتِ روحانی حاصل کرنے کے لئے نافع تھا۔ اسی لئے رب تعالی نے ان کو زندہ فرمایا

بکرامت محمد الرسول اللہ کا شرف و منزلت ان کو بھی نصیب ہو جائے۔ کہ جس امت میں شمولیت کی تمنا آدم۔ موسیٰ اور عیسیٰ وغیرہ انبیاء عظام نے بھی کی۔ تو ابوین شریفین کا احیاء مثل ارجاع شمس کے ہے جو از۔ فافہم۔

اور نیز امام قرطبی آگے چل کر فرماتے ہیں کہ حالتِ یأس و معائنہ عذاب میں ایمان کا نافع نہ ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ ہر ایک مقام و حال میں ایسا ہی ہو بلکہ بطریق خصوصیت و خرق عادت بعض امکنہ اس حکم سے حتماً یقیناً مستثنیٰ ہیں۔ جیسے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا حال ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان کے ایمان و توبہ کو بعد از حکم عذاب قبول فرمایا اور عذاب کو ان سے دور فرمایا گیا۔ حالانکہ حکمِ عذاب ہو چکا تھا۔ کما قال اللہ تعالیٰ فلولا کانت قریۃ اٰمنت فنفعھا ایمانھا الا قوم یونس (الآیۃ) اس آیت مقدسہ سے ثابت ہوا کہ نزولِ عذاب کے بعد قومِ یونس ایمان لائے اور رب تعالیٰ نے ان کے ایمان کو قبول فرمایا اور اپنے رحم کی آغوش میں ان کو بلند مقام عطا فرمایا۔ بعینہٖ اسی طرح ابوین کریمین کو رب تعالیٰ نے بدعاء جناب سر اللہ الاعظم زندہ فرما کر ایمان کے بلند مراتب تک بخاطر سر اللہ الاعظم پہنچایا۔ اور یہی ہے عقیدہ حقہ۔

نیز امام قرطبی فرماتے ہیں کہ آیت مبارک ولا تسئل عن اصحاب الجحیم کا نزول احیاء ابوین شریفین سے قبل ہوا۔ یعنی اس آیت مبارک کا نزول احیاء سے قبل ہوا ہے اس لئے احیاء کا مسئلہ اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا (انتہیٰ حاصل کلام امام قرطبی)

امام اجل سیوطی مجدد مائۃ تاسعہ ارشاد فرماتے ہیں کہ امام قرطبی کا رجوع آفتاب کی حدیث کے ساتھ استدلال کرنا غایتِ حسن و کمال میں واقع ہے کیونکہ حضرت علی کو حضور نے نماز کی ادائیگی فی الوقت کا حکم فرمایا تھا اور اگر ادائیگی نماز فی الوقت رجوعِ شمس سے ثابت نہ ہوتا تو پھر ارجاعِ شمس سے فائدہ کیا تھا۔ حالانکہ بعد از غروب آفتاب نماز قضاء ادا کی جا سکتی تھی۔ ثابت و متحقق ہوا کہ ارجاع شمس سے وقت اصلی عصر کا لوٹ کر واپس آیا اور وقتی نماز کو وقت ہی میں حضرت علیؓ نے ادا کیا۔ (ھکذا احال ابوین الکریمین)

نیز امام سیوطی ارشاد فرماتے ہیں۔ وقد ظفرت باستدلالِ اظھر دا وضح منہ کہ امام

قرطبی نے حدیث ارجاعِ شمس سے جو استدلال فرمایا ہے۔ نہایت بہتر استدلال ہے لیکن میں نے تلاش کے بعد ایک واضح و اظہر دلیل اور پایا۔ جو یہ ہے کہ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے۔ ان اصحاب الکھف یبعثون فی آخر الزمان و یحجون و یکونون من ھٰذہ الامۃ تشریفاً لھم بذالك۔ کہ اخیر زمانہ میں اصحاب کہف کو رب تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے زندہ فرمائیگا۔ اور وہ زندہ ہو کر حج بیت اللہ کریں گے۔ اور امت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہو جائیں گے۔ تاکہ وہ اس امت شریفہ میں شمولیت کی وجہ سے مشرف و معزز ہو جائیں۔ اس غرض کے لئے رب تعالیٰ ان کو زندہ فرمائے گا۔ اور ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں۔ اصحاب الکھف اعوان المھدی کہ اصحابِ کہف حضرت محمد مہدی آخر الزمان کے معاونین سے ہونگے۔ اور اعانت جب ہو سکتی ہے کہ وہ زندہ ہو کر امام محمد مہدی کے ساتھ ہر حالت میں رہیں۔

نتیجہ۔ اسی طرح اے مؤمن مسلمان ابوین شریفین کی شان میں عقیدت قائم رکھ کہ جیسے رب تعالیٰ آخیر زمانہ میں اصحابِ کہف کو زندہ فرمائے گا۔ تاکہ شرف امت سے مشرف ہو جائیں۔ اسی طرح رب تعالیٰ نے ابوین شریفین کو زندہ فرمایا تاکہ ولایتِ امتِ مرحومہ کا شرف و منزلت حاصل کریں۔ فافہم۔

مھمہ

اور نیز یہ امر بعید از عقل و قیاس نہیں کہ رب تعالیٰ نے ابوین شریفین کے لئے ازل سے عمر مقرر فرمایا ہو۔ اور اس عمر کے استیفا سے قبل کچھ ساعات ان کو دارِ دنیا سے اٹھایا ہو اور پھر ان ساعات کے پورا کرنے کے لئے واپس دنیا میں لوٹا دیا ہو اور انہی ساعتوں میں انھوں نے شرف ولایت امتِ محمدیہ علیٰ صاحبنا الصلوٰۃ والسلام حاصل کیا ہو اور یہ جملہ اکرامات و احسانات رب تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر فرمائے ہوں۔ اور دین کے تمام قوانین کے اتمام تک ان کی زندگی کو رب تعالیٰ نے مؤخر فرمائی ہو تاکہ کامل دین میں داخل ہو جائیں اور ان کے کمال روحانی میں کسی قسم کی کمی نہ رہے۔ جیسے رب تعالیٰ اصحابِ کہف کی زندگی کو اخیر زمانہ تک مؤخر فرماتا جا رہا ہے اور اخیر زمانہ میں رب تعالیٰ ان کو زندہ فرمائیگا تاکہ شرف امتِ مرحومہ سے مشرف ہو جائیں

سوال

یہاں پر سوال وارد ہوتا ہے کہ آیت مبارک لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون۔ سے کو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو بھی وقت مقررہ سے آگے پیچھے نہیں ہونے دیتا تو پھر آپ کا یہ کہنا مذکورہ بالا کیسے صحیح ثابت ہو سکتا ہے۔

جواب یہ ہے کہ آیت مبارک میں قضاء مستمرہ مراد ہے۔ اور خاص خاص مقامات اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ جیسے ابوین کریمین کا حال ہوا۔ یا اصحاب کہف کا حال ہوا۔ اور یا ان لوگوں کا حال ہوا کہ جن کو رب تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ روح اللہ کے ہاتھ پر زندہ فرمایا تھا۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔ وابرئ الاکمہ والابرص واحی الموتیٰ باذن اللہ۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ سوال جب وارد ہوتا ہے کہ بناءً علیٰ قول جمہور علماء اس قاعدہ کو صحیح تسلیم کیا جائے کہ عمر کم وبیش نہیں ہوتا۔ اگر اس قول پر عمل کیا جائے کہ عمر کم وبیش ہوتا ہے تو پھر سوال وارد ہی نہیں ہوتا اور اس قول کو ائمہ میں سے ایک جم غفیر نے قبول کیا ہے۔ اور ہر ایک کی اس مسلک کی تائید میں تصانیف ہیں۔

اور نیز حموی نے شرح اشباہ میں صاحب اشباہ کے اس قول کے ماتحت ذکر کیا ہے من مات علی الکفر ابیح لعنۃ کہ جو شخص کفر پر مر جائے یعنی کافر مر جائے تو اس پر لعنت بھیجنا جائز ہے الا والدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لثبوت ان اللہ تعالیٰ احیاھما لہ حتی اٰمنا بہ۔ (کذا فی مناقب الکردری) مگر والدین شریفین پر لعنت بھیجنا مطلقاً جائز نہیں کیونکہ یہ مسئلہ تحقیق تک پہنچ چکا ہے کہ والدین شریفین کو رب تعالیٰ نے حضور کی خاطر زندہ فرمایا اور زندہ ہو کر حضور پر ایمان لے آئے۔ اور شرف ولایت بنوت سے مشرف ہو گئے۔

حاصل مہمہ

عزیزان اسلام! بعض علماء کرام نے ان روایات میں یوں تطبیق دی ہے (ماحاصلہٗ) کہ جناب سر اللہ الاعظم کا درجہ ہر وقت رب تعالیٰ کے دربار مقدسہ میں بلند ہوتا تھا۔ اور مقامات سنیہ آپ کو حاصل ہوتے رہے یہاں تک کہ رب تعالیٰ نے آپ کی روح زکیہ طاہرہ کو قبض فرمایا اور وقت تقدم میں عجیب و غریب کرامات و خصائص سے آپ کو اپنے قرب خاص میں مقرب فرمایا

تو یہ جائز امر ہے کہ یہ درجہ احیاء موتیٰ قبل آپ کو حاصل نہ تھا تو جیسے جیسے درجات بلند ہوتے گئے ویسے ہی رب تعالیٰ آپکو طاقت عطا فرماتا رہا۔ تو جن احادیث میں والدین شریفین کے متعلق سخت کلمات مروی ہیں۔ وہ قبل از حصول درجات عالیہ ہیں اور احیاء ابوین شریفین بعد از حصول درجات عالیہ ہیں۔ (فلا تعارض) انتہی۔ بلکہ محققین علماء کرام کے مسلک میں وہ احادیث کہ جن میں ابوین شریفین کی شان میں یوں وارد ہے۔ (کونھم فی النار منسوخۃ بالاحادیث کونھم فی الجنۃ) کہ والدین شریفین دوزخ میں ہیں۔ وہ تمام احادیث منسوخ ہوگئیں ان احادیث کے ساتھ کہ جن میں وارد ہے کہ ابوین شریفین جنتی ہیں اور اس نسخ کی توضیح اس روایت سے بھی ہوتی ہے۔ کہ جس کو ابن عبدالبر نے حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے اولادِ مشرکین کے متعلق حضور سے سوال کیا۔ تو سرکار نے جواباً فرمایا (ھم من آبائھم) یعنی جیسے ان کے باپوں کا حکم ہے وہی ان کا حکم ہے۔ چند دن گزر جانے کے بعد پھر سوال کیا تو سرکار نے جواباً فرمایا۔ اَللّٰہ اعلم بما کانوا عاملین۔ یعنی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ ان کے ساتھ رب تعالیٰ قیامت کے روز کیا معاملہ فرمائے گا۔ تو چند دن گزر جانے کے بعد پھر حضرت خدیجہ نے دریافت فرمایا اور اس وقت اسلام مستحکم ہو چکا تھا۔ تو سرکار نے جواباً ارشاد فرمایا (ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ) کہ رب تعالیٰ کسی ایک کا بوجھ دوسرے پر نہیں ڈالتا۔ اس لئے مشرکین کا بوجھ ان کی اولاد پر واقع نہ ہوگا۔ بلکہ وہ یا تو فطرت پر ہوں گے یا جنت میں داخل ہوں گے۔ فھذا یدل علی النسخ۔ فافھم (ولا تکن من المسرعین)

خاتمہ

اخوانِ اسلام! فقیر راقم نے فریق اوّل (کہ جن کا ایمان سید السفرا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین ماجدین کے حق میں یہ ہے کہ والدین ماجدین سید الکونین بلکہ جمیع اجدادِ صلی اللہ علیہ وسلم قطعاً۔ حتماً۔ یقیناً جنتی ہیں") کے دلائل بطریقِ ثلاثہ نہایت تدقیق و تحقیق کے ساتھ آپ کے سامنے بیان کئے ہیں۔ اور کما ینبغی ہر ایک نکتہ کو آپ کے سامنے طشت از بام کیا۔ اور کسی قسم کا شک و شبہ رہنے نہ دیا اور مومن عاقل کے لئے روح پرور مضامین سلک سطور

میں منسلک کئے۔ اور بوقتِ تحریر ہر ایک مومن صادق کے لئے رب تعالیٰ کے دربارِ اقدس میں دعا ہی کہ اسے قادرِ ذوالجلال والاکرام۔ جس مومن مسلمان کی نگاہ عمل ان سطور محور پر بوقت مطالعہ گزرتی جائے تو ساتھ ساتھ نیر ہدایت و عقیدت "نجات والدین شریفین کی شان میں" ان کے قلوب میں پیوست فرماتا جا۔ اور بعد از عقیدت و ہدایت ہر ایک حرف و نقطہ (جو کہ ابوین شریفین کی تعریف و شان میں ہے) کے عوض میں ان کو جنت میں اعلیٰ و افضل منازل بقدرِ تعداد حروف عطا فرماتا جا۔ یااللہ۔ یااللہ۔ یااللہ۔ اس فقیر کاتب الحروف اور فقیر کے والدین ماجدین اور جملہ احباب صادقین کو بخدمتِ شرف نسب شریفہ طیبہ طاہرہ۔ سید السفرا اپنے جوارِ رحم و کرم میں وہ عالی مقام نصیب فرما کہ جس میں ہر وقت جمالِ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نظروں کے سامنے موجود رہے۔ آمین۔ آمین۔ ثم آمین۔ یارب العالمین ویا خیر الناصرین و یا خیر الحافظین۔ برحمتک یاارحم الراحمین۔

اللّٰھم ارنا الحق حقاً و ثبتنا علیہ۔ والباطل باطلاً و اجنبنا عنہٗ۔

وباللہ التوفیق بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وہو نعم الرفیق

فریق دوم

برادرانِ اسلام! فقیر کاتب الحروف کی اس کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے آپ نے ابتداء کتاب میں پڑھا ہوگا۔ کہ نجات والدین ماجدین سرورِ کونین کی شان میں علماء کرام کے تین فریق ہو گئے ہیں۔ فریق اول حتماً۔ قطعاً۔ یقیناً نجات کے قائل ہیں اور ابوین شریفین کو جنتی جانتے ہیں اور ان کے دلائل پہاڑ کی چٹان کی طرح نہایت مضبوط و مستحکم ہیں اور ائمہ کرام باندازہ تناسب ننانوے (99) فی صد اسی فریق اول میں شامل ہیں یعنی یہ فریق انہی ائمہ کرام کا فریق ہے اور ان کے دلائل بطرقِ ثلاثہ فقیر نے نہایت بسط ترکیب سے بیان کئے ہیں وہاں غور سے ملاحظہ فرمائیں۔ اور فریق دوم علماء کرام میں سے چند افراد کا ہے کہ جن کا قول زبان و قلم زیب نہیں دیتے کہ صفحہ سطور میں تحریر کیا جائے۔ لیکن نقل کفر کفر نباشد کا مصداق ہے۔ تو اگر فریق دوم کے دلائل کے ذکر کرنے کے بعد اس کا رد نہ کیا جائے تو مبتدیین کے لئے ایک معمہ کے رہنے کا اندیشہ ہے اس لئے دوستانِ دینی کے علم و ادراک کی بلندی کے لئے فریق دوم کے دلائل کو ذکر کرتا ہوں

اور ذکر کرنے کے بعد ان دلائل کے جوابات جو کہ فریق اول کے علماء کرام نے نہایت تدقیق و تحقیق کے ساتھ دئیے ہیں۔ سلک بیان میں لاتا ہوں۔ تاکہ طالبین صادقین کے لئے کوئی دقیقہ وہم نہ رہ جائے۔ وباللہ التوفیق۔ وہو نعم الرفیق۔

سوال از فریق دوم

ما تقدمہ دلائل و براہین سے ہم نے نجات ابوین شریفین چند لمحات کے لئے تسلیم کیا لیکن ان دلائل و براہین کے علاوہ عدم نجات کے دلائل و براہین احادیث میں موجود ہیں۔ اور وہ کفر ابوین شریفین و ناری ہونے پر دال ہیں۔ (فما تصنع بہم) مثلاً:۔

حدیث ۱۔ ما فعل ابوای فنزلت ولا تسئل عن اصحاب الجحیم یعنی کاش کہ اگر میں جانتا ہوتا کہ میرے والدین ماجدین کے ساتھ رب تعالیٰ نے کیا معاملہ فرمایا ہوگا تو رب تعالیٰ نے اس آیت مبارک کو نازل فرمایا کہ اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم آپ سے احوال دوزخیوں کے متعلق سوال نہ کیا جائے گا۔

حدیث دوم۔ لا تستغفر لمن مات مشرکاً۔

ایک روز جناب سر اللہ الاعظم نے اپنی والدہ ماجدہ کے لئے رب تعالیٰ کے دربار اقدس میں سوال کیا تو سیدنا جبرائیل امین نے سرکار کونین کو استغفار سے منع کیا اور کہا کہ یا رسول اللہ آپ ان لوگوں کے لئے جو کہ مشرک وفات پا گئے ہیں استغفار نہ پڑھا کیجئے۔

حدیث نمبر ۳۔ نزل فیہما ما کان للنبی والذین اٰمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربیٰ۔

اس حدیث کو ابن جریر نے بطریق عطیہ عوفی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جناب سر اللہ الاعظم نے ارادہ فرمایا کہ والدین ماجدین کے لئے رب تعالیٰ کے دربار اقدس سے طلب مغفرت کریں تو یہ آیت مبارک نازل ہوئی کہ یا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان لوگوں کے لئے جو کہ ایمان باللہ رکھتے ہیں مطلقاً جائز و لائق نہیں کہ مغفرت طلب کریں مشرکین کے لئے۔ اگرچہ قریبی رشتہ داروں سے کیوں نہ ہوں۔

حدیث ۴۔ ان امی مع امکما۔ ایک روز حضور کی خدمت میں ملیکہ کے فرزند حاضر

ہے اور انہوں نے اپنی والدہ ملیکہ کی شان میں سرکار سے دریافت کیا تو جناب صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا۔ تمہاری والدہ جہنم میں ہے تو ان پہ یہ کلام شاق گذرا۔ تو سرکار کونین نے دوبارہ واپس بلایا اور فرمایا ان امی مع امکما۔ یعنی میری والدہ ماجدہ بھی تمہاری والدہ کے ساتھ ہے۔

جواب از فریق اوّل

عزیزانِ اسلام! امام اجل عالم نبیل مجدد مائۃ تاسعہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علینا و علیہ اس سوال کے جواب میں اپنی کتاب مسالک الحنفاء میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ یہ تمام احادیث ضعیف ہیں۔ قابلِ اعتبار نہیں۔

حدیث نمبر ۱ کو احادیث معتمدہ میں کسی محدث نے مطلقاً روایت نہیں کیا اور نہ کسی مستند کتاب حدیث میں مذکور ہے۔ لیکن ذکر کیا ہے۔ اس حدیث کو بعض مفسروں نے اپنی تفاسیر میں سند منقطع کے ساتھ۔ لا یحتج بہ ولا یعول علیہ

اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ سبب و مضمونِ حدیث دوسرے وجوہ بلاغت و اسرار بیان سے مردود ہے۔ کیونکہ اس آیت مبارک سے قبل و بعد تمام آیات یہودیوں کی شان میں وارد ہیں۔ مثلاً یا بنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم واوفوا بعہدی اوف بعہدکم وایای فارھبون۔ الی قولہ تعالیٰ۔ واذا ابتلی ابراھیم ربہ تک یہ تمام آیات یہود کی شان میں وارد ہیں۔ اس لئے مضمون کا اختتام بھی اسی قصہ سے ہوا۔ تو اس تحقیق سے صاف واضح ہوا کہ اصحاب الجحیم سے کفار اہل کتاب مراد ہے۔ بلکہ عبد ابن حمید۔ فریابی۔ ابن جریر۔ ابن منذر نے اپنی اپنی تفاسیر میں صرف مجاہد سے روایت کیا ہے اور صریح الفاظ اثر اس بات پر دال ہیں کہ اصحاب جحیم سے کفار اہل کتاب مراد ہیں۔

فرماتے ہیں کہ اول سورۃ بقرہ سے چہار آیات نعت مومنین میں وارد ہیں اور دو آیات نعت کفار میں وارد ہیں۔ اور پھر تیرہ آیات مومنین کی نعت میں وارد ہیں اور پھر دو آیات کفار کی نعت میں وارد ہیں اور نیز تیرہ ۱۳ آیات منافقین کے حق میں وارد ہیں۔ اور

چالیس[۴۰] آیات سے ایک سو بیس[۱۲۰] آیات تک بنی اسرائیل کی شان میں وارد ہے اور یہ اشارہ بھی ہے اور یہ تاکیدی امر ہے کہ سورت مدنی ہے۔ اور اکثر اس میں یہودیوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔ اس لئے اصحاب الجحیم سے مراد کفار اہل کتاب ہی ہیں۔

اور تیسری بات یہ ہے کہ من حیث المناسبت اصحاب الجحیم سے مراد کفار اہل کتاب ہیں، کیونکہ مقتضی لغت دائرہ کے مطابق جحیم کے معنے ہیں (ما عظم من النار) جیسے ابن ابی حاتم نے ابی مالک سے اس آیت مبارک میں اخراج کیا ہے (اصحاب الجحیم ما عظم من النار) اور نیز ابن جریر و ابن منذر نے ابن جریج سے رب تعالیٰ کے اس قول مبارک (لہا سبعة ابواب) کے ماتحت اخراج کیا ہے کہ جہنم کے سات ابواب ہیں۔ اول کا نام جہنم۔ دوم لظیٰ سوم حطمہ۔ چہارم سعیر۔ پنجم سقر۔ ششم جحیم۔ ہفتم ہاویہ ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ جحیم میں ابو جہل اور اس کے مانند اور لوگ ہونگے۔

تو اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ اصحاب الجحیم سے مراد کفار اہل کتاب ہیں۔ اور یہ آیت مبارک انہی کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ اور ابوین شریفین کی شان میں اُس آیت مبارک کا نزول قرار دینا علم تفسیر و حدیث سے ناآشنائی کی دلیل قاطع ہے۔ ثابت و کائن ہوا کہ یہ حدیث ضعیف ہے قابل قبول نہیں، وتدبر شیئًا من ذالک فانہم

اور حدیث نمبر ۲ کو بزار نے سند مجہولہ کے ساتھ اخراج کیا ہے اور بعض افراد تو ایسے ہیں کہ بالکل غیر معروف ہیں۔ اس لئے یہ حدیث بھی ضعیف ہے قابل قبول نہیں۔

اور حدیث نمبر ۳ بھی ضعیف ہے قابل اعتبار نہیں کیونکہ صحیح حدیث پاک میں اس کے خلاف وارد ہے کہ یہ آیت مبارک مذکورہ فی الحدیث شان ابی طالب میں وارد ہے۔ شان ابوین شریفین میں نہیں۔ اور اسی طرح شامی نے اپنی سیرت میں بھی ذکر کیا ہے۔ اور نیز صحیح حدیث میں موجود ہے کہ سرکار کونین نے حضرت ابی طالب سے فرمایا کہ لاستغفرن لک مالم انہ عنک۔ تو اس حدیث میں دو علت واقع ہوئیں ایک ضعف سند اور دوسری مخالفت بصحیحین (تأمل)

سوال۔ ہو سکتا ہے کہ یہ آیت مبارک دو مرتبہ نازل ہوئی ہو ایک مرتبہ شان ابوین

ہیں اور دوسری مرتبہ شان ابوطالب میں۔

جواب۔ تمہاری یہ بات قابلِ قبول نہیں کیونکہ یہ بات حضور کی شان میں کیسے تسلیم کی جاسکتی ہے کہ ایک مرتبہ تو رب تعالیٰ نے حضور کو مغفرتِ کفار سے منع فرمایا۔ تو پھر حضور اللہ تعالےٰ کے حکم کے خلاف کیسے کر سکتے تھے۔ ثابت و کائن ہوا کہ یہ حدیث ضعیف ہے قابلِ قبول نہیں۔ (صرح بذالک علامہ حلبی فی سیرتہ)

اور حدیث نمبر ۴ بھی ضعیف ہے قابلِ اعتبار نہیں۔ کیونکہ اس حدیث کو حاکم نے اپنی کتاب "مستدرک" میں روایت کیا ہے۔ اور کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے لیکن امام سیوطی فرماتے ہیں کہ حاکم کا شان یہ ہے کہ بہت سی احادیث کو صحیح کہہ جاتا ہے حالانکہ وہ صحیح نہیں ہوتیں اس کا تساہل و چشم پوشی صحیح کہنے میں مشہور ہو چکے ہیں۔ اس لئے علم حدیث میں یہ قاعدہ مقرر کیا گیا ہے کہ جس حدیث کو حاکم تنہا صحیح کہہ دے اور کسی اور محدث نے اس حدیث کو صحیح نہ کہا ہو تو تنہا حاکم کے قول کو قبول نہ کیا جائے۔ اور اس حدیث نمبر ۴ کو ذہبی نے (مختصر المستدرک) میں ذکر کرنے کے بعد قول حاکم کو نقل کیا ہے۔ کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اس قول کے بعد خود فرماتے ہیں۔ لا واللہ نعثمان بن عمیر ضعفہ الدار قطنی۔ کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات کی قسم کہ اس حدیث کے راویوں میں سے عثمان بن عمیر کو دارقطنی نے ضعیف کہا ہے۔ ذہبی نے یمین شرعی اٹھانے کے بعد کہا کہ مذکورہ راوی ضعیف ہے۔ تو ثابت و کائن ہوا کہ حدیث نمبر ۴ بھی ضعیف ہے۔ قابلِ اعتبار نہیں۔ اور کچھ اس حدیث کی تحقیق گزر چکی ہے۔ وہاں ملاحظہ ہو۔

حاصل جواب

برادرانِ اسلام! اس تحقیق سے معلوم و عیاں ہوا کہ عدم نجات ابوین شریفین میں جو بھی احادیث وارد ہیں۔ وہ تمام کی تمام یا تو ضعیف ہیں۔ اور یا تمام منسوخ شدہ ہیں۔ احیاء ابوین شریفین کی احادیث سے۔ اور یا کامل ایمان ابوین شریفین کی احادیث سے اور یا وحی کے ذریعہ سے کہ اہل فطرت کے لئے عذاب حتماً یقیناً نہیں ہے۔ اس لئے ایمان و نجات ابوین شریفین کا عقیدہ رکھنا اعلیٰ و افضل ہے بلکہ جزوِ ایمان ہے۔ کیونکہ دلائل ظاہرہ

سے ثبوت وافر موجود ہے۔ اور عدم ایمان و نجات پر کوئی خاص دلیل مطلقاً موجود نہیں
فانہم ولا تکن من المسرعین۔

سوال ثانی از فریق دوم

ماتقدم احادیث کے متعلق تو ہم نے مان لیا کہ یہ احادیث تمام ضعیف یا منسوخ ہیں
قابل احتجاج نہیں۔ لیکن اس حدیث کے متعلق کہ جس کو امام مسلم نے حضرت انس سے
روایت کیا ہے۔ کہ ایک مرتبہ جناب سر اللہ الاعظم سے ایک آدمی نے سوال کیا کہ میرا والد
کہاں ہے۔ تو سرکار کونین نے جواباً ارشاد فرمایا (فی النار) تو جب وہ اٹھ کر جانے لگا تو
جناب فخر موجودات نے واپس بلایا اور ارشاد فرمایا۔ ان ابی و اباک فی النار یعنی میرا
اور تمہارا باپ آگ میں ہیں۔

اور نیز اس حدیث کے متعلق کہ جس کو مسلم و ابی داؤد ہر دونوں نے حضرت ابی ہریرہ سے
روایت کیا ہے کہ جناب سر اللہ الاعظم نے رب تعالیٰ سے مغفرت والدہ کے لئے اجازت طلب کی
تو رب تعالیٰ نے اجازت استغفار نہ دی اور استغفار سے منع فرمایا۔ اور یہ ہر دونوں حدیثیں
صحیح ہیں۔ تو پھر یہ عقدہ کیسے کشادہ ہوگا۔ وما تصنع بہما

جواب از فریق اوّل

فقیر لاحہ اللہ القدیر کہتا ہے کہ یہ احادیث بسر و چشم قبول۔ لیکن جواب ان کا یہ ہے۔
(خوب غور سے سمجھ لو) کہ حدیث اول الذکر یعنی ان ابی و اباک فی النار کہ روایت کرتے ہیں
راوی ان ہی مذکورہ بالا الفاظ کے بیان کرنے میں متفق نہیں ہیں۔ اور یہ وہ طریق ہے کہ جس کو
مسلم نے حماد بن سلمہ سے اور اس نے ثابت سے اور اس نے حضرت انسؓ سے روایت
کیا ہے۔ اور مخالف ہے اس طریق سے۔ وہ طریق کہ جس کو معمر نے ثابت سے روایت کیا ہے
اور اس طریق میں یہ الفاظ مذکورہ بالا مطلقاً نہیں ہیں۔ بلکہ اس طریق میں جو الفاظ وارد ہیں وہ
یہ ہیں کہ جناب سر اللہ الاعظم نے اس کو فرمایا اذا مررت بقبر کافر فبشرہ بالنار یعنی
جب تو کسی کافر کی قبر پر گزرے تو ان کو بشارت نار دیا کر۔ دیکھا آپ نے ان الفاظ میں کہیں
بھی والد ماجد پر ناری ہونے کا اطلاق نہیں۔

اور یہ روایت من حیث الروایت اثبت ہے کیونکہ معمر حماد سے ثقہ ہے ۔ اور محدثین نے معمر کے حفظ میں مطلقاً کلام نہیں کیا اور جتنی بھی احادیث بروایت معمر احادیث میں وارد ہیں کسی محدث نے ان احادیث کی قبولیت سے انکار نہیں کیا اور شیخین نے بالاتفاق وہ احادیث جو کہ معمر کی روایت سے مروی ہیں اپنی اپنی صحیحین میں روایت کیا ہے ۔ تو ثابت ہوا کہ جو لفظ معمر کی روایت میں مروی ہے وہ لفظ قابلِ قبول ہے اور حماد کی روایت میں جو لفظ مروی ہے وہ قابلِ قبول نہیں کیونکہ حماد کے حفظ میں محدثین نے کلام کیا ہے ۔ اور حماد بن سلمہ کی مرویہ احادیث میں مناکیر بکثرت ہیں اس لئے امام بخاری نے حماد بن سلمہ کی روایت سے کسی حدیث کو بھی روایت نہیں کیا۔ اور نیز امام مسلم نے بھی اصول میں حماد بن سلمہ سے کوئی روایت علاوہ اس روایت کے ۔ حماد بن سلمہ عن ثابت عن انس نہیں کیا ۔ اور حاکم نے اپنی کتاب (المدخل) میں بھی ایسا ہی ذکر کیا ہے اور امام مسلم نے اپنی کتاب (الشواہد) میں حماد بن سلمہ کی روایت سے ایک طائفہ سے روایت کیا۔ لیکن مناکیر اس میں بھی بکثرت ہیں ۔ صرف دو کے ذکر کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

مناکیر حماد بن سلمہ

نمبر ۱۔ احمد ۔ ترمذی ۔ حاکم نے حماد سے اور اس نے ثابت سے اور اس نے حضرت انس سے منسوب روایت کیا ہے کہ ایک روز جناب سرالله الاعظم نے فلما تجلی ربہ للجبل پڑھا تو فرمانے لگے ۔ اخرج طرف خنصرہ وضرب علی ابہامہ فساخ الجبل ۔ اور احمد وغیرہ نے اس حدیث کو شرط مسلم پر صحیح کہا ہے ۔ اور علامہ ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوع لکھا ہے ۔ اور اپنی کتاب (موضوعات) میں اس حدیث کو ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ اس حدیث کی کوئی سند و ثبوت نہیں اور یہ حماد کی تدلیس و ریب ہے اور حماد کی روایات میں مناکیر بکثرت ہیں۔

نمبر ۲۔ حماد عن قتادہ عن عکرمۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما رایت ربی جعدًا امردًا علیہ خضر۔

اس حدیث کو بھی علامہ ابن جوزی نے موضوعات میں روایت کیا ہے اور فرمایا کہ یہ حدیث

ثابت نہیں ۔ اور یہ مناکیر حماد سے ہے ۔

امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ چونکہ روایات حماد میں مناکیر زیادہ ہیں۔ اس لئے حدیث زیر بحث متنازعہ فیہ بھی یقیناً مناکیر حماد سے ہے۔ کیونکہ اس حدیث زیر بحث کی روایت کرنے میں مسلم بخاری سے منفرد ہے ۔ اور محدثین عظام اس حدیث میں جس کو مسلم بخاری سے منفرداً روایت کرے ۔ کلام کرتے ہیں ۔ اللہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ حدیث ان ابی وابالک فی النار بھی ان حدیثوں سے ہیں کہ جن میں محدثین نے کلام کیا ہے تو یہ حدیث معلول ہے من حیث الاسناد بھی ۔ کما سبق ۔ اور من حیث المتن بھی یہ حدیث معلول ہے ۔

کیونکہ جناب سر اللہ الاعظم ہادیٔ کل تھے ۔ اور آپ اپنی امت پر رؤف و رحیم تھے ۔ اور آپ چاہتے تھے کہ اسلام ترقی کرتا جائے اور چونکہ جہل کا زمانہ تھا ارتداد کا خطرہ تھا تو جب اعرابی نے اپنے والد کی شان میں سوال کیا تو حضور نے افصاح جواب مناسب نہ سمجھا ۔ تو حضور نے اعرابی کو ایسا جواب دیا کہ جس میں توریت و ابہام تھا ۔ اور اہل فصاحت و بلاغت کا بھی یہی دستور ہے کہ اگر سامع کو پورا جواب دینا مطلوب نہ ہو تو کلام کی ذو وجوہ بنا دیتے ہیں

نظیر :- جیسے کہ بخاری شریف میں موجود ہے کہ ایک شخص نے حضور سے قیامت کے متعلق سوال کیا تو حضور نے ایک احدث آدمی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا اور فرمایا کہ جب اس آدمی کی عمر متقضی ہو جائے تو یہ نہ مریگا حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جائے گی ۔

علماء کرام فرماتے ہیں کہ حضور نے ایسا کیوں کہا اس لئے کہ اعراب ہمیشہ کے لئے بار بار قیامت کے متعلق سوال کیا کرتے تھے ۔ اور قیامت کے وقت معینہ کے متعلق بتلانا منشائے الٰہی کے خلاف تھا ۔ اور نہ اعراب وغیرہ خلق کے لئے اس کے اندر فائدہ تھا ۔ اور حضور کے قلب مبارک میں یہ خشیت ضرور تھی کہ یہ اعراب بار بار قیامت کے متعلق دریافت کرتے ہیں ۔ اور میں ان کو بتلاتا نہیں ہوں کہیں یہ گمان نہ کر جائیں کہ میں بھی قیامت کے وقت کو نہیں جانتا ۔ اس لئے حضور نے جواب ایسی ترکیب سے دے دیا کہ سامع کو تسلی ہو جائے ۔ اور اس قول مبارک سے جناب سر اللہ الاعظم کی مراد کیا تھی ۔ یعنی جب یہ غلام اقصیٰ عمر تک پہنچ جائے تو یہ غلام نہ مریگا حتیٰ کہ حاضرین پر ان کی قیامت قائم ہو جائے گی ۔

[illegible]ان یموتوا) وقیام الساعۃ کل واحد موتہٗ - اذا عرفت ھذا

منقول کہ اس حدیث مبارک میں بھی جناب سر اللہ الاعظم نے جو الفاظ مبارک اپنی زبان مبارک سے صادر فرمائے ہیں اس میں ابہام ہے جو کہ فی اول وہلہ صاف سمجھ میں نہیں آ سکتا کیونکہ اول وہلہ میں ظاہری معنی کی طرف فکر جاتا ہے۔ اور حقیقی معنے یہ ہے کہ یہاں پر تقدیر ماننا پڑیگا۔ وہو ہذا۔ کہ ان ابی وابا ک فی النار وتقدیرہ۔ ان ابی فی الجنۃ و اباك فی النار۔ تو جناب سر اللہ الاعظم نے از وجہ تخشیت، ارتداد اعرابی الفاظ کو مبہم فرمایا اور ابہام کی وجہ سے سامع نے اصل مفہوم کو نہ سمجھا۔ اور اپنے تصرف سے روایت کیا۔

اور نیز معمر عن ثابت کی حدیث اذا مررت بقبر کافر فبشرہ بالنار کے لئے مؤید دوسری حدیث سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے۔ جس کو بزار نے اپنی (مسند) میں اور طبرانی نے (معجم کبیر) میں اور بیہقی نے بطریق ابراہیم بن سعد عن زہری عن عامر بن سعد[1] بن ابی وقاص بسند صحیح روایت کیا ہے کہ جناب سرور کائنات کی خدمت اقدس میں اعرابی آیا اور کہا۔ یارسول اللہ این ابی قال فی النار قال فاین ابوك قال حیثما مررت بقبر کافر فبشرہ بالنار کہ یارسول اللہ میرا باپ کہاں ہے تو سرکار کونین نے جواباً ارشاد فرمایا کہ تمہارا باپ جہنم میں ہے۔ تو اعرابی نے سوال کیا کہ یارسول اللہ آپ کا والد ماجد کہاں ہے تو سرکار کونین نے جواباً ارشاد فرمایا کہ جب کبھی تمہارا گزر کافر کی قبر پر سے ہو جائے تو اس کو جہنم کی بشارت دیا کرو۔

اور امام طبرانی و بیہقی نے اس حدیث کے اخیر میں یہ الفاظ بھی بیان فرمائے ہیں کہ وہ اعرابی چند دن گزر جانے کے بعد مسلمان ہوا تو مجلس اصحابہ میں اس اعرابی نے کہا کہ سرکار کونین نے مجھے بڑی تکلیف و تعب میں گرفتار کیا کیونکہ جب بھی میرا گزر کسی کافر کی قبر پر ہوتا ہے تو مجھے بشارت بالنار دینی پڑتی ہے۔ اور نیز ابن ماجہ نے بطریق ابراہیم بن سعد عن

---

[1] [illegible] مدنی ہے نہایت ثقہ اور کثیر احادیث کا راوی ہے۔ واقدی کی روایت میں ہے سنہ ۱۰۴ھ میں وفات پا چکا تھا۔ کذا فی خلاصۃ تہذیب التہذیب۔ منہ غفرلہ۔

زہری عن سالم[1] بن عبد اللہ بن عمر العدوی المدنی سے بسند صحیح روایت کیا ہے۔ کہ ایک اعرابی سرکار کونین کی خدمت اقدس میں آیا اور کہا یا رسول اللہ میرا باپ بہت نیک تھا۔ یتیم پروری۔ صلہ رحمی وغیرہ کل نیک کام کیا کرتا تھا۔ تو میرا باپ کہاں ہے یعنی جنت میں ہے یا کہ دوزخ میں" تو سرکار کونینؐ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ تمہارا والد دوزخ میں ہے۔ تو اس کلام کی وجہ سے وہ اعرابی دل میں رنجیدہ ہوا تو فوراً کہا۔ یا رسول اللہ تو آپ کا والد ماجد کہاں ہے۔ تو سرکار کونین نے جواباً فرمایا اے اعرابی۔ حیثما مررت بقبر مشرک نبشرہ بالنار۔ جب کبھی تمہارا گزر مشرک باللہ کی قبر پر سے ہوتا ہے تو بشارت بالنار ضرور دیا کر۔

چند روز گزر جانے کے بعد وہ اعرابی مسلمان ہوا تو مجلس اصحابہ میں کہا کہ سرکار کونین نے مجھے بڑی تکلیف و تعب میں گرفتار کیا۔ کیونکہ جب کبھی میرا گزر قبر مشرک پر ہوتا ہے تو بشارت بالنار دینی پڑتی ہے۔

عزیزان من! یہ حدیث مبارک صحیح ہے اور اس میں کئی فوائد ہیں۔

فائدہ اوّل یہ ہے کہ سائل اعرابی تھا اور اس کے ارتداد کا سرکار کونینؐ کو خطرہ تھا۔

فائدہ دوم یہ ہے کہ حضورؐ نے اعرابی کو ایسا جواب دیا کہ جس میں ابہام و توریت ہے کیونکہ ابٔ شریفہ کی شان میں ناری ہونے کا اس حدیث پاک میں کوئی نام نشان تک نہیں بلکہ یہ جملہ صریح اس بات پر دال ہے کہ ابٔ شریفہ جنتی ہے کیونکہ وہی اعرابی بعد میں مسلمان ہوتا ہے اور جب بھی اس کا قبر مشرک پر سے گزر ہوتا ہے تو لا محالہ اس کو بشارت بالنار دینی پڑتی ہے۔ لیکن ابٔ شریفہ کی شان میں کبھی بھی اس اعرابی سے ایسا واقعہ بشارت بالنار کا صادر نہیں ہوا۔ اور نہ ہی اس بات کے ثبوت ملنے کا امکان ہے۔

---

[1] حضرت سالم بڑے عالم باعمل و فقیہ تھے۔ اور سات فقہا جو کہ مدینہ طیبہ میں مشہور تھے ان ہی میں سے ایک تھے۔ ابو ہریرہ رافع بن خدیج وغیرہ اصحابہ نے اس سے روایت کیا ہے اور ابن اسحاق نے کہا ہے کہ انجع الاسانید احادیث میں اکثر زہری عن سالم عن ابیہ کی روایت سے وارد ہوتے ہیں ۱۰۶ھ میں علی الصبح وفات پاگئے تھے۔ منہ عفرلہ۔ کذا فی خلاصہ الخ۔

فائدہ سوم - چونکہ اعراب سخت دل تھے اور اسلام کے لوازمات و محبت سے بہت دُور تھے تو سرکارِ کونینؐ نے خود اس بات کو مکروہ جانا کہ اعرابی کو حقیقتِ حال سے واقف کیا جائے۔ کیونکہ اگر اعرابی کو حقیقتِ حال سے خبردار کیا جاتا اور اس کو معلوم ہو جاتا کہ حضورؐ کا والد ماجد تو جنت میں ہے اور میرا باپ دوزخ میں ہے تو وہ اعرابی کبھی بھی مسلمان نہ ہوتا۔ اور بعد از اسلام بھی ارتداد کا خطرہ تھا۔ کیونکہ جبلی فطرت ان کی ایسی تھی۔ تو سرکارِ کونین نے موہوم جواب دیا۔ اس کے تطییبِ قلب کی خاطر تاکہ یہ مرتد نہ ہو جائے۔

فائدہ چہارم - یہ ہے کہ یہ الفاظ نہایت واضح ہیں اور ان میں شک و شبہ مطلقاً نہیں اور عام الفاظ سرکارِ کونین کی زبان مبارک سے عام کافروں کے حق میں صادر ہو گئے ہیں۔ اس لئے تو اعرابی کے لئے باعثِ تکلیف و مصیبت ہوئی کہ جب بھی اس کا کسی کافر کی قبر سے گزر ہوتا تو لامحالہ اس کو بشارت بالنار دینی پڑتی تھی۔ اور اگر الفاظ اول (ابی واباک فی النار) مراد لئے جائیں تو ان الفاظ میں کسی چیز کے امر کرنے کا حکم مطلقاً موجود نہیں تو اس تحقیق منصفانہ سے عیاں ہوا کہ یہ الفاظ حضورؐ کے الفاظ مبارک نہیں۔ یہ تصرف راوی ہے اور غلط فہمی سے حسب فہم بالمعنیٰ روایت کیا ہے۔ (فاحفظ) اس لئے یہ حدیث بھی قابلِ قبول نہیں۔ فافہم۔

تنبیہ

اس حدیث کے علاوہ اور بھی کثیر احادیث صحیحین میں ایسی موجود ہیں کہ جن میں راویوں نے تصرف کیا ہے وغیرہ اثبت منہ۔ وبینہا النقاد مثلاً جیسے حدیث مسلم عن انسؓ ہوا۔ کہ جس میں بسم اللہ کے پڑھنے کی نفی وارد ہے اور اسی نفی پر اس حدیث کو امام شافعی نے معلول فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا کہ دیگر طرائق سے ثابت ہے کہ حضورؐ نے سماع سے نفی فرمایا ہے پڑھنے سے نہیں۔ اور راوی نے نفی قرأت سمجھ لیا اور اپنے فہم کے مطابق روایت بالمعنیٰ کیا۔ اس لئے غلطی کر گیا (فاحفظ)

تو اس نظیر سے ثابت ہوا کہ یہ حدیث (ان ابی واباک فی النار) معلول ہے فقط از جہت اس لفظ۔ اس لئے قابل قبول نہیں۔ اور حدیث (امی مع امکما)

کی تحقیق گزر چکی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ضعیف حدیث ہے ۔ قابلِ قبول نہیں اور دیگر بات یہ ہے کہ معیت سے مراد معیت دار برزخ ہے ۔ نہ معیتِ دوزخ ۔ فاعلم

جواب ثانی از فریق اول

بالفرض اگر اس حدیث کے الفاظ اول باتفاق روایت تسلیم کئے جائیں تو یہ حدیث معارض ہے ۔ ان دلائل و براہین کی کہ جن کو ہم نے ہر سہ طرائق میں بالتفصیل بیان کیا ہے ۔ اور یہ مسئلہ مسلّم کل ہے کہ ہر ایک صحیح حدیث کہ دوسرے دلائل اس حدیث کے معارض واقع ہو جائیں اور وہ ارجح بھی ہوں تو لامحالہ اس حدیث کی تاویل کرنی پڑیگی ۔ اور ارجح دلائل کا قبول کرنا لازم ہو جائیگا ۔ کما ہو مقرر فی الاصول

تو چونکہ اس حدیث کے مقابلہ میں دوسرے دلائل نہایت قوی وارجح موجود ہیں اسلئے ان کو قبول کرنا پڑے گا اور اس حدیث کو ترک کرنا ہوگا ۔ یا تاویل کرنی ہوگی ۔ فافہم ۔

نیز امام جلال الدین سیوطی ارشاد فرماتے ہیں کہ مثل روایت معمر جو کہ نہایت واضح روایت ہے ۔ اور اس شریفہ کے شان میں اس کے اندر کوئی ذکر نہیں بلکہ مفہوم کے واضح کرنے کے لئے قوی و صحیح روایت ہے جس کو حاکم نے اپنی کتاب (المستدرک) کے اندر روایت کیا ہے ۔ اور فرماتے ہیں کہ لقیط بن عامر کی روایت سے یہ روایت مطلقاً صحیح ہے) وقتِ تحقیق میں یہ روایت میری نظر کے سامنے عیاں ہوا تو میں نے ربِ قدوس کا شکر ادا کیا ۔ اور جو تحقیق میں نے اس حدیث پاک کی کرنی چاہی تھی رب تعالیٰ نے وہی ہی اعانت فرمائی ۔ فللّٰہ الحمد

لقیط بن عامر فرماتے ہیں کہ میں ایک وفد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنے کے لئے روانہ ہوا ۔ اور میرے ساتھ اس وفد میں نہیک بن عاصم بن مالک بن المنتفق بھی تھا ۔ کہ انسلاخ رجب میں ہم مدینہ طیبہ جا پہنچے اور ہم نے حضور کے ساتھ صبح کی نماز ادا کی ۔ تو جب سرکارِ کونین نماز سے فارغ ہو گئے تو تمام لوگوں کو حضور نے بیٹھ جانے کا حکم دیا اور خود وعظ فرمانے کے لئے ایستادہ ہو گئے ۔ (الحدیث) تو میں نے عرض کی یارسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہمارے آبا و اجداد میں سے جو کہ جاہلیت کے زمانہ میں وفات پا گئے
ہیں کوئی ان میں سے خیر پر بھی ہے یا کہ نہیں۔ اسی اثنا میں ایک آدمی نے قریش میں سے کہا۔
کہ تمہارا باپ (المنتفق) دوزخ میں ہے تو جب میری شنیدہ میں برسر مجلس یہ بات آئی تو مجھے سخت
غصہ واقع ہوا تو میں نے دل میں یہ ارادہ کیا کہ میں حضور سے دریافت کر لوں کہ آپ کا والد ماجد کہاں
ہے لیکن مجھے اس لفظ کے کہنے سے عار آیا تو میں نے کہا واھلك یا رسول اللہ کہ
آپ کا اہل کہاں ہے تو سرور کائنات نے جواباً ارشاد فرمایا کہ جب کبھی تمہارا گزر کسی عامری
یا قریشی مشرک کی قبر پر ہو جائے فقل ارسلنی الیك محمد نابشرك بما یسرك
هذه روایت لا اشکال فیها وهی اوضح الروایات وابینها تقی یرا د
ما المانع ان یکون قول السائل نا بن ابوك۔

عزیزانِ اسلام! امام جلال الدین فرماتے ہیں کہ یہ روایت اتنا صاف ہے کہ اس
میں ذرہ بھر خیرگی نہیں۔ اور واضح و بیّن الفاظ حدیث ہیں۔ اَبِ شریفہ کا نام تک
نہیں اور سائل کو کس چیز نے اَبِ شریفہ کی شان دریافت کرنے سے روکا۔ بلکہ سائل
جانتا تھا کہ اَبِ شریفہ کا شان بہت بلند و بالا ہے۔ اس لئے واہلک کہا۔ واللہ اعلم
وعلمہ اتم واحکم۔

ثابت و کائن ہوا کہ حدیث انس میں حضور کا قول مبارک (ان ابی الخ) قول حضور نہیں
بلکہ تصرّفِ راوی ہے جو کہ روایت بالمعنیٰ حسبِ فہم خود کر دیا ہے۔ اس لئے قابلِ عمل نہیں۔
اور ارجح روایات جو کہ اس کے مقابلہ میں موجود ہیں ان پر عمل کرنا واجب ہے اور ان کا
ترک یا تاویل لازم ہے۔ کما سبق۔

جوابِ ثالث از فریق اوّل

بالفرض اگر حدیث انس ان ابی واباك فی النار کو صحیح تسلیم کیا جائے تو پھر بھی
اَبِ شریفہ حقیقیہ حضرت عبداللہ مراد نہیں لیا جا سکتا۔ بلکہ اس حدیث میں اَب سے مراد
چچا ابی طالب لینا پڑیگا۔ جیسے حضرت ابراہیم کے والد کی تحقیق میں ہم ذکر کر آئے ہیں۔
وہاں ملاحظہ ہو۔

کیونکہ حضورؐ کے زمانہ مطہرہ میں حضرت ابی طالب ہی کو دنیا اب سرور کائنات
تھے ۔ اور یہ بات مشہور ہو چکی تھی کہ حضور حضرت ابی طالب کے فرزند ارجمند ہیں۔
ایک مرتبہ کفار قریش نے ایک مشورہ کیا تو حضرت ابی طالب کے پاس آئے اور کہا
لابنك يرجع عن شتم الهتنا کہ اپنے فرزند سے آپ کہیں کہ ہمارے خداؤں کی
دشنام سے باز آجائے ۔

اور ایک مرتبہ کفار نے حضرت ابی طالب سے یہ بھی کہا کہ اپنے لڑکے کو ہمیں دیدو تاکہ ہم
اس کو قتل کر دیں ۔ کیونکہ یہ ہمارے خداؤں کو گالی دیتا ہے اور بُرا کہتا ہے ۔ اور اس کے
عوض میں یہ ہمارا لڑکا آپ لے لیں تو حضرت ابی طالب نے جواباً فرمایا ہاں تم خوب جانتے
ہو کہ میرے دو نقصان ہو جائیں ۔ ایک تو میں اپنے لڑکے کو تمہارے حوالہ کر دوں تاکہ تم میرے
لڑکے کو قتل کر دو ۔ اور میرے ہاتھ اپنے لڑکے کے قتل سے کمزور ہو جائیں اور پھر دوسرا نقصان
اپنے لڑکے کے قاتلوں کے لڑکے کو ان کے لئے پالتا رہوں یہ کہاں کا عقل و دانش ہے۔

اور جب ایک مرتبہ حضرت ابی طالب ملک شام کے سفر پر روانہ ہوا اور اس سفر میں
حضورؐ ساتھ تھے ۔ تو جب قافلہ ایک مقام پر کہ جہاں بحیرا راہب رہا کرتے تھے آرام کرنے
کے لئے ٹھہر گیا تو بحیرا راہب نے اپنے صومعہ سے حضورؐ کے کمالات کو دیکھا تو فوراً اپنے صومعہ
سے قافلہ والوں کے پاس آیا اور حضورؐ کے جبینِ مبارک کو دیکھ کر حضرت ابی طالب سے
دریافت کیا کہ یہ لڑکا تمہارا کیا لگتا ہے تو حضرت ابی طالب نے جواباً کہا کہ یہ میرا فرزند
ہے ۔ تو راہب نے کہا کہ اس لڑکے کے لئے لائق نہیں کہ ابھی تک اس کا باپ حیات
رہے ۔ یعنی اس کا باپ زندہ نہیں ہو سکتا تو کیسے کہتا ہے کہ یہ میرا فرزند ہے تو اس
تحقیق سے ثابت ہوا کہ حضورؐ کے زمانہ مطہرہ میں حضرت ابی طالب حضور کے والد مشہور
ہو چکے تھے ۔ جیسے حضرت ابراہیم کے والد آزر مشہور ہو چکے تھے ۔ کیونکہ صغر سنی سے
حضرت ابی طالب ہی حضور کی کفالت کرتے رہے ۔ فکان مظنة السوال عنه

حاصل جواب

تو حدیث انس ۔ انّ ابی سے مراد سائل حضرت ابی طالب تھے کیونکہ اب حقیقی کو تو

لوگ جانتے نہ تھے تمام کو یہی علم تھا کہ حضورؐ حضرت ابی طالب کے فرزند ہیں۔
(اور حضرت ابی طالب کے متعلق گزشتہ اوراق میں تحقیق ہوچکا ہے وہاں ملاحظہ ہو۔)
معلوم ہوا کہ ابٌ شریفہ کے متعلق سوال ہی نہیں ہوا تو یہ حکم ابٌ شریفہ پر کیسے واقع ہوسکتا ہے
ثابت ہوا کہ ابٌ شریفہ قطعاً جنتی ہے۔ اور شیخ ابن حجر شرح ہمزیہ میں فرماتے ہیں کہ یہ
تاویل میرے نزدیک اظہر ہے۔ خذ ھٰذا فانہ لاجل ایضاح الایمان۔
واللہ الہادی وباللہ التوفیق۔ وہو نعم الرفیق۔ اللہ النّاصر کل صابرٍ
عزیزان من یہاں تک اول الذکر حدیث کے جوابات تھے جو کہ آپ کے سامنے
عیاں کر دیئے گئے۔ (فاحفظہٗ)
اور حدیث دوم جس میں منع استغفار کا ذکر ہے۔
علامہ شامی نے اپنی سیرت میں اور امام سیوطی نے اپنے رسائل میں اس کا جواب یوں
دیا ہے۔

جواب از فریق اوّل

کہ عدم اذن استغفار سے کفر لازم ہی نہیں آتا۔ کیونکہ ابتداءِ اسلام میں ایسے شخص کہ قرضدار
مرجاویں اور ترکہ چھوڑ کر نہ جاویں کہ جس میں سے اس کا قرض ادا کر دیا جائے۔ رب تعالیٰ نے
سرور کائناتؐ کو ایسے شخص کے لئے استغفار پڑھنے سے منع فرمایا تھا۔ اور نیز اس پر
نماز جنازہ پڑھانے سے بھی منع فرمایا تھا کہ اے حبیب ایسے لوگوں پر نماز جنازہ مت پڑھایئے
اگرچہ یہ لوگ جملہ مومنین و اہل اسلام سے ہیں۔ کیونکہ مدیون محبوس ہوتا ہے اپنے مقام سے۔ جیسے
حدیث پاک میں موجود ہے۔ نفس مومن معلق ہوتا ہے اپنے دَین کے ساتھ جب تک کہ اس
قرض کو ادا نہ کرے۔
اور جنازہ و استغفار سرورِ کائنات مستجاب ہے یقیناً۔ تو اگر ایسے لوگوں کے لئے سرکار کونینؐ
نمازِ جنازہ و استغفار ادا فرما لیتے تو بزودی یہ لوگ منزلِ مقصود تک واصل ہوجاتے یعنی جنت میں
تو رب تعالیٰ نے حضورؐ کو نماز جنازہ و استغفار پڑھنے سے منع فرمایا۔
حاصل جواب: اسی طرح ہوسکتا ہے کہ والدہ شریفہ طیبہ طاہرہ کسی اور وجہ سے برزخ

ہیں دخولِ جنت سے محبوس ہو گئے ہوں (کیونکہ توحید وایمان و دین ابراہیم خلیل پر تو وہ قائم تھی، کما سبق) اور بعد میں رب تعالیٰ نے اجازتِ استغفار دیدیا ہو اور یا یہ کہ استغفار کی حدیث احیاء والدین سے قبل کی حدیث ہے۔ کما سبق۔ انتہیٰ کلامہما۔

اور اسی طرح شیخ ابن حجر نے شرح ہمزیہ میں بھی ذکر کیا ہے۔

تنبیہہ

امام جلال الدین سیوطی مسالک میں تحریر فرماتے ہیں کہ علماء کرام میں سے ایک جماعت نے ان تمام جوابات سے استراحت حاصل کی ہے۔ اس ترکیب سے کہ جواب دیا ہے انہوں نے ان احادیث کا کہ جن احادیث پر استدلال کیا ہے فریق دوم نے کہ یہ تمام احادیث منسوخ ہیں جیسے کہ منسوخ ہیں وہ احادیث کہ جن میں وارد ہے کہ اطفالِ مشرکان دوزخی ہیں۔ اور ناسخ ان احادیث کے لئے جو کہ ابوین شریفین کی شان میں وارد ہیں قول ذوالجلال والاکرام (وما کنا معذبین حتیٰ نبعث رسولاً) ہے کہ ہم کسی بھی انسان کو مطلقاً عذاب نہ دیں گے جب تک ہم ان کی طرف اپنا رسول مبعوث نہ فرمادیں۔

اور ناسخ ان احادیث کے لئے جو کہ اطفال مشرکان میں وارد ہیں۔ قول ذات واجب الوجود (ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ) ہے کہ ازل سے ہمارا یہ قانون نہیں کہ ہم ایک شخص کا بوجھ دوسرے شخص پر ڈال دیں۔ ہر ایک کو اپنا اپنا بوجھ اٹھانا پڑیگا۔ (ومن اللطائف۔ اور لطائف حسنہ سے یہ بھی ہے کہ ہر دونوں فریق کے حق میں ہر دونوں جملے ایک آیت سورۃ بنی اسرائیل میں واقع ہو گئے ہیں۔ دیکھا آپ نے یہ ایک نہایت مختصر ومفید جواب ہے جو کہ ہر ایک قسم کے جواب سے غنی کرنے والا ہے۔ فہم درکار ہے۔

اور نیز شیخ ابن حجر کی شرح ہمزیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ حدیث مسلم محمول ہے نزولِ آیت (وما کنا الآیہ) سے قبل کی حالت پر اور جب نزولِ آیت مبارک ہوا تو وہ حدیث اس آیت مبارک کی وجہ سے منسوخ ہوا۔ اور اس کا نظیر جیسے کہ اطفالِ مشرکان میں حدیث عائشہ صدیقہ کی روایت سے گزر چکا ہے وہاں ملاحظہ ہو۔

اور شامی نے اپنی سیرت میں اس کا نظیر یوں لکھا ہے کہ تبع کے متعلق اصحابہ نے جناب سر اللہ الاعظم

سے سوال کیا۔ تو سرکار کونین نے جواباً ارشاد فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ تبع مومن تھا یا نہیں بعد میں جب رب تعالیٰ نے تمام ماکان وما سیکون کا علم اتم عطا فرمایا تو سرکار کونینؐ نے اصحابہؓ سے ارشاد فرمایا کہ تبع کو برا مت کہو کیونکہ تبع یقیناً مسلمان تھا۔ انتہیٰ کلامہٗ۔

برادرانِ ملت! اور بھی نظائر کتبِ احادیث میں بکثرت موجود ہیں لیکن اختصار کی وجہ سے ترک کرتا ہوں۔ وان کنت طالباً فارجع الیہا۔

توکیدِ مطلوب

فقیر لاحہ اللہ القدیر اس مسئلہ کے ساتھ چند احادیث کو ضم کرتا ہے تاکہ مفہوم مزید مؤکد ہو جائے دیلمی نے حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ فرمایا جناب سر اللہ الاعظم نے اول من یشفع لہ یوم القیامۃ اھل بیتی ثم الاقرب فالاقرب کہ تمام مخلوقات سے قبل بروز قیامت میں اپنے اہل بیت کی شفاعت کروں گا۔ پھر جو ان سے قریب ہوں علی الترتیب۔

واضح ہوا کہ والدین ماجدین وغیرہ کل اہل بیت کا شفاعت ضرور ہوگا اور شفاعت نہیں ہوگا مگر مسلمان کے لئے۔ ثابت ہوا کہ ابوین کریمین مسلمان تھے۔

اور نیز محب الطبری نے اپنی کتاب ذخائر العقبیٰ میں حضرت علی سے مناقب میں روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں (وعزاہ لاحمد) کہ فرمایا جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ یا معشر بنی ھاشم والذی بعثنی بالحق نبیاً لو اخذت بحلقۃ الجنۃ ما بدأت الا بکم۔ کہ اے بنی ہاشم کی اولاد مجھے اس ذات واجب الوجود کی قسم کہ جس نے مجھے مخلوق کی ہدایت کی جانب رسول برحق بنا کر بھیجا ہے کہ جس وقت قیامت کے روز حلقۂ جنت کو اپنے دست مبارک میں پکڑوں گا نہ داخل ہونے دوں گا سب سے قبل جنت میں مگر تم کو۔

اس حدیث مبارک میں سرکار کونینؐ نے بنی ہاشم کو مخاطب فرمایا۔ اور بنی ہاشم میں ابوین کریمین بھی داخل شامل ہیں۔ اس لئے یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ ابوین شریفین مسلمان تھے یقیناً۔ کیونکہ جنت میں مسلمان ہی جائیں گے مشرک نہیں۔ اور نیز اسی طرح محب الطبری نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں (وعزاہ لابن جریر) کہ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

کہ میں حیران ہوں ان لوگوں پر جو گمان کرتے ہیں کہ میری قرابت داری کی وجہ سے ان کو نفع نہ ہوگا۔ انی لا شفع فاشفع حتیٰ ان من اشفع لہ یشفع فیشفع حتیٰ ان ابلیس لیتطاول طمعاً فی الشفاعۃ یعنی قیامت کے روز شفاعت کا سلسلہ بہت عظمت والا ہوگا یہ کہ میں تمام امت کی شفاعت کرتا جاؤں گا اور کسی کو محروم نہ ہونے دوں گا۔ حتیٰ کہ میری امت کا کوئی شخص اگر کسی کی شفاعت میرے پاس کردے تو میں اس کی بھی شفاعت کروں گا۔ غرض شفاعت کا حال یہاں تک پہنچ جائیگا کہ ابلیس بھی طمع کرے گا کہ سرکارِ کونینؐ رب تعالیٰ سے مجھے بھی معاف فرمائیں گے۔

دیکھا آپ نے اس حدیث پاک میں شفاعت کے کمال کس مقدار پر بیان فرمائے گئے ہیں کہ ابلیس بھی طامع ہوتا ہے اور صریح الفاظ دال ہیں کہ حضورؐ کی قرابت ضرور کام آئے گی غیروں کے لئے۔ تو ابوین شریفین کا حال تو اعلیٰ و افضل ہے کما سبق۔

ثابت ہوا کہ حدیث مسلم وغیرہ کل احادیث جو کہ عدمِ نجات ابوین کی شان میں ہے وہ تمام منسوخ ہیں۔ کما قال امام جلال الدین سیوطی۔ جیسے امام جلال الدین فرماتے ہیں کہ قول منکر کا کہ والدین شریفین کی شان میں کثیر احادیث ایسی وارد ہیں کہ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ والدین شریفین سرورِ کونینؐ نار میں ہیں۔ فقد وقفت علیھا باسرھا وبالغت فی جمعھا و حصرھا۔ واکثرھا ما بین ضعیفٍ ومعلولٍ۔ والصحیح منھا منسوخ بما تقدم من القول۔ او معارض فیطلب الترجیح علی ما تقرر فی الاصول۔ المقامۃ السندسیۃ ص۱۶۔ تو میں نے کامل جستجو کی اور بڑی تحقیق و تلاش کے بعد یعنی بھی احادیث تھیں تمام کو میں نے جمع کیا اور حصر کے ساتھ اتنی ہی بات ثابت ہوئی۔ اس کے علاوہ اور کوئی حدیث اس مسئلہ کی شان میں باقی نہ رہی تو تحقیق سے میں نے یہ پایا کہ اکثر ان احادیث میں سے ضعیف و معلول ہیں۔ قابلِ عمل نہیں اور صرف دو حدیث صحیح ہیں۔ لیکن وہ ما تقدم دلائل سے منسوخ ہوچکی ہیں۔ اور اگر منسوخ نہ بھی کی جادیں تو یہ معارض ہے ما تقدمہ دلائل سے۔ تو قاعدہ اصول کے مطابق طلب ترجیح لازم ہے اور راجح حکم وہ ہے کہ جس میں نجات والدین اور ایمانِ والدین مذکور ہے۔ ثابت ہوا کہ والدین کریمین قطعاً حتماً ناجی و مومن ہیں فافہم ولا تکن من المجادلین

اور نیز امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ فریق دوم میں علماء کرام کا ایک گروہ ایسا بھی ہے کہ جنکا یہ عقیدہ ہے کہ نجات و اسلام ابوین شریفین کے دلائل چنداں قوی نہیں اور حدیث مسلم وغیرہ اپنے ظاہر پر قائم ہے اور اس سے عدول جائز نہیں ۔ نہ دعویٰ نسخ کے ساتھ اور نہ اور ترکیب سے ۔ لیکن ساتھ ساتھ ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اس امر کا ذکر کرنا یعنی یہ کہنا کہ سر اللہ الاعظم کے الدین کریمین دوزخی ہیں ۔ مطلقاً جائز نہیں ۔ جیسے امام سہیلی اپنی کتاب (الروض الآنق) میں حدیث مسلم کے ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ ہمارے لئے مطلقاً جائز نہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین شریفین کی شان میں ایسا قول کہیں ۔ کیونکہ یہ سبب ہے حضور کی ایذا رسانی کا ۔ کما ورد ۔ لا تؤذوا الاحیاء بسبب الاموات کہ ایذا و تکلیف مت پہنچاؤ زندوں کو ان کے مُردوں کی بدیانی کرنے سے ۔ وکما ورد ۔ قال اللہ تعالیٰ ۔
ان الذین یؤذون اللہ ورسولہٗ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرۃ تحقیق وہ لوگ جو کہ اللہ تعالیٰ کو اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں لعنت فرماتا ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر دنیا میں اور آخرت میں ۔ انتھیٰ کلامہٗ

اور نیز امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ میں نے مجموعہ خط شیخ کمال الدین شمنی والد شیخ امام تقی الدین رحمہما اللہ تعالیٰ علینا وعلیہم سے نقل کیا کہ ایک مرتبہ قاضی ابوبکر ابن عربی سے کسی نے سوال کیا کہ ایک آدمی ہے اور وہ کہتا ہے کہ حضور کے والدین دوزخی ہیں تو شیخ نے جواباً فرمایا کہ وہ آدمی ملعون ہے ۔ کیونکہ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ان الذین یؤذون الایۃ قال لا اذاء اعظم من ان یقال عن ابیہ انہ فی النار کہ تحقیق وہ لوگ جو کہ ایذا پہنچاتے ہیں اللہ تعالیٰ کو اور اس کے حبیبؐ کو ۔ اللہ تعالیٰ لعنت فرماتا ہے ان پر دنیا میں اور آخرت میں ۔ اور تیار کیا ہے رب تعالیٰ نے ان کے لئے قیامت کے روز عذاب دردناک ۔ اور کہا قاضی مذکور نے کہ حضور کی ایذا رسانی سے بڑھ کر اور ایذا کیا ہو سکتی ہے کہ جو یہ کہا جاوے کہ حضورؐ کے والدین دوزخی ہیں اس لئے وہ آدمی ملعون ہے ۔ انتھیٰ کلامہٗ ۔

اور علامہ باجی نے شرح موطا میں ذکر فرمایا ہے کہ جناب سر اللہ الاعظم کو مطلقاً فعل مباح یا غیر مباح کسی صورت میں ایذا پہنچانا جائز نہیں ۔ اور حضور کی ذات والا صفات کے علاوہ باقی

افرادِ انسانی کو فعل مباح میں ایذا پہنچانا جائز ہے۔ البتہ افرادِ انسانی کو یہ حق حاصل نہیں کہ فعل مباح میں ایذا پہنچانے والوں کو ایذا پہنچانے سے منع کرے۔ اور نیز امر مباح میں ایذا پہنچانے والا گناہگار نہ ہوگا۔ اگرچہ بسبب فعل مباح غیر کو ایذا پہنچادے۔ مثلاً داڑھی منڈانے والا یا حدِ شرع سے کم کرنے والا اگر اس کو اس فعلِ قبیحہ پہ ایذا پہنچائی جائے تو یہ جائز ہے) وغیرہ وغیرہ۔ اسی وجہ سے تو جناب سر اللہ الاعظم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دختر ابوجہل کے نکاح کرنے سے منع فرمایا۔ بعد اس کے کہ وہ ایمان لائی تھی لیکن حضرت علی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر نکاح ثانی کرنا چاہتے تھے۔ تو جب اس واقعہ کی اطلاع حضور کو ملی تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ فاطمہ میرے گوشت کا ایک پارہ ہے۔

اور اے میرے اصحاب یاد رکھو کہ میں مطلقاً حرام نہ کروں گا اس چیز کو کہ جس کو رب تعالیٰ نے حلال فرمایا ہو لیکن مجھے جلیل وجبار کی قسم کہ ہرگز مجتمع نہ ہو سکیں گیں دختر حبیب اللہ و دختر عدو اللہ ایک مرد کے پاس نکاح واحدہ میں۔

احبابِ ملت صاف ظاہر ہوا کہ سردارِ کائنات نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ایذا پہنچانا ایذاء الرسول صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا۔ حالانکہ نکاح ثانی امر مباح ہے مگر ہر امر و فعل مباح و غیر مباح میں سرکارِ کونین کو ایذا پہنچانا قطعاً حرام ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔ اِنَّ الذین یؤذون اللہ - الایۃ - انتہی کلامہٗ۔

اور نیز اخراج کیا ہے ابونعیم نے اپنی کتاب (الحلیۃ) میں بطریق عبداللہ بن یونس - اور نیز اخراج کیا شیخ الاسلام الہروی نے ذم الکلام میں بطریق ابن ابی جملیۃ - اور نیز اخراج کیا ہے ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں "جو کہ تاریخِ دمشق کے ساتھ مشہور ہے اور تقریباً اسی جلدوں میں ہے۔" از طریق یحییٰ بن عبدالملک بن ابو عیینہ۔

فقیر کان اللہ لہٗ اس روایت کا ترجمہ نقل کرتا ہے کہ جو ابن عساکر نے اخراج کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ فرمایا ابو عیینہ نے کہ مجھ سے حدیث بیان کیا نوفل بن فرات نے اور وہ عامل تھا خلیفۃ المسلمین الملقب بعمر ثانی عمر بن عبدالعزیز کا۔ کہ اعمال عمر ابن عبدالعزیز میں سے ایک شخص نے جناب سر اللہ الاعظم کے والد ماجد کو نسبت شرک کیا تو اس عامل کے اس

جب کو خلیفۃ المسلمین عمر بن عبد العزیز نے سُنا۔ آہ برکشید و سر فرو برد مدتے و خاموش ماند تو آپ نے ایک سرد آہ کھینچا اور سر مبارک کو دیر تک مراقبہ میں رکھا۔ اور خاموش رہے۔ پھر سر مبارک کو اٹھایا اور فرمانے لگے۔ ایا ببرم زبان اورا و یا قطع کنم دست و پائے اورا او زنم گردن اورا کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس شخص کی زبان کو کاٹنے کا حکم صادر کردوں یا اس کے ہاتھ پیر کے کاٹنے کا حکم نافذ کردوں یا اس کی گردن کو کاٹ کر جان سے ختم کردوں۔ ہاں ان سب خیالات کو ترک کرتا ہوں اور اس شخص کو دیوان سے معزول کرتا ہوں۔ اور اے ملعون یاد رکھ عامل نہ شوی مدتے کہ من زندہ خواہم ماند۔ کہ جب تک میں زندہ رہوں گا تو کسی دفتر میں اور سرکاری اعمال میں تمکو عامل نہ ہونے دوں گا۔ انتہیٰ کلامہ۔

اور نیز محب الدین احمد بن عبد اللہ متوفی ۶۹۴ھ نے اپنی کتاب (ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ) میں حضرت ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنا سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ ایک دن جناب سر اللہ الاعظم کی خدمت اقدس میں سبیعۃ[1] بنت ابو لہب حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی یا رسول اللہ لوگ میرے ساتھ مذاق کرتے ہیں اور کہتے ہیں انت بنتِ حطب النار کہ تم ہیزم دوزخ کی لڑکی ہو۔ فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو مغضب۔ تو جب سرکار کونین نے اپنی چچازاد ہمشیرہ سے یہ کلام سُنا تو فوراً غضبناک حالت میں کھڑے ہو گئے اور ارشاد فرمانے لگے۔ فقال ما بال اقوام یؤذوننی فی قرابتی من اذای قرابتی فقد آذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ۔ کہ کیا شان ہے اس قوم کا کہ مجھے میرے قرابت داروں کی وجہ سے ایذا پہنچاتے

---

[1] بعض روایات میں سبیعۃ کے جگہ درۃ وارد ہے۔ درۃ بنتِ ابی لہب حضور کی چچازاد ہمشیرہ تھی۔ مہاجرات سے تھی۔ اور حارث بن نوفل بن حارث کے عقد میں تھی۔ اور یا دحیۃ الکلبی کے نکاح میں تھی۔ اور ابو نعیم نے کہا کہ صواب یہی ہے کہ یہ واقعہ درۃ کا ہے نہ کہ سبیعۃ کا۔ اور اس کا ذکر مسند ابی ہریرۃ میں ہے اور روایت دوسرے سے بھی اس کا ذکر ہے لیکن مشہور روایت وہی ہے کہ جس کو متن میں فقیر نے ذکر کیا واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ منہ غفرلہ۔ کذا فی تجرید اسد الغابہ فی اسماء الصحابہ۔

ہیں جس نے میرے قرابت داروں کو ایذا پہنچائی تو تحقیق اس شخص نے مجھ کو ایذا پہنچائی اور جس شخص نے مجھ کو ایذا پہنچائی تو تحقیق اس نے اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کو ایذا پہنچائی (ومن اذی اللہ فقد ھلک)

دیکھا آپ نے کہ فریق دوم میں ایک جم غفیر علماء اعلام کا اس عقیدہ مذکورہ بالا پر جازم ہے کہ جناب سید السفراء علیہ التحیۃ والثناء کو ایذا پہنچانا کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔ لہٰذا یہ بات تسلیم کرنی پڑیگی کہ والدین حتماً یقیناً جنتی ہیں۔ اور اگر جنتی تسلیم نہ کیا جائے تو یہ ایذاء الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور ایذاء رسول درحقیقت ایذاء اللہ جل شانہٗ ہے۔ اور ایذاء اللہ کی وجہ سے ہلاکت یقینی ہے۔ (اللھم احفظنا من ایذاء حبیبک اٰمین)

مہمہ

برادرانِ اسلام فقیر غفرلہٗ کہتا ہے کہ اس مسئلہ میں غور کرنے سے وہ مسائل اختلافیہ کہ جن میں بین الامت اختلاف شدید واقع ہے مثلاً

۱۔ مسئلہ علم غیب کی۔ ۲۔ مسئلہ حاضر و ناظر۔

۳۔ مسئلہ نداء یا رسول اللہ ۴۔ مسئلہ تقبیل الابہامین والوضع علی العینین

وغیرہ وغیرہ مسائل اختلافیہ کا سمجھ بخوبی آسکتا ہے۔ کیونکہ جیسے جناب فخر موجودات کے والدین شریفین بلکہ آپ کے جمیع اقرباء کو بدی سے یاد کرنا ایذاء الرسول ہے اور ایذاء الرسول ایذاء اللہ ہے۔ اور ایذاء اللہ ہلاکت ہے۔ اسی طرح جناب سر اللہ الاعظم کی صفات علمی۔ نظری۔ نوری وغیرہ رتبات کو تحقیر یا تنقیص سے یاد کرنا باعث ایذاء الرسول ہے اور ایذاء الرسول سے ایذاء اللہ (ومن اذاء اللہ فقد ھلک) قال اللہ تعالیٰ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللہَ وَرَسُوْلَہٗ الایۃ۔ فافہم۔

میدانِ جلال

برادرانِ دین متین و شرع مبین سیدنا و امامنا امام جلال الدین سیوطی مجدد مائۃ تاسعہ نے اس مضمون کو نہایت اعلیٰ و افضل ترکیب سے عوام کے سمجھنے کے لئے ایک عجیب پیرایہ

اپنے رسالہ مسالک الحنفاء میں بیان فرماتے ہیں کہ مجادلین اس زمانہ میں کثیر تعداد میں ہیں۔ خصوصاً اس مسئلہ زیر بحث میں۔ اور اکثر ان مجادلین میں سے ایسے لوگ ہیں کہ وہ کم علم بلکہ جاہل ہیں اور طریق استدلال کو مطلقاً نہیں جانتے۔ فالکلام معہم ضائع۔ مگر وہ مجادلین کہ جن کو ذرا سمجھ ہو اور ان کے ساتھ گفتگو کی جائے ایسی ترکیب سے جو کہ ان کے اذہان کے قریب قریب ہو تو ہو سکتا ہے کہ رب تعالیٰ ان کو ان خفیات کا کشف فرمادے۔

توضیح المقام

سوال قول منکر و مجادل کا کہ صحیح مسلم میں ثابت ہو چکا ہے کہ والدین کریمین ناری ہیں پھر تمہارا دعوئے نجات و ایمان والدین ماجدین کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ ہم تو صحیح مسلم ہی کے قول کو تسلیم کریں گے۔ دیگر اقوال علماء کو تسلیم نہ کریں گے۔

(۱)

جواب بطریق الزام

۱۔ فقیر لاحم اللہ القدیر کہتا ہے کہ اے مجادل اگر تو شافعی المذہب ہے تو میں تم کو کہتا ہوں کہ صحیح مسلم میں ثابت ہے کہ جناب عمر اللہ الاعظم نے نماز میں "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" نہیں پڑھا۔ وانت لا تصح الصلوٰۃ بدون البسملۃ اور تیرے مسلک میں وہ نماز کہ جس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ پڑھا جائے صحیح نہیں۔

۲۔ اور نیز اے مجادل صحیح مسلم میں ثابت ہے کہ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ کہ امام اس غرض کے لئے مقرر کیا جاتا ہے کہ حالت امامت میں اس کی تابعداری کی جائے۔ اور مطلقاً اس کے حکم سے خلاف نہ کیا جائے۔ اور جب امام رکوع کرے تو مقتدی امام کی تقلید میں ساتھ ساتھ رکوع کرے۔ اور جب امام رکوع سے سر اٹھاوے تو مقتدی بھی فوراً سر اٹھاوے۔ اور جب امام "سمع اللہ لمن حمدہ" پڑھے تو مقتدی "ربنا لک الحمد" پڑھے واذا صلّی جالساً فصلّوا جلوساً اجمعون۔ اور جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تمام مقتدی امام کی تقلید کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھیں۔ وانت اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ لا تقول سمع اللہ لمن حمدہ مثلہ واذا صلّی جالساً

بعد برانت تاذ "تصلی خلفہ قائماً لا جالساً۔ اور تم اے مجادل جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو مثل امام کے سمع اللہ لمن حمدہ کہتے ہو۔ اور جب امام کسی عذر سے بیٹھ کر نماز پڑھتا ہو اور تم کھڑے ہونے پر قادر ہو تو تم کھڑے ہو کر امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہو۔ بیٹھ کر نہیں۔

۳۔ اور نیز اے مجادل صحیحین میں ثابت ہے کہ تیمم کے لئے ایک ضرب کافی ہے۔ وانت لا تکتفی فی التیمم۔ بضربۃ واحدۃ اور تم اے مجادل تیمم کے لئے ایک ضرب کو کافی تسلیم نہیں کرتے فکیف خالفت الاحادیث التی ثبتت فی الصحیحین او احدھما۔ پھر اے مجادل تم نے ان احادیث مبارک کی خلاف ورزی کیوں کی۔ حالانکہ یہ احادیث صحیحین میں ثابت و کائن موجود ہیں۔ تو اگر تمہارے پاس ذرہ بھر رائحہ علم ہو تو لا محالہ تم کو یہ کہنا پڑیگا۔ قامت ادلۃ اخری معارضۃ لھٰذہٖ فقدمت عنھا۔ کہ دیگر دلائل نہایت قوی وارجح ان احادیث کے معارض جو کہ صحیحین میں ثابت ہیں پائے گئے۔ اس لئے ان احادیث پر عمل کرنا پڑا۔ اور ان احادیث کو ترک کرنا پڑا۔

حاصل جواب نمبر۱

فاقول لک ھذا مثلہٗ فقیر کان اللہ لہٗ کہتا ہے کہ اے مجادل حدیث مسلم۔ (انّ ابی واباک فی النّار) بھی اسی قبیلہ میں سے ہیں۔ کہ اس کے خلاف دیگر احادیث نہایت قوی وارجح نجات وایمان ابوین کریمین پر دال پائے گئے۔ اس لئے ان احادیث پر عمل کرنا پڑا اور حدیث مسلم کو ترک کرنا پڑا۔ فافہم۔

(۲)

۱۔ فقیر کہتا ہے کہ اے مجادل اگر تو مالکی المذہب ہے تو میں تم سے کہتا ہوں کہ صحیحین میں ثابت ہے کہ متبایعان بالخیار ہے (مالم یتفرقا) جب تک مجلس سے مفارقت اختیار نہ کرے۔ یعنی مجلس سے جدا جدا نہ ہو جائے۔ وانت لا تثبت خیار المجلس اور اے مجادل تیرے مسلک میں خیار مجلس ثابت ہی نہیں۔

۲۔ اور نیز صحیح مسلم میں ثابت ہے کہ جناب سر اللہ الاعظم نے وضو فرمایا اور آپ نے تمام سر کا

مسح نہ کیا۔ وانت توجب فی الوضوء مسح کل الرأس ۔ اور اے مجادل تیرے مسلک میں تمام سر کا مسح وضو میں واجب ہے ۔ تو پھر تم نے ان احادیث کی جو کہ صحیحین میں ثابت ہے مخالفت کیوں کی ۔ تولا محالہ تم کو کہنا پڑیگا قامت ادلة اخری معارضة له فقدمت علیه کہ دیگر احادیث نہایت قوی وارجح ان احادیث کے معارض پائے گئے ۔ اس لئے ان احادیث پر عمل کرنا پڑا ۔ اور ان احادیث کو ترک کرنا پڑا ۔

حاصل جواب نمبر ۲

فاقول لك وهذا امثلهٗ ۔ فقیر کان اللہ لہٗ کہتا ہے کہ حدیث مسلم (ان ابی واباك فی النّار) بھی اسی قبیلہ سے ہے کہ اس کے خلاف ومعارض دیگر احادیث نہایت قوی ارجح نجات وایمان ابوین کریمین کی شان میں پائی گئیں لہذا ان پر عمل کرنا پڑا اور حدیث مسلم کو ترک کرنا پڑا ۔ فافہم ۔

(۳)

۱۔ فقیر کان اللہ لہٗ کہتا ہے کہ اے مجادل اگر تو حنفی المذہب ہے تو میں تم کو کہتا ہوں کہ صحیحین میں ثابت ہے کہ فرمایا حضور علیہ السلام نے اذا ولغ الکلب فی اناء احدکم فلیغسلهٗ سبعاً کہ جب تم میں سے کسی شخص کے برتن میں کتا اپنا منہ داخل کردے ۔ تو لازم امر یہ ہے کہ اس کو سات مرتبہ دھولو ۔ تب وہ پاک وصاف ہوگا ۔ وانت لا تشترط فی النجاسة الکلبیة سبعاً" اور تمہارے مسلک میں اے مجادل سات مرتبہ دھونا شرط نہیں

۲۔ اور نیز اے مجادل صحیحین میں ثابت ہے کہ نماز بغیر فاتحۃ الکتاب کے درست نہیں ۔ وانت تصحح الصّلوٰة بدونها ۔ اور تیرے مسلک میں نماز بغیر فاتحۃ الکتاب کے درست ہے ۔

۳۔ اور نیز اے مجادل صحیحین میں ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدبّر کو بیچا تھا ۔ یعنی مدبّر کا بیچنا مسلم کی روایت سے ثابت ہے وانت لا تقول ببیع المدبر اور تم اے مجادل بیع مدبر کو جائز قرار نہیں دیتے ۔

۴۔ اور نیز ثابت ہو چکا ہے کہ جب پانی قلتین تک پہنچ جائے تو وہ پانی نجاست کے گرجانے سے پلید نہیں ہوتا۔ وانت لا تعتبر القلتین اور تیرے مسلک میں اے مجادل قلتین معتبر نہیں فکیف خالفت ھذہ الاحادیث الصحیحۃ تو پھر اے مجادل تم نے ان احادیث کی مخالفت کیوں کی۔ حالانکہ یہ احادیث صحیحین میں ثابت و کائن موجود ہے تو لا محالہ تم کو یہ کہنا پڑیگا۔ قامت ادلتہ اخری معارضۃ لھا فقدمت علیھا۔ کہ ان احادیث کے معارض دوسرے احادیث جو کہ نہایت قوی وارجح تھے پائے گئے۔ اس لئے ان احادیث پر عمل کرنا پڑا۔ اور ان احادیث کو ترک کرنا پڑا۔

حاصل جواب نمبر ۳

فاقول للہ ھذا مثلہ۔ فقیر غفرلہٗ کہتا ہے کہ حدیث مسلم (ان ابی و اباک فی النار) بھی اسی قبیلہ سے ہے کہ دیگر احادیث نہایت قوی و ارجح اس حدیث کے معارض نجات وایمان والدین شریفین کی شان میں پائے گئے۔ اس لئے ان احادیث پر عمل کرنا پڑا اور حدیث مسلم کو ترک کرنا پڑا۔ فافہم۔

(۴)

۱۔ فقیر لاحد اللہ القدیر کہتا ہے کہ اے مجادل اگر تو حنبلی المذہب ہے تو میں تم کو کہتا ہوں کہ صحیحین میں ثابت ہے کہ جس نے شک کے دن روزہ رکھا (فقد عصیٰ ابا القاسم) تو اس نے حضور کے حکم سے نافرمانی کی۔

۲۔ اور نیز صحیحین میں ثابت ہے کہ رمضان شریف سے ایک یا دو دن قبل روزہ رکھنا جائز نہیں وانت تقول بصیام یوم الشک اور اے مجادل تمہارے مسلک میں شک کا روزہ رکھنا ضروری ہے فکیف خالفت ما ثبتت فی الصحیحین تو پھر تم نے ان احادیث کی جو کہ صحیحین میں ثابت و کائن ہیں مخالفت کیوں کی تو لا محالہ تم کو کہنا پڑیگا۔ قامت ادلۃ اخری معارضۃ لہٗ فقدمت علیہ کہ دیگر دلائل و احادیث نہایت قوی وارجح معارض ان احادیث کے پائے گئے۔ لہذا ان پر عمل کرنا پڑا اور ان احادیث کو ترک کرنا پڑا۔

حاصل جواب نمبر ۴

ناقول لك وهذا امثله فقیر کہتا ہے کہ حدیثِ مسلم (ان ابی وا باک فی النار) بھی اسی قبیلہ سے ہے۔ کیونکہ دیگر دلائلِ داحادیث نجات و ایمان والدین کریمین کی شان میں قوی وارجح پائے گئے۔ لہٰذا ان پر عمل کرنا پڑا اور حدیثِ مسلم کو ترک کرنا پڑا۔ فافہم۔

(۵)

فقیر الی اللہ الرحیم کہتا ہے کہ اے مجادل اگر تو ان لوگوں سے ہے جو کہ صرف حدیث لکھنا جانتے ہیں اور ان کے پاس علمِ فقہ سے مطلقاً کوئی شے نہیں تو ان کی شان میں علماءِ اعلام متقدمین فرما چکے ہیں المحدث بلا فقہٍ کعطارٍ غیر طبیبٍ یعنی فقہ کے بغیر محدث ہونے کا دعوےٰ کرنا ایسا ہے جیسے کہ ایک شخص عطار ہو لیکن طبیب نہ ہو۔ جیسے عطار کی دکان میں ہر قسم کی دوائی موجود ہوتی ہے لیکن عطار یہ بات مطلقاً نہیں جانتا کہ یہ دوائی کس مرض یا کتنی اقسامِ مرض میں کام آنے والی ہے۔

(۶)

والفقیہ بلا حدیثٍ کطبیبٍ لیس بعطارٍ۔ اور نیز اے مجادل اگر تو ان لوگوں سے کہ صرف فقہ جانتے ہیں اور علمِ حدیث کا ان کے پاس کوئی شامہ نہیں تو ایسے لوگوں کی شان میں علماءِ کرام ارشاد فرما چکے ہیں کہ فقہ کا دعوےٰ بلا معارف حدیث کرنا ایسا ہے کہ جیسے ایک شخص طبیب ہو لیکن عطار نہ ہو۔ یعنی حکیم اس بات کو جانتا ہے کہ فلاں دوائی فلاں مرض وغیرہ حالات میں کام آنے والی دوائی ہے۔ لیکن اس کے پاس دوائی موجود نہیں۔

اور فقیر لاحم اللہ القدیر وہ عالم باعمل متقی پرہیزگار عالم ہے کہ بحمد اللہ تعالیٰ تمام علوم کو اپنے پاس جمع کئے ہوئے ہے مثلاً ۱۔ علمِ حدیث۔ ۲۔ فقہ۔ ۳۔ اصول اور تمام آلاتِ عربیہ مثلاً ۱۔ معانی۔ ۱۔ بیان وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام علوم کے حاصل ہو جانے کی وجہ سے فقیر جانتا ہے کہ:۔

۱۔ گفتگو کیسے کی جاتی ہے۔ ۲۔ اور استدلال کیسے کیا جاتا ہے۔

۳۔ اور دلائل میں ارجح کیسے معلوم کیا جاتا ہے۔ ۴۔ اور دفعِ قول میں قول کیسے کیا جاتا ہے۔

اور اے عوام الناس دعویٰ کنندۂ علم و عرفان۔ توفیق عطا فرماوے رب تعالیٰ آپ کو کہ جب آپ ان معارف کے سمجھنے کے لائق نہیں تو آپ احادیث کے رواۃ وغیرہ حالات میں بحث کیوں کرتے ہو کیونکہ آپ فقہ۔ اصول وغیرہ علوم کو مطلقاً نہیں جانتے۔ اور نہ آلات عربیہ۔ کلام۔ معانی وغیرہ سے آپ کچھ خبردار ہو۔ تو پھر آپ کے لئے کلام فی الحدیث اور استدلال بالحدیث مطلقاً حرام ہے کیونکہ آپ تمام علوم کو جانتے نہیں ورنہ آپ نے ان علوم کا احاطہ کیا ہے اور کلام فی الحدیث اور استدلال بالحدیث ان تمام علوم کے احاطہ کے بغیر ممکن نہیں تو اے برادر مومن آپ اتنے علم پر صبر کریں یعنی سوال کریں اور وہ عالم آپ کو اس حدیث کے متعلق ارشاد فرما دے کہ یہ حدیث مبارک ہے یا نہیں اور یا اس حدیث کو حفاظ نے صحیح کہا ہے اور یا یہ حدیث حسن وغیرہ ہے تو آپ کے لئے آگے فتوے دینے میں اسی قدر بیان (جو اس عالم باعمل کامل جید سے آپ نے سنا ہے) جائز ہے۔ اور اس قدر کے علاوہ از خود کلام فی الحدیث کرنا آپ کے لئے حرام ہے۔ آپ اتنا ہی بیان کر دیا کریں جو آپ کے علم میں آچکا ہے۔ باقی دراز گفتگو فی الحدیث وغیرہ علوم میں ان علوم کے اہل کے لئے چھوڑ دیں۔ واللہ الہادی۔

(۷)

فقیر لاحول اللہ القدیر مذاہب اربعہ کے مقلدین سے سوال کرتا ہے کہ مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ طلاق ثلاث حضور کے عہد مبارک میں ایک شمار کیا جاتا تھا اور خلافت صدیق اکبر میں بھی ایسا ہی تھا۔ اور خلافت عمر فاروق کے اوائل میں بھی اسی پر عمل تھا۔

تو میں ہر طالب علم سے پوچھتا ہوں کہ اس حدیث کے مقتضیٰ کی مطابقت میں اگر کسی شخص نے اپنی بی بی سے یوں کہا انت طالق ثلاثاً تطلق واحدۃً۔ فقط۔ کہ تم طلاق ثلاث سے طلاق ہو۔ تو کیا اس لفظ سے ایک طلاق واقع ہوگا۔ تو اگر آپ (نعم) میں جواب دیں۔ تو آپ نے اپنے مذہب سے اعراض کر لیا اور اگر آپ (لا) میں جواب دیں تو میں آپ سے یہ سوال کرتا ہوں۔ فکیف تخالف ما ثبت فی صحیح مسلم کہ آپ نے اس حدیث کی جو کہ صحیح مسلم میں ثابت و کائن ہے۔ کیوں

مخالفت کی۔ تو اگر آپ مجھ کو یہ جواب دیں کہ اس حدیث کے معارض اور احادیث نہایت قوی و ارجح ایسی پائی گئی ہیں کہ جن سے ثابت ہوا کہ اس لفظ سے طلاق ثلاثہ ہی واقع ہوگا۔ یک طلاق نہیں۔ لہذا ہم نے ان احادیث پر عمل کیا اور حدیثِ مسلم کو ترک کیا۔

حاصل جواب ۷

اقول لك، هذا امثلة۔ تو میں آپ سے کہتا ہوں کہ حدیثِ مسلم (ان ابی و ابیک فی النار) بھی اسی قبیلہ سے ہے کہ اس حدیث کے معارض دیگر احادیث نجات و ایمانِ والدین کریمین کی شان میں نہایت قوی وارجح پائی گئی ہیں لہذا ہم نے ان احادیث پر جو کہ نجات والدین ہیں ہیں عمل کیا اور حدیثِ مسلم کو ترک کیا۔

نتیجہ

احبابِ ملت! اس دراز تقریر سے میدان جدال کے زیرِ عنوان مقصود کیا تھا الیس کل حدیثٍ فی صحیح مسلم یقال بمقتضاہ لوجود المعارض لہ یہ کہ تمام احادیث جو کہ صحیح مسلم میں موجود ہیں اسی پر عمل کرنا پڑیگا اگرچہ ان کے معارض دیگر احادیث قوی وارجح موجود ہوں۔ نہیں ایسا نہ ہوگا بلکہ وہ احادیث جو کہ صحیح مسلم وغیرہ میں موجود ہیں اگر دیگر احادیث ان کے معارض قوی وارجح پائی جائیں تو ان پر عمل کرنا ہوگا اور مسلم وغیرہ کی احادیث کو ترک کرنا ہوگا۔ کیونکہ جب چاند نمودار ہوتا ہے تو پھر تاروں کی ضیا کی ضرورت نہیں ہوتی اور جب پانی مل جاتا ہے تو تیمم باطل ہو جاتا ہے۔ وایں قدر مومن را در ارشاد کافی است۔ فافہم ولاتکن من الشاکین۔

واللہ الہادی۔ وباللہ التوفیق۔ وہو نعم الرفیق۔ اللہ ناصر کل صابر۔

فریق سوم

اخوانِ اسلام نجاتِ والدین ماجدین کی شان میں، فریق سوم علماء کرام میں متوقفان کا ہے۔ اور ان کا یہ عقیدہ ہے کہ حق تعالیٰ جل شانہ، دانا تر ہے احوال والدین کریمین کے ساتھ تو اس بات میں توقف ہیں۔ اور ایک طائفہ کبیرہ علماء اعلام میں سے اس عقیدہ پر جازم

ہیں اور ان کے عقائد کی تفصیل کی چنداں ضرورت نہیں۔ اس لئے اسی قدر پر اکتفا کرتا ہوں

خاتمہ

برادرانِ اسلام فقیر لاحہ اللہ القدیر نے اس مسئلہ کی تبیین میں جہاں تک ہو سکا جتہاد کیا کیونکہ یہ مسئلہ اجتہادیہ ہے۔ اور ساعی عند اللہ ماجور ہوگا نی کل حال۔ اور پر میں دعوے مطلقاً نہیں کرتا کہ یہ مسئلہ اجماعی ہے لیکن میں نے اقوال ان قائلین کا کہ نجات وایمان ابوین کریمین کی شان میں ہیں ذکر کیا اور ان کو ہی نے ترجیح دی کیونکہ شان ابوین کریمین کے ساتھ وہی اقوال مناسب و ذہ فوائد تھے۔

فائدہ ۱:۔ یہ ہے کہ مومن مسلمان جس کو ذرہ بھر حضور علیہ السّلام کے ساتھ عشق و محبت ہو کر جب وہ اس بات کو سن لیں کہ علماء کرام میں سے ایک جمّ غفیر حضور کے والدین شریفین کی نجات وایمان کے قائل ہیں اور ان علماء کرام نے دلائل و براہین سے ثابت کر دیا ہے کہ والدین کریمین سید کونین یقیناً ناجی و مومن ہیں اور حتماً جنتی ہیں تو بلاشک انکا شرح صدر ہو جائیگا اور ان کے قلب و خاطر میں سرور پیدا ہو جائے گا۔

فائدہ ۲:۔ یہ ہے کہ دراصل نجات وایمان والدین کریمین کا تحقیق اور بعد از تحقیق نجات وایمان پر قیام دلائل ہی میں سرکارِ کونین کی خوشنودی ہے۔ اور اس امر کی تقریر میں حضور کی رضا ہے۔ اور توسل شفاعت اسی سعی سے یقیناً قیامت کے روز نصیب ہوگا۔

فائدہ ۳:۔ یہ ہے کہ شغل ان دلائل و براہین میں اجرِ عظیمہ رکھتا ہے بنسبت اقوال ساکتین کے۔ اس لئے فقیر نے دوستانِ دینی کی خاطر اور اپنے ایمان کو عند اللہ فی مقعد صدقٍ عند ملیکٍ مقتدر کے مقام تک پہنچانے کی خاطر خدمتِ نسب شریفہ کے لئے قلم اٹھایا اور اقوال علماء کرام و ائمہ اعلام سے استنباط کر کے بحجج قاہرہ قاطعہ ثابت کر دیا کہ ابوین شریفین کریمین سید کونین یقیناً قطعاً حتماً جنتی ہیں۔ بلکہ تمام سلسلہ تا عہد آدم علیہ السلام کامل مومن ہیں اور اس تحقیق و خدمت کے بعد مجھے کامل یقین ہے کہ رب تعالیٰ بسبب خدمت نسب شریفہ اس فقیر پر تقصیر اور فقیر کے والدین، ماجدین اور جملہ احباب مخلصین "جو کہ آستانہ عالیہ نارووفیہ کے ساتھ جانی۔ مالی وغیرہ ہر قسم کی اعانت و امداد کرتے ہیں" کو یقیناً

معاف فرمائے گا۔ اور اپنے جوارِ رحمت میں اعلیٰ وافضل مقام نصیب فرمائے گا۔ واللہ ذوالفضل العظیم۔

مُناجات وعرضِ حال بدربارِ سرّاللہ الاعظمؒ

از فقیر ابوالفیض وابومحمّد حبیب الرحیم فاروقی۔ قادری۔ نعمانی۔ زاد اللہ لہٗ شرفاً و عزتاً فی الدارین۔ آمین۔

شاہا! زکرم برمن مسکین نگر ÷ ما را بکرم لطفِ خدا داد نگر
تعریف صفتِ لائقِ تو نیست زما ÷ برمن منگر باکرمِ خویش نگر
آں شان کہ داد ست خدا از درِ خود ÷ باخلعتِ احسانِ عطا برمن عاجز نگر
گر نیست مرا دہن بتعریف تمام ÷ اما بعلم حلم خود از خود باین فقیر نگر
فقیر خستہ بتوصیفِ اہلِ تو در تو ÷ بگرفت دامنِ تو بشفقت باین بیب نگر
کر دست اجتہاد بحق در نجات اہل ÷ باحرمت نگاہِ شفاعت باین کمیں نگر
ما را باہلِ خود واحباب خاصِ من ÷ باظرف گلینی ہمہ با نظرِ کیمیا بنگر
در روزِ قیامت چو تو بخشی زخدا اہل ÷ ببخش ہمرا زخدا بانگاہِ نعیمی بنگر
غم نیست مرا چو تو باشی بقدام ÷ بحال وقال خادمانِ نسب باز نگر
چو صلوٰۃ و سلام زجانب من ÷ رسد بسلسلۂ تو بشان بمن بنگر
گواہ باش رسول عربی برمن مست ÷ بوصف برقِ دلم سے سرد باد بنگر
صدائے صوت صلوٰۃ و سلام از درجِ من ÷ زحبیب فکر عجیبی بتو رسد بنگر

یا شفیع المذنبین اے دعائے حبیب آزردہ
قبول کن بتمامی برحمتے بنگر

———— ÷ ————

تنبیہ

فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ ولاحبابہ اجمعین نے اس عجالہ نافعہ میں کہ نہایت عجالت پر مبنی تھا اکثر حدیثوں کی نقل میں اختصار بلکہ بہت جگہ صرف محلِ استدلال پر اقتصار کیا۔ مواقع کثیرہ میں موضع احتجاج کے سوا باقی حدیث کا فقط ترجمہ لایا طرق ومتابعات بلکہ کبھی کبھی شواہد مقاربت المعنی میں بھی ایک کا متن لکھا۔ بقیہ کے محض حوالہ پر اکتفا کیا۔ اگرچہ وہ تمام متون بفضلہ تعالیٰ جدا جدا بالاستیعاب میرے پیشِ نظر ہوئے اور اقوال وارشاداتِ علماء کرام کو وجازۂ تحقیق و تدقیق سے ان کے بحار اسفار مواج ذخائر سے نقل کیا۔ چند ذخائر گراں مایہ کے اسماءِ مقدسہ درج ذیل ہیں۔ جو کہ ہنگامِ تحریر میرے پیش نظر موج زن رہے۔ اور اپنے صدف خیز قعروں گہر ریز لہروں سے ان فرائد آبدار د لآلی شہوار کے ماخذ ہوئے۔

۱۔ الصحاح الستۃ

۲۔ الترغیب والترہیب۔ للامام حافظ عبد العظیم زکی الدین المنذری۔

۳۔ الخصائص الکبریٰ لحافظ ابی الفضل السیوطی۔

۴۔ نسیم الریاض شرح شفاء للعلامۃ الشہاب الخفاجی۔

۵۔ "التیسیر" شرح جامع صغیر۔ للعلامۃ عبد الرؤف المناوی۔

۶۔ شرح المواہب للعلامۃ الشمس محمد بن عبد الباقی الزرقانی۔

۷۔ مفاتیح الغیب وتکملتہا لفاضل العلامۃ الخوبی۔

۸۔ روح البیان لعلامۃ شیخ اسماعیل حقی بروسی۔

۹۔ روح المعانی لعلامۃ الوسی بغدادی۔

۱۰۔ مکتوبات فقیر اللہ شاہ صاحب علوی شکارپوری۔ وغیرہم رحمت اللہ تعالیٰ علینا وعلیہم اجمعین

طالب متجسس کو تثبت وامعان نظر درکار والحمد للہ الکریم الستار۔

اس رسالہ کا آغاز دہم شعبان المعظم بروز جمعۃ المبارک ۱۳۸۱ھ اور خاتمہ بیست وہفتم رمضان المبارک ۱۳۸۱ھ کو وقت نماز تہجد ہوا۔ والحمد للہ ذالکرم والجود اس رسالہ میں چونکہ نسب شریف

طیبہ طاہرہ کی خدمت کاملہ کی گئی ہے اس لئے والدین ماجدین طیبین طاہرین محسنین مربین کی طفیل و صدقہ میں حضور پُرنور نورٌ علیٰ نور عفوٌ غفور جواد کریم رؤف رحیم مقیل عثرات مفوح زلات ناظم الہبات مصحح الحسنات منبع الکرامات سید الکائنات خاتم النبیین شفیع المذنبین محمد الرسول اللہ صلوات اللہ والسلام علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ واحبابہٖ وخدمائہٖ اجمعین کی بارگاہ بیکس پناہ میں شرفِ قبول پائے۔ اور ذات باری تعالیٰ مصنف اور اس کے والدین ماجدین واقربا و کاتب وسائل و واسطہ سوال ومعاونین آستانہ عالیہ فاروقیہ وکل احباب مخلصین فقیر عفا اللہ لہٗ ومعمدین اجراء رسائل دینی وخوانندہ وسمع تحاریر تقاریر فقیر غفرلہ وعامۃ المومنین محبین کو بسبب خدمت ومحبت نسب شریفہ دارین میں کامیاب وکامران فرمائے تو اس ذات قدوسیہ کے رحم وکرم سے کوئی بعید نہیں بلکہ نہایت قریب ہے۔ انہ ولی ذالک والقدیر علیہ والخیر کلہ لنا وبیدیہ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

اللّٰھم صلّ علیٰ محمد وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ عدد خلقک ورضاء نفسک وزنۃ عرشک ومداد کلماتک کلما ذکرک الذاکرون وکلما غفل عن ذکرک الغافلون۔ اللّٰھم اصلح امورنا وامور اولادنا وازواجنا واقربائنا واحبائنا وامور جمیع من سمع قولنا وعمل برئینا بحرمۃ النبی وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین اٰمین یا رب العالمین وارحم علینا برحمتک یا ارحم الراحمین ط۔

گر از حق نہ توفیق خیر رسد ٭ کے از بندہ خیر بغیر رسد

گدا است از آنانکہ طاعت کنند ٭ کہ بے طاعتاں راشفاعت کنند

(سعدی)

تمت بالخیر

ا۔ عفوٌ غفور حضور کے اسماء مبارک سے ہے۔ کما فی المواہب وزرقانی ولکن یعفو ویغفر۔ رواہ البخاری۔ منہ غفرلہٗ

فقیر کان اللہ لہٗ کی دیگر ایمان افروز تالیفات

۱۔ کتاب الدولۃ المدنیۃ بالمادۃ الغیبیہ :۔ کہ جس میں علم غیب حاضر ناظر وغیرہ مسائل پر مکمل و مدلل بحث ہے۔ عمدہ کتاب ہے۔ پڑھنے کے بعد اس کی احادیث کا کامل علم ہو سکتا ہے۔ ہر مومن مسلمان اگر خلوصِ نیت سے اس کتاب کا مطالعہ کرے تو عند اللہ صحیح راستہ پائے گا۔

۲۔ اورادِ مفیدہ مع تحقیقاتِ مفیدہ ۔ کہ جس میں اورادِ مجربہ اور مسائل خفیہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور معلومات کے لئے بہتر رسالہ ہے اس کا ہر گھر میں رکھنا لازم ہے۔

۳۔ انوار الہدیٰ فی اذکار الہدیٰ :۔ جس میں ہمارے سلسلہ عالیہ قادریہ کی تشریح و تبیین ہے اور اوراد اذکار عالیہ نافعہ مجربہ ماثورہ ہیں۔ ہر ایک دوست کے پاس اس رسالہ کا ہونا اشد ضروری ہے۔ تاکہ اپنے دینی امور میں اس رسالہ سے فائدہ حاصل کرے۔

ملنے کا پتہ

آستانہ عالیہ فاروقیہ قادریہ نعمانیہ

گوجرپورہ۔ لاہور

پیر امام بخش قادری